چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈر ڈائجسٹ

کراچی

June 2018

قیمت -/70 روپے

گھر بیٹھے ڈرڈائجسٹ حاصل کریں

قارئین کرام! کیا آپ کو ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کہیں سے بھی نہیں مل رہا؟

اگر ایسا ہے تو ہم آپ کی سہولت کے لئے ان کو چند ضروری ہدایت بتاتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر آپ ماہنامہ ڈرڈائجسٹ باآسانی خرید، یا منگوا سکتے ہیں۔

آپ ماہنامہ ڈرڈائجسٹ بذریعہ وی، پی منگوا سکتے ہیں، وی پی منگوانے کا طریقہ کار آپ کو فون پر بتا دیا جائے گا۔

آپ ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کے سالانہ خریدار بھی بن سکتے ہیں، ڈرڈائجسٹ کی سالانہ قیمت -/1500 روپے ہے جسے آپ، ایزی پیسہ، یا پوسٹ آفس سے منی آرڈر کے ذریعے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔ جس سے آپ کو ایک سال تک گھر بیٹھے ماہنامہ ڈرڈائجسٹ موصول ہوتا رہے گا۔

ویسے تو ڈرڈائجسٹ پاکستان کے ہر شہر میں جاتا ہے مگر پھر بھی اتنے بڑے ملک میں کوئی نہ کوئی شہر چھوٹ جاتا ہے، اگر آپ کو اپنے شہر میں ڈرڈائجسٹ موصول نہیں ہو رہا تو اپنے شہر کا نام، اور اپنے قریبی بک اسٹال، یا ایجنٹ کا نام ہمارے دیئے گئے نمبر پر، یا بذریعہ خط ہمیں لکھ کر بھیجیں ہم ان سے رابطہ کر کے انشاء اللہ آپ کی پریشانی کا ازالہ کریں گے۔

قارئین کرام ڈرڈائجسٹ نہ ملنے کی صورت میں ہمارے نمبر پر رابطہ کریں۔

021-32744391

آپ ہمیں ای میل بھی کر سکتے ہیں dardigest01@gmail.com

منی آرڈر بھیجنے کا پتہ:۔ ماہنامہ ڈرڈائجسٹ نورانی آرکیڈ میزانائن فلور اردو بازار کراچی۔

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 9 جون 2018ء

مینجنگ ایڈیٹر خالد علی
چیف ایڈیٹر آصف حسن
ایڈیٹر شاہد علی
سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/70 روپے
سالانہ قیمت -/1500 روپے

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈرڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہو سکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

قرآن کی باتیں — ادارہ
دین و دنیا میں فلاح پانے کیلئے قرآن کی باتوں پر عمل کرنا انسانی زندگی کیلئے اہم ہے

دل بستگی — 18 — صائمہ شاہد چوہدری
خراماں خراماں دل و دماغ کو چاہت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

شکار — 41 — ایس امتیاز احمد
دوسروں کے مشورے پر دھیان نہ دینے والے گھاٹے میں رہتے ہیں، سبق آموز کہانی

پراسرار آنکھیں — 47 — نینا خان
ا ر کے لبادے میں پوشیدہ ...... اور ذہن سے محو نہ ہونے والی ...... لرزہ براندام کہانی

جن زادی — 59 — صبا محمد اسلم
کہنے والے کہتے ہیں صبر کرنے والے اور دوسروں سے ہمدردی کرنے والے خوش رہتے ہیں

جان لیوا — 64 — راشد نذیر طاہر
ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

موت کا پیغام — 93 — خلیل جبار
کیا یہ حقیقت ہے کہ رات کے پہر کسی جانور پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے، سبق آموز کہانی

پراسرار بیل — 100 — محمد حنیف شاکر
خوف و وحشت کے سمندر میں غوطہ زن ...... ناقابل فراموش وحشت ناک ...... کہانی

حویلی کا راز — 109 — نثار فاطمہ
ایک روح کا عجیب وغریب شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں پر ...... سکتہ طاری کردے گا

کمبخت عشق — 115 — احسان الحق
سبک رفتاری سے ذہن پر خوف کی دھند طاری کرتی رائٹر کی سوچ کی شاہکار کہانی

اسرار — 120 — محمد خالد شاہان
صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

ڈارک فیکٹری — 145 — سید محمود حسن
جو کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے وہ بھیانک انجام کے حقدار ہوتے ہیں، سبق آموز کہانی

چودہویں کی رات — 149 — مریم فاطمہ
بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی، دل و دماغ میں گھر کرتی دہشت ناک کہانی

خمیازہ — 155 — عجب گل اداسی
خوف کے افق پر چنگھاڑتی ہوئی ...... اپنی نوعیت کی عجیب وغریب خوفناک کہانی

اندھیرے سے اجالا — 166 — ملک فہیم ارشاد
حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

آسیب زدہ مکان — 179 — ڈاکٹر رانا عامر شہزاد
قدم قدم پر خوف پھیلاتی اور دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی ...... ناقابل فراموش کہانی

سامان عبرت — 183 — محمد رضوان قیوم
بری عادتوں کے عادی لوگ اکثر نشان عبرت بن جاتے ہیں، کہانی پڑھ کر دیکھیں

مہمان — 188 — شکیل نیازی
خوف و ہراس ...... کے شکنجے میں جکڑی ہوئی یاس ومحرومی کی ...... خوف ناک کہانی

زندگی بنی راز — 209 — فرح انیس
چاہت وخلوص کی ایک انمٹ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو اپنے حصار میں لے لے گی

برگد کا درخت — 217 — فیصل انصاری
خراماں خراماں ...... دل و دماغ کو لرزہ براندام کرتی حقیقت پر مبنی حیرت انگیز کہانی

قوس قزح — 222 — ادارہ
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں ......

گمراہ — 226 — شہزادہ چاند زیب عباسی
نورانی اور طاغوتی طاقتوں کی زبردست معرکہ آرائی ...... ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

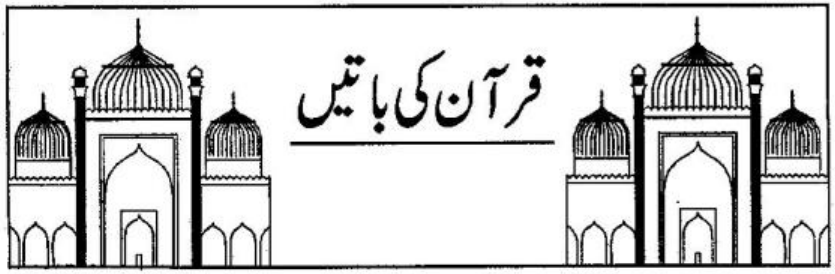

قرآن کی باتیں

☆ اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں۔ (سورۃ نور 24 آیت 4)

☆ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 31)

☆ اور دیکھنا شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 283)

☆ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اسی نے مویشیوں کی کھالوں سے تمہارے لئے ڈیرے بنائے جن کو تم سبک دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون اور ریشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں بناتے ہو جو مدت تک کام دیتی ہیں۔ (سورۃ نحل 16 آیت 80)

☆ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اللہ ان کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ (سورۃ حج 22 آیت 23)

☆ جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 161)

☆ یہ کتاب ہزل و بطلان نہیں، بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ (سورۃ بروج 85 آیت 21، 22)

☆ اور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کرسکتے ہو بڑے آدمی کہیں گے کہ تم بھی اور ہم بھی سب دوزخ میں ہیں، اللہ بندوں میں فیصلہ کرچکا ہے۔ (سورۃ مومن 40 آیت 47 سے 48)

☆ وہی رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام ٹھہرایا اور سورج اور چاند کو ذرائع شمار بنایا ہے یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے انداز ہیں جو غالب اور علم والا ہے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 96)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

فلک زاہد لاہور سے، مئی کا شمارہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ بذریعہ ڈاک موصول ہوا، خطوط میں جن بہن بھائیوں نے ہماری صحت کے لئے دعا کی ان سب کا بہت شکریہ اللہ آپ سب کو بھی خوش رکھے، آتے ہیں اس ماہ کی کہانیوں کی جانب تو پہلی کہانی "پراتی شوڈ" ایس حبیب خان صاحبہ کی ایک طویل انتظار کے بعد پڑھنے کو ملی، کہانی کا نام سر کے اوپر سے گزر گیا اور کہانی میں ہندی الفاظ کی بھرمار کی وجہ سے کہانی پڑھنے میں ذرا دشواری پیش آئی، مگر حالات و واقعات اور قلم کی روانی کہانی پڑھنے پر مجبور کرتے رہے، کہانی تازہ موضوع پر لکھی گئی، بہترین کہانی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ آپ جیسے کھلے ذہن کے رائٹر اب بھی اردو ادب میں موجود ہیں جو تنگ ذہنیت سے ہٹ کر ہر موضوع پر قلم کو استعمال میں لاتے ہیں۔ نینا خان آپ کی کہانی "نادیدہ مخلوق" اچھی تھی مزید اچھی ہوسکتی تھی اگر تھوڑی خوبصورتی سے آپ طویل کردیتیں۔ "سایہ" طارق محمود کہانی نے مجھے دنگ کرکے رکھ دیا، بہت پیاری کہانی تھی مزہ آگیا۔ "نیم شب" ایس امتیاز صاحب پلاٹ اچھا تھا مگر کہانی کچھ پراثر نہیں تھی البتہ اختتام جاندار تھا۔ "قاتل" بھائی احسان الحق کے پختہ قلم سے لکھی گئی کہانی نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا دو تین بار اینڈ پڑھ کر اپنی عقل میں کچھ سمائی...... "آسیب کا سایہ" ڈاکٹر عامر شہزاد کی کہانی اچھی رہی، "صحرا گرد" ناصر صاحب کے زور قلم سے لکھی گئی اس ماہ کی نہایت جاندار خوب صورت کہانی جس میں استعمال کئے گئے الفاظ داد و تحسین کے۔ "سویلی کی چھاؤنی" عمران قریشی صاحب ہمیشہ کی طرح نمبر ون رہے، بہت خوب...... "خون آشام" صفدر علی کہانی اچھی تھی۔ مزید لمبی ہوتی تو کیا ہی بات ہوتی۔ رضوان قیوم کی کہانی نے ہلا کر رکھ دیا بہت ہی کمال جناب...... "چڑیل کا بسیرا" شازیہ اعوان کہانی لے رونگٹے کھڑے کردیے۔ بہت جلد نئی کہانی کے ساتھ حاضری دوں گی۔ اب اجازت اللہ حافظ......!!!

☆☆ فلک صاحبہ: قلبی لگاؤ کے ساتھ خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، نئی کہانی کا شدت سے انتظار ہے۔ Thanks۔

مریم فاطمہ کراچی سے، بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم! مئی 2018ء کا ٹائٹل بڑا اچھا رہا۔ اپنی کہانی دیکھ کر اور بھی خوشی محسوس ہوئی۔ جن کسی نے بھی "طوفانی رات" کو پسند کیا ان سب کا بے حد شکریہ۔ فلک زاہد صاحبہ کے لئے دعا گو ہوں۔ کہانیوں میں راشد نذیر طاہر صاحب کی "جان لیوا" خوب اچھی جارہی ہے۔ صفدر علی صاحب کی "خون آشام" بڑی اچھی کوشش تھی۔ انجام پڑھ کر میں واقعی چونک گئی تھی۔ رابعہ عباس صاحبہ کی "خونی درندہ" اچھے پلاٹ پر مبنی نہیں تھی۔ مزہ نہیں آیا۔ احسان الحق صاحب کی "قاتل" سمپل اسٹوری تھی۔ رشک نور صاحبہ کی "آسیبی پارلر" جامع کہانی نہیں تھی۔ ابھی آپ کو بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کی "آخری وقت" واقعی قابل تعریف تھی۔ آپ کی تحریروں میں پختگی واضح نظر آتی ہے۔ فلک زاہد صاحبہ کی "شیطانی روح" بڑی محنت سے لکھی گئی تھی۔ مگر کوئی کمنٹس نہیں دوں گی۔ اقرا قریشی صاحبہ کے لکھنے کا انداز بڑا پیارا ہے۔ نا معلوم آپ آج کل کہاں مصروف ہیں۔ جلدی سے قلم اٹھایئے اور ایک اچھی سی تحریر لکھ کر بھیج دیجئے۔ آپ کی واقعی یاد آتی ہے۔ آپ کی وجہ سے ڈر کی خوب صورتی بڑھ گئی تھی۔ اب آپ نہیں ہیں تو ڈر خالی خالی سا لگ رہا ہے۔ محمد شعیب صاحب کی کہانیاں لگاتار شائع ہورہی تھیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد آپ کی تحریروں کو پسند کرتی ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد آپ بڑے رائٹرز میں شمار ہونے لگیں گے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ میری صحت یابی کے لئے دعا کریں کیونکہ آج کل میری طبیعت ناساز ہے بلکہ کافی دنوں سے میری طبیعت ناساز چل رہی ہے۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ خون کی بہت کمی ہوگئی ہے۔ اور ہاں یاد آیا ٹائٹل کو مزید خوفناک بنائیں۔ آخر میں ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔ انشاءاللہ آئندہ ماہ ڈر کی محفل میں شرکت کروں گی۔

☆☆ مریم صاحبہ: ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت عطا کرے اور تمام بیماریاں دور کردے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے "یا سلام" کا ورد کرتی رہیں۔ جلد بیماری سے جان چھوٹ جائے گی اور ہاں آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

مسز زینت خان روات سے، السلام علیکم ایڈیٹر صاحب، امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے،

آمین۔ مئی ۲۰۱۸ کے ڈر کا شمارہ زیر تبصرہ ہے۔ سرورق سے تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس مرتبہ کرائم اسٹوریز سے بھرا ہوگا لیکن جب تمام کہانیاں پڑھیں تو اندازہ ہوا کہ ڈر کی کہانیوں میں موضوع کے اعتبار سے قدرے بہتری پڑھنے کو آئی ہے۔ سب سے پہلی کہانی ’پراتی شودُ پڑھی جو موضوع اور انداز تحریر کے معیار پر ایک Perfect کہانی تھی۔ بس یہاں یہ اضافی بات ضرور کہوں گی کہ ڈائیلاگز ہندی میں ہوں لیکن جب آپ Sequences بیان کرتی ہیں تو انہیں اُردو میں لکھا کریں۔ آپ کسی بھی معروف پاکستانی رائٹر کی ناول یا کتاب دیکھیں تو وہ صرف ڈائیلاگز کو ہندی میں لکھتے ہیں، حالات واقعات اور کہانی سے وابستہ کڑیوں کو وہ اردو میں ہی تحریر کرتے ہیں۔ ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانی کا شدت سے انتظار تھا اور درخواست ہے کہ لکھتی رہیں، آپ ایک منجھی ہوئی رائٹریس ہیں۔ بہت بہت کرم و نوازش! آگے بڑھیں تو یہ کہوں گی کہ نینا خان صاحبہ نے واقعہ نگاری کی۔ اگر آپ اِسے کہانی کی صورت دیں تو کیا ہی بات ہے۔ میری بہن، اِس واقعے میں کہانی کا پلاٹ موجود تھا۔ کوشش کیجیے تو آپ ایک کہانی لکھ سکتی ہیں۔ ویسے یہ واقعہ لکھا اچھا ہے۔ ایس امتیاز احمد صاحب نے کہانی ’نیم شب‘ تحریر کی جو ایک دلچسپ ایڈونچرس کہانی تھی اور ہمیشہ کی طرح خوب تھی۔ اس مرتبہ مہر پرویز احمد دولو صاحب نے کافی زیادہ بہتر اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور کہانی کو ایک تقریر بنانے سے زیادہ ایک کہانی بنانے کی خوب کوشش کی ہے۔ دولو صاحب! آپ معاشرے کی کی بیشی کو بخوبی جا نتے ہیں اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ کہانی میں مکالمہ جات کی مدد سے اُسے نکھاریں، سنواریں۔ مجھے آپ کی ’سبق آموز اور متبلات‘ سے بھرپور تحریر ’آخری وقت‘ بہت پسند آئی، شکریہ۔ فلک زاہد صاحبہ ایک کہانی لائی ہیں جو بہت زبردست انداز تحریر کے ساتھ لکھی گئی ہے، پڑھ کر بہت لطف محسوس ہوا۔ ڈر ڈائجسٹ سے وابستہ ہمارے رسالے کی شان ایس حبیب خان اور فلک زاہد نے اِس مرتبہ اپنی زبردست تحاریر کی بدولت ڈائجسٹ کی رونقیں بحال کی ہیں، اس پر دونوں کا تہہ دل سے شکریہ۔ اگلی کہانی اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر احسان الحق صاحب کی کہانی ’قاتل‘ پڑھی۔ کہانی ایک نفسیاتی مریضہ کی کہانی تھی جس سے اس کے شوہر نے بے وفائی کی۔ انداز تحریر میں سسپنس تھا اور یہ ایک کرائم اسٹوری تھی جو ہارر اسٹوری کے امتزاج کے ساتھ لکھی گئی۔ بہت شاندار کہانی تھی، بہت شکریہ۔ اللہ پاک آپ کو صحت دے اور آپ ہمارے لئے لکھتے رہیں۔ آمین۔ اِس ماہ عمران قریشی صاحب نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے اور دل کو چھو لینے والی کہانی ’سولی کی چمگادڑیں‘ پڑھ کر دل بہت خوش ہوا اور یوں سمجھیں کہ رسالے کی قیمت وصول!۔۔۔ ویسے عمران صاحب! اگر اس کہانی کو آپ تھوڑا سا طول دیتے تو تین چار اقساط پر محیط ہو سکتی تھی۔ بہت عمدہ لکھا، کمال ہے!۔ سلسلہ وار کہانی ’جان لیوا‘ اپنی خاص الخاص طلب کے ساتھ آگے کی جانب رواں دواں ہے جس میں بے جا کی طوالت بھی نہیں۔ ہر سطر قاری کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ بہت شکریہ۔ باقی لکھنے میں محنت سے کام کرتے دکھائی دیتے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ کوششیں جاری ہیں۔ لیکن سب سے استدعا ہے کہ اپنا مطالعہ بھی وسیع کریں آخر میں ڈر کے لئے۔ نیک تمنائیں!

☆☆ زینت صاحبہ: بہت خوب آپ کا مشورہ دل کو چھو لیتا ہے اور ویسے بھی آپ آج کل ہر دل عزیز بن گئی ہیں۔ آپ کے مشورہ سے رائٹرز فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کے مشورے پر غور کرے، ویسے ہر ماہ قلبی لگاؤ سے مشورہ دینے کے لئے ہماری طرف سے شکریہ قبول کریں۔

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! سب سے پہلے ڈر کے ایڈیٹر، اس کی پوری ٹیم، اس کے رائٹرز اور تمام قارئین کو رمضان المبارک کی مبارکباد پیش کرتی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اس ماہ مبارک کی رحمتیں و برکتیں نازل فرمائے، ہمارے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے ہماری بخشش و مغفرت فرمائے، اس ماہ کی عبادتوں کے ساتھ ساتھ پورے سال اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) ڈر کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ ’’قرآن کی باتیں‘‘ سے ابتداء ہوئی۔ خطوط کی بزم میں دوستوں کے تعریف تنقید بھرے خطوط پڑھے۔ عبدالجبار رومی کے والد محترم کے بارے میں پڑھ کر بے حد افسوس ہوا! دعا گو ہوں کہ رب کائنات ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں بلند ترین درجات عطا فرمائے۔ اور آپ سب گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف تو پہلے میں نے اپنے فیورٹ رائٹرز کو پڑھا۔ ’’قاتل‘‘ بہترین انداز تحریر لئے نہایت عمدہ تحریر ثابت ہوئی۔ احسان الحق صاحب الفاظ کے چناؤ اور منظر کشی کے بے تاج بادشاہ ہیں اور ان کے قلم سے تحریر کردہ کہانیاں دل و دماغ پر ایک گہرا اثر ثبت کر دیتی ہیں! Awesome محترم احسان صاحب امید کرتی ہوں کہ اب آپ کی صحت بہتر ہوگی۔ اس کے بعد ’’نیم شب‘‘ منفرد دیچوئیشنز اور

سسپنس سے بھرپور ایک پر کشش تحریر ثابت ہوئی۔ ایک عام موضوع کو خاص بنانے کا فن بلاشبہ امتیاز احمد صاحب کے پاس ہے۔ ویلڈن! ’’شیطانی روح‘‘ فلک زاہد کی تحریر کافی عرصے بعد ڈر کی زینت بنی، خوف کا بھرپور عنصر لئے قابل تعریف تحریر تھی۔ Excellent! ’’چڑیل کا بسیرا‘‘ شانزہ اعوان آپ کی تحریر ایک طرف تو بہت بہترین رہی مگر ساتھ دوسری طرف کرب و محرومی کا احساس دلاتی ایک حساس تحریر تھی۔ بہت ہمت کا کام ہے اپنی اتنی بڑی محرومی کو کاغذ پر اتارنا! آپ کے لئے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بچیوں کو سلامت رکھے اور آپ کا سایہ ہمیشہ ان کے سر پہ قائم رکھے (آمین) ’’پراسرار کہانی‘‘ لمحہ بہ لمحہ خوف و سسپنس سے بھرپور ایک سحرانگیز تحریر رہی جس کی ہر سطر نے پڑھتے پڑھتے اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ رضوان صاحب! آپ بہت خوب لکھتے ہیں۔ میں آپ کی تحریروں کی فین ہوں! ایک گزارش ہے کہ ڈر کی تحریروں پر تبصرہ ضرور کیجئے۔ ’’آسیب کا سایہ‘‘ ڈاکٹر رانا عامر شہزاد کی تحریر معاشرے کی خامیوں اور بیماریوں کا پس منظر لئے منجھی ہوئی تحریر تھی جسے بہت ہی عمدگی سے ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا۔ ’’نادیدہ مخلوق‘‘ اور ’’سایہ‘‘ بھی پسندیدگی کی سند پانے میں کامیاب رہیں۔ ’’صحرا گرد‘‘ ’’سولی کی چمگادڑیں‘‘ اور ’’بلیک آئی لینڈ‘‘ ایسی ایڈونچر کہانیاں لکھنا کافی محنت طلب کام ہے جس کے لئے وسیع مطالعہ شرط ہوتی ہے اور تینوں تحریروں میں رائٹرز نے یہ بات ثابت کی ہے۔ ویلڈن! سلسلہ وار کہانیوں میں ’’اسرار‘‘ روانی سے اپنی منزل کی جانب گامزن جبکہ ’’جان لیوا‘‘ نے واقعی پڑھنے والوں کی جان نکالنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ زبردست! دیگر تحاریر میں ’’القرآن‘‘ اور ’’بہترین دعا‘‘ نے روح کو معطر کر دیا سبحان اللہ! جبکہ بزم شعر و سخن میں خضر حیات، مہر پرویز، شرف الدین جیلانی، ڈاکٹر عامر شہزاد کے اشعار اور غزلوں میں ڈاکٹر واجد نگینوی، ایس امتیاز، ڈاکٹر عامر شہزاد کی غزلوں نے متاثر کیا۔ ڈر کی رتی کے لئے دعا گو!

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: نئی کہانی موصول ہوگئی ہے۔ اس کے لئے شکریہ، ہر ماہ تجزیہ ضرور ارسال کر دیا کریں، نئی کہانی اگلے ماہ ضرور شامل اشاعت ہوگی۔ اور امید ہے دوسری کہانی جلد از جلد ارسال کر دیں گی۔

خدیجہ فاطمہ اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل!۔ پیپرز ختم ہو چکے ہیں اور حسب وعدہ تبصرہ حاضر ہے۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ کو ہا ایک مکمل پیکج تھا۔ ایک جانب قلم کے چار بادشاہ یعنی احسان الحق صاحب، عمران قریشی صاحب، ناصر محمود فرہاد صاحب، ایس امتیاز احمد صاحب تو دوسری سمت میں قلم کی دو ملکائیں۔ باجی ایس حبیب خان اور فلک زاہد۔ ڈر کے اُفق پر چھاتے ہوئے راشد نذیر طاہر صاحب۔ مَیں نے ابھی تک انہیں ہی پڑھا ہے اس لئے ان کی کہانیوں پر یہی کہوں گی کہ انتہائی زبردست لکھا اور کیوں نہ لکھتے، ہر کوئی اپنے اپنے فن تحریر کا ماہر ہے۔ انکل! سرورق بھی بہت زبردست تھا۔ آپ سے گزارش ہے کہ آئندہ سرورق میں زیادہ خوف ڈال دیں۔ الغرض یہ کہ مئی 2018 میں آپ نے اور منجھے ہوئے رائٹرز نے بہت خوب تحریری تحفہ ڈر ڈائجسٹ کی صورت میں دیا جس پر آپ کا اور ٹیم کا۔ بے انتہا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اب اجازت دیں، دعا گو۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھے نمبروں سے کامیاب و کامران کرے اور تمام اہل خانہ پر اپنی رحمتیں نازل کرے (آمین) امید ہے آئندہ بھی خلوص نامہ ارسال کرنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

مسز فرحین حامد رحیم یار خان سے، السلام علیکم ایڈیٹر صاحب، ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ مئی 2018 اس وقت زیر تبصرہ ہے۔ ڈر کا سرورق بہت خوش نما تھا۔ سرورق میں ایک ہی رنگ کے کئی لیول اس طرح استعمال کئے گئے کہ محسوس ہوا کوئی مغربی ناول پڑھنے کو مل رہا ہے۔ اس مرتبہ کے ڈر میں جو خاص بات تھی، وہ یہ تھی کہ اِس مرتبہ آپ نے چُن چُن کر رائٹرز کا انتخاب کیا یعنی ایس حبیب خان صاحبہ۔ فلک زاہد صاحبہ، ایس امتیاز احمد صاحب، محترم احسان الحق صاحب، عمران قریشی صاحب، ناصر محمود فرہاد صاحب، پرویز احمد دولو صاحب۔ مَیں نے ان سب کی کہانیاں پہلے پڑھی ہیں اور دیگر بعد میں۔ اس مرتبہ جان لیوا نے بھی اپنا رنگ خوب جمایا اور معیار بھی قائم رکھا۔ یہاں مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس مرتبہ کا ڈر ڈائجسٹ ایک اعلیٰ ذوق لیے تھا اور ایک مکمل ڈائجسٹ تھا۔ اس کے لئے ایڈیٹر صاحب! مَیں آپ کو اور بالا تمام رائٹرز کو مبارکباد دیتی ہوں اور شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اُمید کرتی ہوں کہ عمران قریشی صاحب ڈر کے لیے متواتر لکھیں گے۔ والسلام۔

☆☆ فرحین صاحبہ: قلبی لگاؤ سے کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، ویسے تمام رائٹرز آج کل دل لگا کر محنت کر رہے ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اچھی اچھی کہانیاں جلوہ گر ہو رہی ہیں۔ آپ کے نوازش نامہ کا آئندہ ماہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔

مسز سندس اقبال راولپنڈی سے، اس مرتبہ مئی 2018 کا ڈر پڑھ کر ایک خاص خوشی کا احساس ہوا۔ اس خوشی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سرورق انتہائی معیاری اور شاندار تھا تو دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بار کتنے سارے رائٹرز نے ایک ساتھ ڈر میں اپنے اپنے فن کا جلوہ دکھایا۔ اپنے فن تحریر کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جہاں ایس حبیب خان دکھلائی دیں تو وہاں فلک زاہد بھی موجود تھیں۔ ایس امتیاز احمد کے ساتھ اس مرتبہ عمران قریشی بھی اپنی خوبصورت تحریر لیے ڈر کے قرطاس میں جاندار کہانی کے ساتھ بھرپور رونق لگائے ہوئے تھے۔ احسان الحق صاحب کی مختصر، جامع اور ہر رنگ تحریر کے ساتھ ناصر محمود فرہاد صاحب بھی بھرپور کہانی لائے۔ جان لیوا کہانی بہت ہی جان لیوا ہوتی جا رہی ہے۔ حقیقی دُنیا سے قریب تر یہ کہانی اس مرتبہ ٹاپ پر رہی۔ ٹیمپو کے اعتبار سے قدرے سست سہی لیکن ایسی کہانی کی رفتار سست ہی اس کی اصل روح ہوتی ہے۔ بہت زبردست۔ باقی لکھنے والوں نے بھی خوب حصہ ڈالا۔ کوشش سے ایک دن محنت رنگ لاتی ہے۔ ساری بات سیکھنے کی ہے۔ مسز زینت خان صاحبہ کے خط میں جو آخری بات ہے، میں اس سے اتفاق کرتی ہوں اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہوں گی کہ کچھ لکھنے سے پہلے مطالعہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انداز تحریر کی راہ متعین ہو سکے۔ اب اجازت دیجئے سب کے لیے دعا و سلام۔

☆☆ سندس صاحبہ: ڈر پڑھ کر آپ کو خوشی ہوئی اس کے لئے شکریہ اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام اہل خانہ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، مسز زینت کے مشورے پر عمل کر کے رائٹرز بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور روز بروز ان کی تحریروں میں نکھار پیدا ہو رہا ہے، اور ہاں آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولئے گا مت۔ Thanks۔

میاں یاور حسین اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل امید ہے بہتر ہوں گے ہیں، ایم ایس سی کے۔ اسی لئے مختصر خط لکھ رہا ہوں۔ اس مرتبہ کا ڈر ڈائجسٹ میں نے اپنے دوست کے گھر کی نزدیکی شاپ سے خریدا۔ وہاں دو پڑے تھے، ایک میں لے آیا۔ احسان الحق انکل کی کہانی قاتل نئے اسٹائل سے لکھی زبردست کہانی تھی۔ عمران قریشی اور ناصر محمود فرہاد کی کہانیاں بھی بہت پسند آئیں۔ اس بار ایس حبیب خان اور فلک زاہد کی کہانیوں نے بھی خوب لطف دیا۔ راشد نذیر طاہر انکل نے جان لیوا کی یہ قسط بھی بہت جاندار لکھی بلکہ جان لیوا لکھی۔ باقی کہانیاں اور آخری کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ انکل میں آخر میں یہ کہوں گا کہ اس مرتبہ کا ڈر بہترین رائٹرز کی بدولت ایک کامیاب رسالہ ہے۔ آپ کا شکریہ۔ والسلام۔

☆☆ یاور صاحب: بہت بہت شکریہ کہ آپ کو کہانیاں پسند آئیں اور پرخلوص خط لکھا، آئندہ ماہ بھی خط اور تجزیہ کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

شاہد عظیم راولپنڈی سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز ڈر ڈائجسٹ اینڈ ٹیم۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ کا سرورق بہت خوب رہا۔ کہانیوں میں پراتی شود، جان لیوا، نیم شب، شیطانی روح، قاتل، صحرا گرد، سویلی کی چمگادڑیں اس مرتبہ کی شاندار کہانیاں ہیں۔ یہ سب کہانیاں ڈر کے منجھے ہوئے قلمکاروں کی تخلیق ہیں اور فن کی دنیا کی یادگار کہانیاں ہیں۔ مئی کے اس یادگار شمارے کے لیے آپ کا اور ٹیم کا دل سے شکریہ، والسلام۔

☆☆ شاہد صاحب: پرخلوص نوازش نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کے لئے شکریہ قبول کریں۔

نینا خان کراچی سے، السلام علیکم! جناب ایڈیٹر صاحب اللہ سے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ بخیریت رہیں اور ڈر ڈائجسٹ کے ادارے میں کام کرنے والے بھی اللہ کے کرم سے خیر و عافیت سے ہوں۔ مئی کا ڈر ڈائجسٹ ملا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ٹائٹل بھی کافی اچھا تھا۔ محمد اسلم جاوید صاحب نے میری حقیقت پر مبنی کہانی کی تعریف کی ان کا بہت شکریہ۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کا بھی بے حد شکریہ، میری اصلاح کرنے کے لئے ڈاکٹر رانا عامر شہزاد صاحب کی بھی ممنون ہوں۔ محمد قاسم صاحب تعریف کا شکریہ ساتھ ہی احسان الحق کی بھی شکر گزار ہوں ان سب نے میری حقیقت آپ بیتی کو پسند کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہوں گی کہ بحیثیت شاعرہ میری لکھی شاعری کو قوس و قزح میں نہ صرف پڑھا بلکہ اس کو پسند بھی کیا۔ میں تہہ دل سے تمام قارئین کی شکر گزار ہوں۔ آئندہ بھی میری اصلاح کرتے رہیں اور اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیں۔ انشاء اللہ آپ کی اصلاح سے مجھ میں مزید نکھار پیدا ہوگا۔ چلئے اب ذرا ماہ مئی کی کہانیوں پر تبصرہ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ایڈیٹر صاحب کی شکر گزار ہوں۔ میری اسٹوری لگائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

(آمین) ایس حبیب صاحبہ جب بھی آتی ہیں بہت ہی خوب آتی ہیں پراتی شود میں ہرش و روحن کا غرور اور انجام ٹھیک تھا۔ کہانی اپنے آپ میں ایک مثال تھی۔ اور ہندی زبان کا خوب استعمال زبردست کیا گیا ہے۔ طارق محمود صاحب کی سایہ بھی بہت اچھی رہی، علی کو جس طرح سائے پاگل خانے تک پہنچایا۔ بہت اچھی کہانی لے کر آئے طارق محمود صاحب بھی۔ نیم شب میں جس طرح ایس امتیاز صاحب نے ڈریکٹر کا کردار بتایا بہت خوب تھا۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کی آخری وقت باقر شاہ اور اس کے بیٹے کا انجام خوب دیکھا لڑکی کا گھر سے بھاگ جانا دوسرے بیٹے کا ڈرگس کا کام کرنا، آخری وقت ایک نصیحت آمیز کہانی تھی۔ فلک زاہد صاحبہ کے کیا ہی کہنے ہیں جب آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ شیطانی روح بہت مختلف اور زبردست کہانی تھی۔ پیٹر اور مارتھا کی خونی کہانی قاتل احسان الحق صاحب کی کہانی بھی اچھی تھی۔ بھلائی کا صلہ عزیز خان کو خوب ملا۔ گلاب خان سولنگی صاحب نے اچھا صلہ بتایا کہانی میں آسیبی پارلر میں سوزی مجبوری میں جاب کرنے کو تیار تھی رشک نور کی بھی اچھی کہانی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے کیا ہی کہنے ہیں۔ خوفناک رات بھی خوب لائے تھے اور آسیب کا سایہ بھی خوب لائے۔ مسٹر خالد کی بہادری نے چوہدری صاحب کی اصلیت کھول دی اور مظلوم کی مدد بھی خوب کی۔ آسیب کا سایہ ایک بہترین کہانی تھی۔ مریم فاطمہ کا آسیبی گھر بھی خوب رہی۔ جیمز اور ان کے دونوں بچوں کا خوب انجام دکھایا۔ آسیب کے ہاتھوں۔ صحرا گرد میں بیچاری سکینہ کے ساتھ بہت برا ہوا۔ محبت کی ماری سکینہ اپنے والد کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ ناصر محمود صاحب بھی اچھی کہانی لائے۔ عمران قریشی کی سویلی کی چمگادڑیں بھی خوب رہیں۔ رابعہ عباس کی خونی درندہ جس میں ایک راکھشش کا انجام دکھایا گیا، خون آشام صفدر علی کی بھی بہتر رہی۔ پراسرار کہانی رضوان قیوم بھی خوب ہی لائے جس طرح امیر بننے اور مقام پانے کی لالچ میں انسانی گوشت کھایا۔ عبدالقدوس اور وحید قریشی نے ان کا انجام بھی خوب تھا۔ شازیہ اعوان کی آپ بیتی بھی خوب تھی۔ افسوس کس طرح انہیں ایک چڑیل کی وجہ سے اپنا بیٹا کھونا پڑا۔ شہزاد خان کی بلیک آئی لینڈ بھی اچھی رہی، کہانی کافی طویل تھی، ہر ایک چیز جزیرے کی خوب ڈیفائن کی گئی تھی۔ قوس قزح میں میری غزل شامل کی بہت شکریہ۔ باقی تمام غزلیں بھی بہت زبردست رہیں۔ اب اجازت چاہوں گی اس امید کے ساتھ کہ آئندہ ماہ بھی میری کہانیاں اور غزلیں شامل اشاعت رہیں گی۔ اور اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی۔ خدا حافظ۔

☆☆ نینا صاحبہ: خلوص دل سے کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، ایک اچھا رائٹر وہ ہوتا ہے جو دوسروں کے مشورے کو پلے باندھ لے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، آپ محنت جاری رکھیں، کامیابی آپ کے قدم بھی چومے گی۔ کہانی شامل اشاعت ہے خوش ہو جائیں۔

رابعہ عباس بستی فتے والی سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے، اور رب سے دعا بھی ہے، آپی فلک آپ کا کیا حال ہے، میں اس مرتبہ بھرپور تبصرہ نہیں لکھ پا رہی، کیونکہ ٹائم بہت شارٹ ہے۔ امتحان بالکل سر پر ہیں اور رمضان بھی آ رہا ہے۔ اتنی گرمی، پلیز سب سے ریکویسٹ ہے کہ ہمارے لئے دعا ضرور کریں۔ محسن بھائی آپ کی صحت اب کیسی ہے۔ پلیز آپ اپنا مکمل علاج کرائیں۔ میں ایک کہانی بھیج رہی ہوں جلد لگانے کی کوشش کرنا، پلیز، امتحانوں کے بعد ہر ماہ لکھتی رہوں گی۔ آپ سب کی دعاؤں کی منتظر۔ اللہ حافظ۔ سب ڈر پڑھنے والوں کو خدا سلامت رکھے۔ (آمین)

☆☆ رابعہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانی بھیجنے کے لئے شکریہ، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب و کامران کرے۔ آئندہ ماہ بھی تبصرہ بھیجنا بھولئے گا مت۔ شکریہ۔

احسان الحق ، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز صاحبان، رائٹرز اور قارئین کرام! اللہ پاک آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ مئی 2018ء کا ڈر ڈائجسٹ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی۔ سرورق میں حسینہ کے پہلو سے جو خوف کا تاثر نمایاں تھا، سرورق بنانے والے محترم عظیم صاحب کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کہانیوں میں ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانی ٹاپ پر رہی۔ میں تو شروع سے ہی ان کی تحاریر کا گرویدہ ہوں۔ ہندی میں کہانیاں لکھنے کا جو فن ان کے پاس ہے، وہ ہم میں سے کسی کے پاس نہیں یا کم از کم میرے پاس تو بالکل بھی نہیں ہے۔ ایک روانی میں پڑھی جانے والی کہانی ہوتی ہے اور با مقصد ہوتی ہے۔ واہ، بہت خوب۔ دوسرے نمبر پر فلک زاہد صاحبہ کی تحریر رہی جو دل کو خوش کر گئی۔ ایس امتیاز احمد صاحب نے حسب معمول خوب لکھا لیکن بھائی! آپ کا تبصرہ ہر ماہ کاپی پیسٹ کیوں ہوتا ہے؟ بھئی ڈر سے کوئی ناراضگی ہے یا ہم سب سے۔ بھیا! ٹائم تو آج کسی کے پاس بھی نہیں۔ حقیری گزارش ہے کہ تبصرہ

ضرور کیا کریں۔ اس سے سب کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے، بہت شکریہ۔ پھر اگلی کہانی اپنے محترم بھائی دولو صاحب کی پڑھی۔ ایک ایک سطر حق تھی۔ کوئی غلط نہیں، اور سب سچ۔ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ کے پیارے سفیر ہی تو خاتمہ بالا یمان کی دولت سے سرفراز ہوا کرتے ہیں۔ بہت ہی خوب۔ سولنگی بھائی نے بھی اس مرتبہ بہت پختہ تحریر لکھی، مزا آگیا۔ زبردست۔ پھر ہم نے ناصر محمود فرہاد صاحب کی کہانی پڑھی۔ فرہاد صاحب کافی عرصہ بعد ڈر کی محفل میں دکھائی دیئے ہیں لیکن شکر ہے کہ دکھائی دے گئے ورنہ ہم آپ کے در پر دستک دینے ہی کو تھے۔ صحرا گرد نے بہت مزا دیا، ابتدائیہ سے لے کر اختتامیہ تک، انداز تحریر نے دل موہ لیا۔ ارے دیکھیے تو یہ کون آیا؟ یہ ہیں عمران قریشی دی گریٹ رائٹر۔ سویلی کی چمگادڑیں پڑھنا شروع کی تو اب جی کیا کہ کہانی ختم ہی نہ ہو لیکن چونکہ ہر کہانی کا اختتام تو ہوتا ہی ہے۔ جب کہانی پڑھ بیٹھے تو سچ کہتا ہوں آپ کی کہانی ختم کرنے کو جی نہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ڈر میں باقاعدگی سے، اور ضرور لکھتے رہیں گے۔ تھینکس۔ اب ذکر ہو جائے جان لیوا کا۔ یہ کہانی اپنے مرکزی خیال کے عین مطابق چل رہی ہے اور اس مرتبہ تو اس کہانی میں خوفناکیت کے عنصر میں اضافہ تھا۔ اللہ پاک آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپ ایسی بے شمار کہانیاں لکھیں جنہیں پڑھ کر خوف اور ڈر کے موضوع سے لگاؤ رکھنے والے سب قارئین اپنی پیاس بجھا سکیں۔ جان لیوا بہترین کہانی ہے، زبردست۔ ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب کی کہانی بھی اس مرتبہ انتہائی ا[illegible] تھی۔ نینا خان صاحبہ نے بھی کمال کا لکھا۔ باقی دوستوں اور ساتھیوں نے بھی خوب اچھا لکھا۔ اس مرتبہ ڈر میں چار رائٹرز لویل[illegible]ت پڑھ کر دل انتہائی خوشی سے سرشار ہے یعنی عمران قریشی، ایس حبیب خان صاحب، فلک زاہد اور ناصر محمود فرہاد صاحب۔ اب اجازت [illegible] والسلام و خیر اندیش۔

☆☆ احسان الحق صاحب: خط لکھنے اور قلبی لگاؤ سے کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، احسان الحق صاحب آپ کی تحریر بھی کسی سے کم نہیں۔ آپ کی تحریر بھی دل کو چھو لیتی ہے، آپ کی تحریر پڑھ کر میں کافی دیر تک غور کرتا رہتا ہوں، اور پھر آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت وتندرستی دے اور خوشیوں سے نوازے، آئندہ ماہ بھی ملاقات ہو گی۔ اس وقت تک کے لئے خدا حافظ۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم، خیر وعافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، کام سے واپسی پر شہر جب پہنچا تو بک اسٹال پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پر ماہ مئی 2018ء کے ڈر ڈائجسٹ سے ملاقات ہوئی۔ سرورق بڑے کمال کا تھا اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی ایسا خوب صورت اور معیاری پرچہ نکالنا اس مہنگائی کے دور میں آپ ہی کا کام ہے خدا آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرے، کافی دنوں کے بعد خط تحریر کر رہا ہوں۔ کام میں بے حد مصروف تھا اب بھی کوئی پتہ نہیں وقت بڑی مشکل سے ملا یہ پیار بھری تحریر آپ کی نذر ہے۔ غزل، اشعار اور خط شائع کرنے پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ جس خلوص اور پیار سے آپ ہمیں یاد کرتے ہیں یہی وہ لگن ہے جس سے سرشار ہوتے ہم آپ کو خط تحریر کرتے ہیں۔ کہانیاں پہلے سے اچھی ہیں۔ دیگر پرچے کے تمام سلسلے اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں۔ پرچے میں کچھ تبدیلیاں کریں تو بہتر ہے مقررہ تاریخ پر پرچے کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کا خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، بقول آپ کے زندگی ایک سفر ہے، واقعی زندگی ایک سفر ہے کوئی چلتے چلتے بہت دور نکل جاتا ہے اور کوئی چلتے چلتے تھک کر راستے میں بیٹھ جاتا ہے۔ ویسے انسان کو حوصلہ ہمت رکھنا چاہئے۔ حوصلے اور ہمت ہی کی وجہ سے انسان کامیاب ہوتا ہے۔ خیر نوازش نامہ کا اگلے ماہ بھی انتظار رہے گا۔ Thanks۔

خضر حیات روڈہ تھل سے، جناب محترم ایڈیٹر صاحب آپ کیسے ہیں، امید کرتا ہوں ٹھیک ٹھیک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو سدا خوش رکھے سلامت رکھے اور لمبی عمر دے۔ ڈر کے سب قارئین رائٹرز ڈر کو پڑھنے اور چاہنے والوں کو میرا پیار بھرا اسلام ہو۔ مئی کا شمارہ ایک خوب صورت اور دلکش ٹائٹل کے ساتھ 20 اپریل کو مل گیا۔ ٹائٹل بہت ہی خوب صورت اور دلکش تھا اس نے پورے شمارے کو آٹھ چاند لگا دیئے۔ پورا شمارہ ایک طرف اور ٹائٹل ایک طرف۔ جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ شمارہ بہت ہی زبردست اور سپرہٹ تھا۔ سب کہانیاں بہت زبردست اچھی اور عمدہ تھیں۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ویسے تو سب کہانیاں عمدہ اور اچھی لیکن جو کہانیاں نمبر لے گئیں ان میں ''پراتی شوذ'' ''سایہ'' ''جان لیوا'' ''شیطانی روح'' ''اندھیرے سے اجالا'' ''آسیب کا سایہ'' ''صحرا گرد'' ''سویلی کی چمگادڑیں'' اور ''پراسرار کہانی'' شامل ہیں۔ ان کہانیوں نے

پورے شمارے کا مزہ دوبالا کر دیا۔ قوس قزح میں شعر بہت اچھے تھے۔ اپنا شعر دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس کے بعد غزلوں میں گیا تو واہ کیا بات تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ قوس قزح اور غزلوں نے دل جیت لیا اور شمارے کے حسن کو چار چاند لگا دیئے۔ زندگی نے وفا کی تو آئندہ ماہ پھر ملاقات ہو گی۔ دعا ہے ڈر دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین۔

☆☆ خضر صاحب: ڈر اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے ویری ویری تھینکس، قارئین کی محبت، خلوص اور چاہت کی وجہ سے ڈر وقت کے ساتھ ساتھ نکھرتا جا رہا ہے، اس کے لئے تمام قارئین اور رائٹرز حضرات کا بہت بہت شکریہ۔

گلاب خان سولنگی لاہور سے، محترم ایڈیٹر ڈر ڈائجسٹ، السلام علیکم! ماہ مئی 2018ء کا ڈر ہمیں لاہور میں 21 اپریل کو مل گیا تھا۔ ہمارا ٹرانسفر لاہور ہو گیا ہے۔ لاہور ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کا شہر ہے۔ شاید اسی بہانے ڈر کے کسی لکھاری سے ملاقات ہو جائے۔ مئی کے ڈر کا سرورق خاصا ڈراؤنا تھا۔ خطوط کی محفل میں نئے اور پرانے چہرے شامل حال رہے۔ ایس حبیب، احسان الحق اور رومی انصاری نے خوب لکھا۔ کہانیوں میں ایس حبیب کی ہندی سینما کا عکس لئے خوب صورت کہانی ملی اور کسی دوسری زبان میں کہانی کو قلم بند کرنا کتنا مشکل کام ہے ویلڈن ایس حبیب جی، نینا خان نے اب تک ڈر میں اپنی اور احباب کی سرگزشت پر مبنی کہانیاں سونپی ہیں جو کہ خوب سے خوب تر ہیں۔ اب وہ باقاعدہ رائٹر ہیں اور مجھے قوی امید ہے کہ فلک زاہد اور دیگر خواتین کی طرح وہ بھی سپرہٹ کہانی تخلیق کر سکتی ہیں۔ سایہ، جان لیوا، نیم شب، آخری وقت معیاری تحاریر ہیں۔ فلک زاہد صاحبہ ہم آپ کے شہر لاہور میں آ گئے ہیں اور طویل عرصے بعد آپ ڈر میں شیطانی روح لے کر آئی ہیں۔ ایک خوفناک پریم کتھا پر مبنی آپ کی کہانی اچھی لگی۔ احسان الحق کی قاتل کہانی لاجواب تھی۔ آسیبی پارلر بہترین تھی۔ آسیب کا سایہ، آسیبی گھر، اسرار، صحرا گرد، عمران قریشی، رابعہ عباس، ملدہ علی، رضوان قیوم، شانزہ اعوان کی آپ بیتی خوب صورت تحریر تھی۔ آخری تحریر شہزاد خان نے کمال کر دیا ویلڈن بھائی، شاعری میں انیس امتیاز اور فلک زاہد چھا گئے۔

☆☆ گلاب خان صاحب: خوشی کی بات ہے کہ آپ کا ٹرانسفر لاہور ہو گیا، یہ حقیقت ہے کہ لاہور شروع سے ادیبوں اور شاعروں کا شہر رہا ہے۔ بڑی بڑی اہم اور تاریخی کتابیں پہلے بھی اور آج بھی لاہور سے چھپ رہی ہیں۔ آئندہ ماہ بھی خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

عثمان غنی پشاور سے، السلام علیکم ڈر ڈائجسٹ کا مئی کا شمارہ جلد مل گیا، ٹائٹل اچھا خاصا ڈراؤنا تھا، جو ہارر موویز کی یاد دلا رہا تھا، خطوط میں بہت سارے نئے لوگ آ گئے ہیں۔ ان سب کو خوش آمدید، مسز زینت خان کو سلام، ایس حبیب خان آپ کافی عرصے کے بعد آئی۔ ویلکم بیک۔ باقی سارے قارئین کرام کو سلام ودعا، کہانیوں میں اس بار ایس حبیب خان کی کہانی زبردست رہی۔ نینا خان کی نادیدہ مخلوق بھی کمال کی اسٹوری تھی۔ سایہ بس ٹھیک تھی، سلسلے وار میں جان لیوا زبردست ہے، اور نیم شب نے اپنے رائیٹر کی لاج رکھ لی۔ اچھی تحریر تھی، فلک زاہد کی شیطانی روح بھی بہت پیاری تحریر تھی، ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں ڈر میں آپ کی کمی شدت سے محسوس کی ہے، قاتل نے جم کر رنگ دکھایا، اندھیرے سے اجالا، سوسو ہے بھلائی کا صلہ بھی ٹھیک تھی، رشک نور کی آسیبی پارلر نے ڈرا دیا واہ جی واہ۔ آسیب کا سایہ گزارے لائق تحریر تھی، آسیبی گھر نے تو پورے کا پورا کریڈٹ لے لیا ہے، مریم فاطمہ جتنا آپ کا نام پیارا ہے، اتنا ہی آپکا کام بھی پیارا ہے، ویلڈن جی۔ صحرا گرد نے رنگ خوب جمایا سویلی کی چمگادڑیں تسی تو گریٹ ہو، جب آتے ہو چھا جاتے ہو، خونی درندہ بس ٹھیک ٹھاک تھی، خون آشام اور پراسرار کہانی بھی زبردست جی۔ چڑیل کا بسیرا اور بلیک آئی لینڈ ابھی نہیں پڑھی، یقیناً اچھی ہوں گی۔ اور ڈیئر اڈیٹر میں نے نئی کہانی حیثیت بھیج دی ہیں، جون کے شمارے میں شائع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا پورا پورا موقع دے، ڈر کے لیے ہمیشہ سے دعا گوں۔ آپ سب کا اپنا عثمان غنی۔ آپ کی دعاؤں کا طلب گار۔

☆☆ عثمان غنی صاحب: نئی کہانی موصول ہو گئی ہے اگلے شمارے میں ضرور شائع ہو گی، نئی کہانیاں متواتر لکھتے رہیں اور وقتاً فوقتاً پرانی کہانیاں بھی شائع ہوتی رہیں گی۔ ویسے اب تو ہر ماہ خوفناک کہانیاں میں آپ کی کہانیاں چھپ رہی ہیں خوش ہو جائیے۔

عجب گل اداسی ٹنڈو الہ یار سے، امید کرتا ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ کی پوری ٹیم، رائٹر حضرات، ڈر پڑھنے والے اور ایڈیٹر صاحب خیر وعافیت سے ہوں گے۔ پیارے انکل سب سے پہلے تو معذرت خواہ ہوں کہ میری وجہ سے آپ کا دل دکھا۔ میں اس بات کے لئے سچے دل سے معافی کا طلبگار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو آپ مجھے معاف کر دیں گے۔

مئی کا شمارہ 20 مئی کو ہی مل گیا اور اپنا خط دیکھ کر اور اس میں آپ کا جواب پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ پیارے انکل پچھلے خط میں، میں نے جو (جوانی سے بڑھاپے) کی بات کی تھی اس کو سیریس مت لیجئے گا وہ تو میں نے مذاق کیا تھا۔ ابھی تو میں بارہویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ آپ کی ایڈوائز مجھے بہت پسند آئی کہ ایک رائٹر کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں چاہیے اس لئے اب میں انشاء اللہ کہانیاں لکھتے رہنے کی کوشش کروں گا۔ کہانیوں کی دنیا میں اپنی فیورٹ رائٹر "ایس حبیب خان آپی" کی واپسی دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ خیر آخر میں کہنا چاہوں گا کہ میرے انٹر کلاس کے Exam شروع ہو رہے ہیں میرے لئے دعا کیجئے گا۔ فی امان اللہ۔

☆☆ عجب گل صاحب: خوش ہو جایئے، کہانی شامل اشاعت ہے۔ اور امید ہے آئندہ حسب وعدہ اچھی اچھی کہانیاں لکھ کر ارسال کرتے رہیں گے۔ Thanks۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم، تمام ڈراسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو ہماری طرف سے محبت بھرا اسلام، مئی کا شمارہ اس بار جلدی مل گیا، مئی کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ مگر میرا خط شامل نہیں تھا۔ میں نے خط 2 تاریخ کو ارسال کر دیا تھا، چلو کوئی بات نہیں، دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ انکل جی میں نے دو کہانیاں ارسال کی تھیں، مظلوم روحیں اور پراسرار واقعے، آپ کو تو پتا ہے مجھے لکھنے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کندھے کی وجہ سے، پراسرار واقعے جلدی شائع کر دیں۔ سرورق بہت پیارا تھا سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں پھر سبھی کے خطوط پڑھے۔ آپی نثار فاطمہ، ربیعہ امجد فرح انیس آپ سب کو ویلکم، پرانی شوذ میری بہن نے لکھی، گڈ "نادیدہ مخلوق" میری پیاری سسٹر نے لکھی نائس "سایہ" طارق محمود لائے۔ "نیم شب" نائس "آخری وقت" ویری گڈ، "شیطانی روح" زبردست تھی۔ "قاتل" گڈ، "بھلائی کا صلہ" بھی اچھی کہانی تھی۔ "آسیبی پارلر" رشک نور لائیں گڈ "آسیب کا سایہ" بہت اچھے ڈاکٹر صاحب "آسیبی گھر" اچھی تھی۔ "صحرا گرد" ویری گڈ "سویلی کی چمگادڑیں" ویری گڈ، "خونی درندہ" بھی اچھی تھی۔ "خون آشام" صفدر علی بہت اچھے "پراسرار کہانی" سحر رضوان قیوم ویری گڈ "چڑیل کا بسیرا" شازنہ اعوان آپ بہت اچھا لکھتی ہیں گڈ، "بلیک آئی لینڈ" شیراز خان آپ کی کہانی بھی بہت اچھی تھی گڈ، عبدالجبار رومی کے والد کا پڑھ کر دلی دکھ ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ سلسلہ وار کہانیاں بہت اچھی جا رہی ہیں۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ ڈر ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔

☆☆ محسن عزیز صاحب: آپ کی کہانی بھی شائع ہو جائے گی، پچھلے ماہ آپ کا خط لیٹ موصول ہوا تھا لہٰذا..... آئندہ ماہ بھی کہانیوں کا تجزیہ اور خط لکھنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔

محمد حنیف شاکر نکانہ صاحب سے، سلام خلوص کے بعد خیریت کا طالب، اللہ کے فضل سے خیریت سے ہے، 25 اپریل کو ایک بجے اسکول میں کلاس لے رہا تھا کہ ڈاکیے نے مئی کا شمارہ ڈرلا کر تھمایا جسے دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اعزازی پرچہ بھیجنے پر جناب کا بہت ہی مشکور ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے آمین۔ سرورق پر ڈراؤنی چڑیل پھر کلہاڑا اس پر خون کے چھینٹے اور ساتھ ہی ڈری سہمی نوجوان دوآتشہ بہت ہی ویلڈن، اس ڈر اور خوف کو کم کرنے کے لئے قرآن مجید کی باتیں میں ایسا محو ہوا کہ دل کو سکون ملا، گو میں خود تہجد گزار ہوں۔ فجر کی نماز پڑھانے کے بعد مسجد میں ہی بچوں بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہوں پھر اسکول میں بچوں کو دنیاوی تعلیم سے آراستہ کرتا ہوں، عشاء کی نماز پر اسلامی بھائیوں کو قرآن پاک کی تفسیر سے درس دیتا ہوں۔ جمعہ کے روز جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کا فریضہ انجام دیتا ہوں۔ اتنی تگ ودو کے باوجود قرآن کی باتیں پڑھنے سے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کی اور زیادہ لگن پیدا ہوتی ہے۔ خطوط کی نگری میں پہنچے تو مسز زینت خان نے بہت اچھا تبصرہ لکھا۔ آپ نے بھی اس کے جواب میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مطابق نافرمانی کی طرف توجہ دلائی، ایس حبیب خان صاحبہ کا تبصرہ بھی بہت عمدہ ہے۔ فاطمہ خان صاحبہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کامیابی کا مرانی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ محنت کا پھل ضرور عطا کرتا ہے۔ رشک نور صاحبہ نے کامنی شامنی کو سراہا۔ اس پر رشک نور صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ راشد نذیر طاہر صاحب کی اہلیہ اور عبدالجبار رومی انصاری کے والد محترم کی وفات پر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے ہوئے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ مسز سندس اقبال صاحبہ کا تبصرہ بھی عمدہ ہے۔ جناب عامر شہزاد صاحب میرے شعر اور غزل کو پسند کیا جس پر میں جنات کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قوس وقزح میں

سب نے بہت اچھے اور معیاری شعر لکھے لیکن خضر حیات روڈہ تھل، جہانزیب کراچی اور ڈاکٹر عامر شہزاد نکانہ صاحب کے اشعار نے بہت متاثر کیا۔ غزلیات کی دنیا میں پہنچے پر سب غزلیں خوب سے خوب تر لیکن پہلی غزل چوہدری قمر جہاں علی پوری ملتان نے دل کو آقا دو جہاں سرور انبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں پہنچا دیا۔ ایڈووکیٹ نینا خان کراچی کی غزل "وفا۔ جفا اور خطا سزا" کے ذریعے پرانی گزری بسری یادوں کو تازہ کر دیا۔ یعنی ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ ڈاکٹر رانا عامر شہزاد نکالوی کی غزل بھی بہت عمدہ ہے۔ خضر حیات روڈہ تھل کی غزل نے بھی متاثر کیا۔ سب کو اچھا لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو اور مبارک ہو۔ اب کہانیوں کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔ میرے بہت ہی پیارے عزیز ڈاکٹر رانا عامر شہزاد کی "آسیب کا سایہ" بہت اچھی اور معیاری کہانی ہے۔ سارے فساد کی جڑ چوہدری تھا جسے دنیا میں اس کے کئے کی جو سزا خود مظلوم رضیہ نے دی یہ پڑھنے والوں کے لئے نشان عبرت ہے۔ مگر آگے جو خدا کی طرف سے اسے سزا ملے گی۔ اس کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ عامر شہزاد دیر کو عمدہ کہانی پیش کرنے پر، بہت بہت مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قلم میں اور زیادہ نکھار پیدا کرے۔ نینا خان کی "نادیدہ مخلوق" مریم فاطمہ کا "آسیبی گھر" عمران قریشی کی "سویلی کی چمگادڑیں" صفدر علی کی "خون آشام" محمد رضوان کی "پراسرار" بہت اچھی کہانیاں ہیں۔ باقی ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ آخر میں ڈر اور خوف کی کہانیاں کے لئے دعا ہے کہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کریں۔ سب کو پہلے بہت سلام اگر کوئی غلطی کوتاہی ہو گئی ہو تو معافی کا طلب گار ہوں۔

☆☆ حلیم صاحب: قلبی لگاؤ اور پرخلوص الفاظ میں خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے بہت بہت شکریہ، کہانی شامل اشاعت ہے اور نئی کہانی کے لئے شکریہ۔

ڈاکٹر عامر شہزاد نکانہ صاحب سے، السلام علیکم، مئی کا رسالہ بہت جلد مل گیا۔ میری 29 ویں سالگرہ پر خط، کہانی، شعر اور غزل شائع کر کے دل خوش کر دیا، سرورق بہت زیادہ ہیبت ناک، خوفناک، ہولناک، دلخراش ہونا چاہیے۔ "قرآن کی باتیں" اس بار دو صفحات پر مشتمل ہیں۔ یقیناً آپ کے اس احسن اور عمدہ سلسلے (تبلیغ اسلام) کا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ مسز زینت خان، ایس حبیب خان، نثار فاطمہ، فاطمہ خان، رشک نور، مسز سندس اقبال، مسز فرحین حامد، محمد اسلم جاوید، محمد حنیف شاکر، مہر پرویز احمد، عبدالجبار رومی، ربیعہ امجد، فرح انیس، احسان الحق اور عجب گل اداسی نے بہترین، جامع اور حوصلہ افزا تبصرے لکھے۔ ربیعہ امجد اور فرح انیس کو "ڈر" کی محفل میں خوش آمدید، محترم ایڈیٹر صاحب، براہ مہربانی اب آپ عجب گل اداسی صاحب کی اداسی بھی دور کر دیجئے، پچھلے دو مہینوں سے ایک بہترین رائٹر کا خط نظروں سے نہیں گزرا۔ کامل یقین ہے کہ آئندہ مہینے ان کا خط ضرور پڑھنے کو ملے گا۔ "نادیدہ مخلوق" نینا خان کی بہترین کاوش ہے۔ مریم فاطمہ نے "آسیبی گھر" عمدہ لکھا رابعہ عباس کی "خونی درندہ" پڑھ کر حیرت ہوئی کہ اب مشینیں بھی خون پینے لگی ہیں۔ رشک نور کی "آسیبی پارلر" بھی ٹھیک تھی۔ ویسے بلاشبہ یہ ایک جاندار اور منفرد اسٹوری ہے۔ اس کے علاوہ ایس حبیب خان کی "پراتی شوذ" ایس امتیاز احمد کی "نیم شب" مہر پرویز صاحب کی "آخری وقت" فلک زاہد کی "شیطانی روح" محترم احسان الحق کی "قاتل" ملک فہیم کی "اندھیرے سے اجالا" گلاب خان سولنگی کی "بھلائی کا صلہ" ناصر محمود کی "صحرا گرد" عمران قریشی کی "سویلی کی چمگادڑیں" صفدر علی کی "خون آشام" شازنہ اعوان کی "چڑیل کا بسیرا" اور شہزاد خان کی "بلیک آئی لینڈ" واقعی بہترین اور منفرد اسٹوریز ثابت ہوئیں۔ سلسلہ وار کہانیاں بھی اچھی چل رہی ہیں۔ مجھے ڈر سے منسلک ہوئے پورے پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ مگر آج تک میں ایم اے راحت اور ایم الیاس کی کہانیوں کو مس کرتا ہوں۔ یقیناً ان جیسے رائٹرز اس دنیا میں بہت کم ہی ہوتے ہیں۔ مہر پرویز، ایس حبیب خان، شرف الدین جیلانی، ذکا اللہ بھٹی اور رشک نور نے عمدہ اشعار لکھے۔ غزل میں چوہدری قمر جہاں، نینا خان، محمد اسلم جاوید، واجد صاحب، ایس امتیاز احمد، ایس حبیب خان، رشک نور اور خضر حیات کی غزلوں نے تو ماضی میں پہنچا دیا۔ حافظ سبحان احمد کی "القرآن" ہما نصیر کی (بل) محمد ارمان ملک کی "بہترین دعا" رشک نور، محمد حنیف شاکر، عبدالجبار اور خالد عباس کا شکریہ کہ انہوں نے میرے آرٹیکلز پسند کئے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ "ڈر" کے تمام رائٹرز اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور زیر تعلیم رائٹرز کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ گریڈز میں کامیاب کرے۔ دعائے خیر ہے کہ ڈر ڈائجسٹ ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ (آمین)

☆☆ عامر شہزاد صاحب: خوش ہو جایئے کہانی شامل اشاعت ہے اور نئی کہانی کے لئے پرزور اصرار، Thanks۔

☆☆

دل بستگی

صائمہ شاہد چوہدری۔ٹوبہ ٹیک سنگھ

سامنے کھڑے وجود کو کسی صورت یقین بھی نہیں ہورہا تھا کہ اسے چاہنے والا اس قدر سنگدل ہوسکتا ہے اور اس کی ذات سے جو اذیت ملی تھی وہ ناقابل برداشت ہوسکتی تھی لیکن پھر بھی……

خراماں خراماں دل ودماغ کو چاہت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

یہ جنوبی امریکہ کی ایک ریاست ہے جو ایک مشہور پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ بلکہ پہاڑی سلسلہ اس ریاست میں واقع ہے یہاں اکثر و بیشتر بادل چھائے رہتے ہیں۔ دن میں بھی گہری شام کا سا گمان رہتا ہے۔ بعض جگہوں پر گہری دھند بھی پائی جاتی ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں جنوبی امریکہ کے بلند ترین پہاڑ بھی پائے جاتے ہیں۔ بلند پہاڑی چوٹیاں سارا سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں، اوسط بلندی 3500 تک پائی جاتی ہے۔ جنگلات کے وسیع وعریض سلسلے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان جنگلات میں قدیم اور دنیا کے بلند ترین درخت بھی ہیں۔ ان سارے حقائق کے بعد اس پہاڑی سلسلے کے قریباً وسط میں ایک اور عجیب وغریب پہاڑ بھی پایا جاتا ہے اور عجیب وغریب اس لئے کہ یہ بالکل سیاہ رنگ ہے اور اس پہاڑ تک کسی بھی انسان کی رسائی ممکن نہیں ہو پائی، ان دشوار گزار پہاڑوں سے گزر کر کالے پہاڑ تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ اوپر سے پل پل بدلتے موسمی حالات، برف باری، شدید سردی، لمبا اور دشوار گزار راستہ اور خطرناک جنگلات وہاں تک رسائی کو ناممکن بنادیتے ہیں۔

جنگلات اس لئے خطرناک ہیں کہ ایک تو یہاں خوفناک درندے پائے جاتے ہیں، دوسرا یہاں کے آسیب زدہ درخت بھی اپنی الگ ہی ہیبت رکھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بلیک ماؤنٹین کو کسی بھی انسانی قدم نے نہیں چھوا۔

دوسری طرف ایک ویلیج ''موساوارے'' کے ایک خستہ حال مکان میں، میلے اور بکھرے ہوئے کمرے کے میلے سے بستر پر خستہ حال کپڑوں میں ملبوس ایک سنکی سا بوڑھا اپنے آئندہ سفر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ گاؤں پانی کے اوپر قائم تھا۔ یہ بہت بڑی جھیل تھی جس میں لکڑی کے بنے مکانات پانی کی سطح سے بلند تھے۔ پانی پر قائم راستے جنہیں کشتیوں پر بیٹھ کے عبور کیا جاتا اور پیدل چلنے والوں کے لئے لکڑی کے پل تھے جو ایک لین سے دوسری لین کو ملاتے تھے۔ ایک لین کے سارے گھر بالکونیوں سے جڑے ہوئے تھے تاکہ نقل مکانی میں آسانی رہے۔

بوڑھا اپنے مکان میں اکیلا رہتا تھا۔ اس کا گھر مختلف اوزاروں اور عجیب وغریب چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس کے سونے کے کمرے میں عجیب وغریب نقش لٹک رہے تھے۔ ہاتھی دانت اور حنوط شدہ بارہ سنگھ کا سر، کمرے کی سامنے کی دیواروں میں عین درمیان میں

لٹک رہا تھا۔ پہلی بار یہاں آنے والا خوفزدہ ہوجاتا تھا اور بوڑھے کو آسیب زدہ سمجھ بیٹھتا تھا۔ بوڑھے کو نیا سفر درکار تھا اور وہ اپنے سفر کی منصوبہ بندی کررہا تھا کہ اسے کس وقت نکلنا چاہئے تھا اور کب تک وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا۔ اسے یہ سب سوچنے کے بعد آخرکار سونا تھا اور بھرپور نیند لینی تھی۔ آج رات کی بھرپور اور گہری نیند بعد کی راتوں میں اس کے کام آنے والی تھی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح بوڑھا جلدی اٹھ گیا تھا اس کا آخری شاگرد بھی آخری لڑائی میں ایک وچ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس لئے اسے ناشتے کا بندوبست بھی خود ہی کرنا تھا۔ اس نے جھیل سے تازہ مچھلی پکڑی، اسے صاف کرنے کے بعد سرکے میں بھگودیا۔ اس نے مچھلی کے ٹکڑے کچے نگل لئے، یہاں کی فضا میں نمی کی مقدار کچھ زیادہ تھی اور اوپر سے سردی کے موسم میں آگ کا جلانا بے انتہا مشکل ہوجاتا۔ اس لئے یہاں کے باسی مچھلیاں پکڑ کر باہر کے تاجروں کے ہاتھوں فروخت کرتے اور ان سے خشک خوراک خریدتے یا پھر ایندھن خریدنے پر اخراجات زیادہ آتے۔

بہرحال بوڑھے کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس کے بسانند بھرے لباس میں کچی مچھلی کی بو بھی رچ بس جائے۔ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اس نے مختلف عجیب و غریب ہتھیار کچھ لباس میں اڑسے اور کچھ بوسیدہ و پرانے تھیلے میں بھر کے اپنے کندھے سے لٹکا لئے۔ اس نے بستی سے نکلنے والی پہلی کشتی پکڑی...... اسے کھانے کی پرواہ نہیں تھی وہ کچھ بھی کھا سکتا تھا۔ سمندر میں مچھلیاں زمین پر کیڑے مکوڑے، سانپ یا کچھ بھی مل جائے۔ جنگلات میں درختوں کے پتوں اور جڑی بوٹیوں سے گزارا ہوجاتا۔ ہاں مگر اس بار اسے برفیلے پہاڑوں پر سفر کرنا تھا۔ وہ تھوڑا سا فکرمند تھا لیکن کوئی بات نہیں۔ برفانی ریچھ تو مل ہی جاتے۔

یہ جھیل کنارے بسا ایک گاؤں تھا۔ کشتی اسی گاؤں کے پاس آن رکی۔ یہی اس بوڑھے کی منزل تھی۔ اس نے کچھ سکے ملاح کی جانب اچھالے جو کہ اس نے کیچ کرلئے اور واپسی کی راہ لی۔ بوڑھا پانی میں بھیگا ہوا کنارے پر آیا اس کا لانگ اوورکوٹ اور سیاہ لانگ شوز بھیگ چکے تھے۔ اس کا رخ گاؤں کی واحد سرائے کی جانب تھا۔ بوڑھا سرائے کے ہال کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں کھانے کے میز ترتیب سے لگے ہوئے تھے اور لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ کچھ لوگوں نے اچنبھے سے بوڑھے کی پراگندگی کو دیکھا...... لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر تک گیا۔

"جیک کہاں ہے؟" اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

کاؤنٹر پر موجود لڑکے نے حیرت سے بوڑھے کی شکستگی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اسے وہ ایک فقیر لگا یا پھر ادھار کھانا کھانے والا۔ لڑکے نے اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی اور اپنے کام میں مصروف رہا۔

"میں نے پوچھا جیک کہاں ملے گا؟" اب کے بوڑھے نے ذرا ترشی سے پوچھا۔

"وہ موجود نہیں ہے۔" لڑکے نے پیچھا چھڑایا۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھا غصے سے کاؤنٹر کے پیچھے بنے ہوئے دروازے کی جانب لپکا۔ لڑکے نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو پایا۔ بوڑھا اسے دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ جہاں جیک اپنے دوستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ لڑکا بھی بوڑھے کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ...... ماسٹر گریگوری......!" جیک بوڑھے کو دیکھتے ہی اپنی کرسی سے اٹھا اور اس کے سامنے آکر گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ جبکہ لڑکا حیرت سے اپنے مالک کو اس خستہ حال بوڑھے کے سامنے جھکے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ ہی کا انتظار کررہا تھا ماسٹر۔"

"ہونہہ اگر میرا انتظار ہوتا تو اپنے اس ملازم کو میرا راستہ روکنے کے لئے کھڑا نہ کرتے۔" بوڑھے نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ معاف کرنا ماسٹر شاید اسے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہوگی ورنہ تو میں نے آپ کے لئے خاص استقبال کے لئے

لگایا تھا۔" جیک نے لڑکے کو گھورا اور وہ وہاں سے کھسک لیا۔ جیک نے اپنے دوستوں کو اشارہ کیا تو وہ کمرے سے نکل گئے اب جیک اور ماسٹر دونوں تنہا تھے۔ جیک نے ماسٹر گریگوری کو بڑی عقیدت سے کرسی پر بیٹھایا۔

"یہ اچھا ہے کام کی بات ہوجائے۔" ماسٹر نے کہا۔ "تو تم نے مجھے جس شخص کے بارے میں بتایا تھا کیا وہ تجربہ کار ہے یا پھر مجھے اس پر بھی محنت کرنا پڑے گی؟"

"ماسٹر! وہ ایک ماہر شکاری ہے۔ اس کے پاس ہتھیار بھی جدید اور استعمال میں آسان ہیں اور سب سے بڑھ کر اس کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"دیکھو جیک! اس بار مجھے بہت ہی خطرناک مہم درکار ہے۔ سب سے پہلے تو سفر ہی کچھ کم خطرناک نہیں، بلیک ماؤنٹین تک کسی انسان کی رسائی نہیں ہو پائی [illegible] میں نے پہلے ہی بڑی مشکل [illegible] قید کیا تھا [illegible] وہ اور بھی زیادہ طاقتور ہوگئی ہے۔ جبھی تو قید سے بھاگ نکلی ہے۔ ہمیں ہرصورت چاند گرہن کی رات سے پہلے وہاں پہنچ کر اس کالی جادوگرنی کا خاتمہ کرنا ہے ورنہ وہ اس رات اپنی خاص پوجا مکمل کرلے گی اور پھر وہ سب سے زیادہ طاقتور ہوجائے گی اور اس کے بعد تو تمہیں اندازہ ہوگا ہی کہ وہ کیا کرسکتی ہے۔ وہ تباہی بن کر پورے علاقے پر ٹوٹ پڑے گی وہ ہلچل مچادے گی۔"

"وہ...... وہ......" ماسٹر گریگوری اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا تھا۔

"ماسٹر! میں سمجھ سکتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔ راڈرک کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ ماہر وچ ہنٹر ہے۔ اس نے شکار کرنا اپنے والد سے سیکھا تھا اور انتہائی بہادر بھی ہے۔ اس کا والد بھی ماہر وچ ہنٹر تھا اور آخرکار اسی بلیک وچ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ راڈرک اپنے والد کی موت کا بدلہ لینے کے لئے بے چین ہے۔" جیک نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... مجھے بس ایک ساتھی چاہئے۔ ورنہ تو میں اکیلا ہی اس چڑیل سے نمٹنے کو کافی ہوں۔" گریگوری نے کہا۔ جبکہ جیک کو یہ ایک دیوانے کی بڑ محسوس ہوئی کیونکہ ماسٹر اب بوڑھا ہوچکا تھا اور اس کی ہڈیوں میں پہلے سا دم خم نہیں رہا تھا اور ویسے بھی وہ اب کم کم ہی شکار کے لئے نکلتا تھا۔

"ماسٹر! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں؟" جیک نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تم ابھی ناتجربہ کار ہو۔ تمہارا جانا خطرناک ہوسکتا ہے اور پھر تمہارا چلتا کاروبار ہے اسے کون دیکھے گا؟" گریگوری نے کہا۔

"میں پہلے بھی تو بہت ساری مہموں میں آپ کا ساتھ دے چکا ہوں۔ اس بار آپ دونوں سے مزید تجربہ حاصل کرلوں گا۔"

"تم سمجھ نہیں رہے...... آخر تمہاری بیوی ہے بچے ہیں اور خاندان بھی تو...... تم اس قدر خطرہ مول کیسے لے سکتے ہو؟ وہ چڑیل بہت طاقتور ہے اور وہ اکیلی نہیں ہے۔ اس بلیک ماؤنٹین میں بہت بڑا بلیک پیلس ہے جہاں بہت بڑی تعداد میں کالی فوج ہے۔ ان سب کا مقابلہ کرنا بہت ہی مشکل ثابت ہوگا۔"

"ماسٹر! پلیز...... میں اپنے خاندان کو سمجھا لوں گا اور میرا کاروبار سنبھالنے کے لئے میرا بھائی ہے اور پھر آپ بھی اس خطرے میں کود رہے ہیں بغیر کسی ذاتی مفاد کے آپ کا تو خاندان بھی نہیں ہے پھر کیسے تحفظ دینے کے لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں؟ اور پھر میرا تو اس میں مفاد بھی پوشیدہ ہوگا کہ میں اپنے خاندان کے تحفظ کے لئے یہ سب کروں گا۔" جیک نے التجائیہ انداز میں کہا اور ماسٹر گریگوری سوچ میں پڑ گیا۔

"پلیز...... ماسٹر! منع مت کیجئے گا۔" جیک گھگھیایا۔

"چلو ٹھیک ہے...... تم ضروری تیاری کرلو، ہتھیار وغیرہ رکھ لو اور اپنی خوراک کا بھی بندوبست کرلو۔ میں تو کچھ بھی کھا لوں گا مگر تمہارے لئے مشکل ہوجائے گی۔"

"اوہ...... شکریہ ماسٹر۔" جیک پرجوش ہوگیا۔

"تو تمہارا وہ دوست کب تک پہنچے گا؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"کل شام تک ضرور آجائے گا..... تو پرسوں صبح سویرے ہم نکل پڑیں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے ہم آج شام جشن منائیں گے آنے والی جیت کے نام کا جشن۔"

"یقیناً ماسٹر..... میرے پاس آپ کے لئے بہت ہی نایاب اور خاص ڈرنک ہے جو آپ کو ضرور پسند آئے گا۔"

"ضرور....." گریگوری نے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک تنومند اور کسرتی بدن کا جوان تھا۔ جب وہ ہال کمرے میں داخل ہوا تو ہر کسی نے حیرت سے اس کے بے پناہ لمبے قد اور چوڑے شانوں کو دیکھا۔ اس کے لمبے بال کندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اس قدر سردی میں بھی اس نے گھٹنوں تک لمبا اور کھڑا اون پہن رکھی تھی اور سب سے زیادہ عجیب چیز جس نے سب کو اس کی جانب متوجہ کیا وہ تھا اس کے کندھے پر بیٹھا تیز اور روشن نگاہوں والا ایک عقاب جو انتہائی شاطرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ عام عقابوں سے جسامت میں کچھ بڑا تھا۔ اس جوان کے ہاتھوں میں ایک تھیلا بھی تھا۔ غالباً اس میں اس کا ضروری سامان ہوگا۔ جب اس نے ہر چیز کا مکمل جائزہ لے لیا تو زور زور سے جیک کو پکارنے لگا۔

"جیک..... جیک.....!" وہ حلق کے بل چلایا۔

جیک جو اس وقت نجانے کہاں تھا اس کی آواز سن کر فوراً اس کی جانب آیا جیسے اسی کے انتظار میں ہو۔

"آؤ..... خوش آمدید دوست..... بہت انتظار کروایا۔" جیک نے اس کا استقبال کیا۔

"تمہیں خبر ہونا چاہئے کہ جس رستے سے میں آیا ہوں وہ عام راستہ نہیں تھا وہاں درندے بھی پائے جاتے ہیں اور ان سے نمٹنا آسان نہیں، ابھی بھی اک درندے کو پچھاڑ کر یہاں پہنچا ہوں۔" جیک نے اس کی بات پر ذرا غور سے اس کا حلیہ دیکھا تو اس کے سیاہ لباس پر خون کے دھبے محسوس ہوئے جو خشک ہو کر اکڑ چکے تھے۔

"اوہ..... میرے خیال میں تمہیں آرام کرنا چاہئے۔" جیک نے کہا۔

"نہیں مجھے آرام کی ایسی بھی ضرورت نہیں تم بس مجھے ماسٹر گریگوری سے ملواؤ میں بہت بے چین ہوں، ان سے ملنے کے لئے۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی آجاؤ....." جیک نے کندھے اچکائے۔

جیک اسے لیتا ہوا اپنے مخصوص کیبن میں پہنچا۔ جہاں ماسٹر کا ڈیرہ تھا۔

"یہ ہیں ماسٹر گریگوری۔" جیک نے جوان کا تعارف کروایا تو اس نے انتہائی حیرت سے شراب کے نشے میں ڈوبے، بے حد میلے، بکھرے بالوں والے شکستہ حال بوڑھے کو دیکھا۔ اسے یقین ہی نہ آیا کہ یہ سنکی بوڑھا ماسٹر گریگوری ہوسکتا ہے۔ وہ حیرت کے عالم میں وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"ماسٹر! یہ راڈرک ہے۔" گریگوری نے اپنی موندی ہوئی آنکھیں اس وجیہہ جوان پر ٹکا دیں اور سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔

"ہم کو..... اچھا لگا تمہیں دیکھ کر....." گریگوری نے کہا تو راڈرک زیر لب بڑبڑایا۔

"لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے بہت شاک لگا۔"

"کیا کہا.....؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ مجھے بھی اچھا لگا آپ سے مل کر۔" راڈرک نے فوراً انداز بدلا۔

"جوان بہت انتظار کروایا تم نے۔" چلو اب وقت ضائع کئے بغیر کام کی بات ہوجائے۔"

"کیوں نہیں ماسٹر..... یہ میرے لئے خوشی اور فخر کی بات ہوگی۔"

اب وہ دونوں بھی ماسٹر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ راڈرک نے اپنے بوسیدہ تھیلے سے کھنگال کر ایک پرانا سا نقشہ نکالا اور سامنے میز پر پھیلا دیا۔ اب وہ تینوں غور سے نقشوں کو دیکھنے لگے۔ راڈرک نقشے سے اچھی طرح واقف تھا۔

"تو دوستو! میں نے خوب سوچ بچار کے بعد یہ

نتیجہ نکالا ہے کہ یہ راستہ ہمارے لئے بہترین رہے گا۔ ہر چند کہ اس راستے میں آسیبی جنگل پڑتا ہے لیکن یہ راستہ مختصر رہے گا دوسروں کی بہ نسبت۔" راڈرک نے نقشے پر ایک جگہ ہاتھ رکھا۔

"لیکن یہ جنگل بہت ہی گھنا اور خطرناک ہے۔ کوئی بھی انسان اس کے پار نہیں جاسکا اور اگر ہم کسی آفت میں پھنس گئے تو ہمارا کافی وقت برباد ہوجائے گا۔" جیک نے کہا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ دوسرے راستے بہت ہی لمبے، اس صورت میں ہم کسی طرح بھی چاند گرہن کی رات سے پہلے وہاں پہنچ نہیں پائیں گے۔ ویسے بھی کالی دنیا کی سب سے طاقتور ملکہ اور اس کی فوج کو شکست دینے جارہے ہیں تو راستے میں آنے والی چھوٹی موٹی مشکلات کو شکست دینا کچھ مشکل نہیں۔ کسی بڑے مقصد کے حصول کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں سے بددل ہو کر راستہ نہیں بدلا کرتے۔" راڈرک نے کہا۔ جبکہ ماسٹر خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بہرحال فائنل فیصلہ تو ماسٹر ہی نے کرنا تھا۔

"اوہ..... بہت خوب..... تم نے مجھے متاثر کیا جوان..... ہم تمہارے فیصلے کی قدر کرتے ہیں۔ یہی بہتر رہے گا۔ آسیبی جنگل کا کوئی مسئلہ نہیں۔" گریگوری نے گلاس والے ہاتھ کو لہراتے ہوئے کہا۔ "شکریہ ماسٹر..... میں بھی بچپن سے آپ سے بہت متاثر ہوں آپ کے قصے سن سن کر ہی مجھے وچ ہنٹر بننے کا شوق چرایا تھا۔ خاص طور پر یہ مجھے آپ کا وہ قصہ بہت پسند ہے۔ جس میں آپ نے ایک خونی ڈریکولا کو شکست....." ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروادیا اور بولے۔

"میرے خیال میں تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ویسے بھی آنے والی راتیں جانے کیسی ہوں۔ لمبے سفر نے تمہیں تھکا دیا ہوگا۔" یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ اب جاسکتا ہے۔

"ٹھیک ہے ماسٹر! آنے والا کل آپ کے لئے کامیابیاں لائے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ساتھ ہی جیک بھی تاکہ وہ اسے اس کا کمرہ دکھائے ویسے بھی رات کافی گہری ہوچکی تھی۔

"اور ہاں..... یہ قصے کہانیاں نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے۔ ان مہموں میں، میں اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرا ہوں۔" جب وہ جانے کے لئے مڑے تو ماسٹر گریگوری نے کہا۔

"جی ماسٹر..... ہمیں اندازہ ہے کہ آپ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔" راڈرک نے مڑ کر کہا۔

"ہونہہ....." ماسٹر نے ہنکارا بھرا اور بوتل منہ کو لگالی۔ وہ دونوں چل دیئے۔

"اور ہاں جیک تم اسے چھوڑ کے آنا یہاں۔" ماسٹر نے ایک بار پھر انہیں جاتے ہوئے پکارلیا۔

"جی ماسٹر۔" جیک نے سعادت مندی سے کہا اور راڈرک کے ساتھ کیبن سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ راڈرک کے کھانے پینے کا بندوبست کر کے اور اس کا کمرہ اسے دکھا کر ماسٹر کے کیبن میں حاضر ہوگیا۔

"دیکھو جیک! ان کالی طاقتوں کا بہت پرانا اور عام ہتھکنڈا ہے کہ جب وہ کسی انسان کو شکست دینے میں ناکام ہوجاتے ہیں تو اس سے متعلقہ اشخاص یا اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ انسان کو تکلیف دے سکیں یا اس کے بڑھتے قدم روک سکیں....." اتنا کہہ کر ماسٹر خاموش ہوگیا اور جیک نے سوالیہ نظروں سے ماسٹر کو دیکھا۔ ماسٹر نے اپنے گلے میں ڈالے ہوئے بہت سے لاکٹوں میں سے ایک لاکٹ اور چین اتار کر جیک کو دے دی۔

"یہ تم اپنی فیملی کو دے دینا، اس کی برکت سے وہ محفوظ رہیں گے اور انہیں تاکید کردینا کہ سورج چھپنے کے بعد گھر سے باہر نہ نکلیں اور نہ ہی کسی اجنبی کے لئے دروازہ کھولیں، میں اور راڈرک تو تنہا ہیں مگر مجھے تمہارے خاندان کی بہت فکر ہے۔" ماسٹر نے کہا۔

"شکریہ ماسٹر..... آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے ہمیشہ سب کو اپنے خاندان سے بڑھ کر چاہا اور ان کی حفاظت کی۔ آپ تنہا

نہیں ہیں۔ ہم سب ہیں آپ کے اپنے۔ ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں اور ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔" جیک نے عقیدت سے کہا۔ اس نے غور سے ماسٹر کا دیا لاکٹ دیکھا۔ تو لاکٹ کے درمیان میں سرخ رنگ کا ایک بڑا سا نگینہ جڑا تھا۔ جس پر مختلف نقش تھے جو شاید کسی اجنبی زبان میں حفاظتی نقوش تھے...... اس نے اسے حفاظت سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اب انہیں آرام کرنا تھا۔ اگلی صبح کاذب انہیں نکلنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ لوگ چلنے کو تیار ہی تھے بس ماسٹر گریگوری کا انتظار تھا کہ وہ بھی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سب لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کا سامان اپنے اپنے تھیلوں میں باندھا ہوا تھا۔ ماسٹر گریگوری نے حیرت سے اس کاؤنٹر بوائے کو دیکھا جس نے پہلے دن ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی سامان کا تھیلا کندھے پر ڈالے جانے کو تیار تھا۔

"لڑکے......! تم کہاں جا رہے ہو؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے ساتھ۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا......؟ مگر کس کی اجازت سے؟" ماسٹر نے ذرا غصے سے پوچھا۔

"وہ مجھے موقع ہی نہ ملا...... میں بس آپ سے پوچھنے ہی والا تھا کہ......"

"مگر تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتے۔" ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ماسٹر جانے دیجئے نا! مجھے بہت شوق ہے وچ ہنٹر بننے کا۔" اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"ذرا دیکھو تم اپنے آپ کو...... اپنی ان سوکھی سڑی ہڈیوں کو...... اپنے حلقوں سے باہر نکلی ہوئی آنکھوں کو...... اور اپنے مختنی وجود کو...... تم اس قابل ہو؟ تم تو کسی انسان کا تھپڑ سہنے کے لائق نہیں۔" ماسٹر نے اس کے اردگرد گھومتے ہوئے کہا۔

"مانا کہ میں ایسا ہوں...... مگر میں خود کو بہتر بنانے کے لئے محنت کر سکتا ہوں۔ جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی کروں گا۔"

"ہرگز نہیں تم ناتجربہ کار ہو...... تم ہمارے لئے مشکلات کھڑی کر سکتے ہو۔"

"آخر میں پہلے تجربے سے گزرنے کے بعد ہی تو تجربہ کار بنوں گا اگر ہر کوئی مجھے اناڑی سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تو پہلا تجربہ کیسے حاصل کر پاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"لڑکے!" ماسٹر نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "تم اپنا فلسفہ اپنے پاس ہی رکھو۔ یہ مہم ہمارے لئے بہت اہم ہے اور کافی خطرناک بھی تم اس دوران پیش آنے والی مصیبتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ تمہارا اپنے خاندان کے پاس ہونا زیادہ ضروری ہے۔"

"میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میں اکیلا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اوہ...... تو جیک تمہارا کیا خیال ہے اس لڑکے کے بارے میں۔" گریگوری نے جیک سے پوچھا۔ جو کب سے خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

"میرا خیال ہے ماسٹر...... اگر یہ اتنی زیادہ ضد کر رہا ہے تو اسے بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔ ویسے بھی آپ کو ایک نئے شاگرد کی ضرورت ہے۔"

"اور راڈرک تم کیا کہتے ہو......؟" اب کے ماسٹر نے راڈرک سے پوچھا۔

"میں بھی جیک کی تائید کروں گا ماسٹر اور کچھ نہ سہی تو یہ لڑکا ہمارا سامان تو اٹھانے کے کام تو آئے گا ہی۔" راڈرک نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن تم ہمارے کام میں مداخلت نہیں کرو گے اور نہ ہی بے جا سوالات کرو گے اور بالکل ویسا ہی کرو گے جیسا میں کہوں گا۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر...... میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔" لڑکے کی باچھیں پھیل گئیں۔

"چلو اب دیر نہ کرو کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ ہمار پاس وقت بہت کم ہے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" ماسٹر نے کہا تو سب نے اپنے اپنے تھیلے کندھوں

پر ڈال لئے اور چل دیئے۔

جیک نے گھوڑوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ تین اعلیٰ نسل کے گھوڑے تیار تھے۔ لیکن اب یہ لڑکا بھی اضافی ہو گیا تھا۔ تو جیک نے اسے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ راڈرک کا عقاب بدستور اس کے کندھے پر براجمان تھا۔ جنگل کے پار تک کا سفر انہیں گھوڑوں پر کرنا تھا۔ اس سے آگے پہاڑی علاقے میں انہیں پیدل ہی خوار ہونا تھا۔ وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کے گاؤں سے نکل گئے تھے۔

"ویسے کوئی مجھے بھی اس مہم کے بارے میں کچھ بتائے گا۔" لڑکے نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"تمہارے لئے صرف اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ یہ مہم بہت خطرناک ہے۔" راڈرک نے کہا۔ وہ لوگ گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔

"لیکن پھر بھی کتنی خطرناک؟" اس نے اصرار کیا۔

"بس اتنا جان لو کہ ہمیں دنیا کی سب سے خطرناک چڑیلوں کی ملکہ اور اس کی بے پناہ فوج کا سامنا ہے۔" جیک نے کہا۔

"تو ہم صرف چار لوگ اتنی بڑی فوج کا سامنا کیسے کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم شکاری ہیں اور شکار ہونے والوں کی کمزوریاں خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ویسے بھی کالی طاقتیں جتنی بھی زیادہ طاقتور ہو جائیں۔ انسان سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی ہم انسانوں کی عقل کے آگے ٹھہر سکتی ہیں۔" راڈرک نے کہا۔

"لیکن پھر بھی ہم چار لوگ اتنی بڑی فوج اور خطرناک طاقتوں کا سامنا کیسے کر سکتے ہیں؟ آخر کوئی لائحہ عمل آپ لوگوں نے تیار کیا ہی ہوگا......؟" لڑکے نے کہا۔ ماسٹر گریگوری جو کب سے لڑکے کی فضول باتیں سن رہا تھا اس کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔

"چار نہیں صرف ہم تین لوگ...... تم اس مہم میں شامل نہیں ہو گے۔ تمہیں ہم پیچھے چھوڑ جائیں گے۔" ماسٹر گریگوری نے کہا۔

"لیکن کیوں ماسٹر...... آخر میں آپ کا شاگرد ہوں ہونے والا...... تو میں کیوں شامل نہیں ہوں گا؟ اگر نہیں ہوں گا تو تجربہ کیسے حاصل کروں گا؟"

"یہ مہم میری آخری مہم ہو گی۔ اس لئے مجھے تمہارے جیسے گدھے کی بالکل بھی ضرورت نہیں۔ مجھے لگتا ہے اب مجھے ریٹائر ہو جانا چاہئے۔"

"ریٹائر......" جیک اور راڈرک نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک ساتھ بولے۔

"لیکن کیوں ماسٹر......؟"

"اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں مجھے اب آرام کرنا چاہئے۔"

"لیکن ماسٹر آپ کے بغیر بدی اور اچھائی کے درمیان جنگ کیسے جاری رہے گی؟ آپ ہی ہیں جن کے وجود کے باعث ہم لوگ عافیت میں رہ رہے ہیں۔" جیک نے کہا۔

"صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ بدی کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ یہ سلسلہ تو مجھ سے پہلے بھی قائم تھا اور مجھ سے بعد بھی قائم رہے گا تبھی تو یہ دنیا قائم ہے اور ویسے بھی کوئی ہے جسے میں اپنی گدی پر بیٹھا دوں گا۔"

"کون ہے وہ......؟" وہ تینوں بیک آواز بولے۔

"وقت آنے پر بتاؤں گا۔" ماسٹر خفیف سا مسکرائے۔

"لیکن ماسٹر میرا کیا ہوگا؟ مجھے شکار کون سکھائے گا؟ میرا بچپن کا خواب کیسے پورا ہوگا؟ پلیز آپ ابھی ریٹائر مت ہوں۔ مجھے ٹریننگ دے کر اپنی سیٹ پر بیٹھا کے ریٹائر ہوئیے گا۔" لگتا تھا لڑکے کو کچھ زیادہ ہی شاک لگا تھا۔ جو وہ جلدی جلدی بولتا چلا گیا۔ جبکہ راڈرک اور جیک قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

یوں ہی سفر کرتے کرتے وہ بہت دور نکل آئے تھے شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے۔ انہوں نے دوراہے پر قیام کیا۔ صبح تک تازہ دم ہونے کے بعد انہیں ان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔

☆......☆......☆

صبح اٹھ کے قریب ہی بہتی ندی سے غسل کرنے کے بعد سب نے اپنے اپنے تھیلوں میں سے ناشتہ نکال کے کھایا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا ناشتہ کرلیا۔ جیک نے ماسٹر کے کھانے پینے کا بھی بندوبست کیا تھا۔ وہ جانتا تھا ماسٹر خوراک کے معاملے میں بہت لاپرواہ ہے۔ کھانے کو مل جائے تو ٹھیک ورنہ پہروں بھوکا رہ لیتا ہے اور بھوک برداشت سے باہر ہوجائے تو زمین پہ اگنے والی کوئی بھی چیز ماسٹر کی خوراک ہوتی یا پھر کوئی بھی رینگتا ہوا کیڑا مکوڑا یا پرندوں کا شکار...... ایک بار یونہی کسی مہم کے دوران ماسٹر نے زمین پر رینگنے والا عجیب الخلقت ریپٹائل کچا چبا لیا تھا۔ جو خاصا زہریلا تھا۔ اس کے زہر نے ماسٹر کو بیمار کردیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس قدر سخت جان تھے کہ بخار کے علاوہ انہیں کچھ نہ ہوا۔ لیکن ہر بار ایسا اتفاق تو نہیں ہوتا ناں اور پھر وقت کی قلت کے باعث رسک بھی تو نہیں لیا جاسکتا تھا نا! انہیں پچھم کی جانب سفر کرنا تھا۔ راڈرک نقشے کی مدد سے سب کی رہنمائی کررہا تھا۔

انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور کچھ آسان اور کچھ مشکل راستوں سے گزرتے ہوئے اور بہت دنوں کے سفر کی صعوبتیں سہتے ہوئے آخرکار آسیبی جنگل تک پہنچے۔ شام ہونے والی تھی اس لئے ان لوگوں نے جنگل کی حدود سے کافی پیچھے پڑاؤ کیا تاکہ جنگل کی جانب سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ رات کے تینوں باری باری لڑکا، راڈرک اور جیک پہرا دیتے۔ آج رات کے آخری پہر میں نگرانی کرنے کی ذمہ داری لڑکے کی تھی۔

لڑکا بہت باتونی تھا اور سفر کے دوران خوب دماغ چاٹ رہا تھا۔ ماسٹر لڑکے کی باتوں سے غصے میں آجاتا اور اس فیصلے پر پچھتاتا کہ وہ لڑکے کو آخر ساتھ ہی کیوں لایا تھا۔ کبھی وہ لوک داستانیں سناتا، کبھی کہیں کے قصے، کبھی گیت گنگناتا...... راڈرک اور جیک تو لڑکے کی باتوں پہ خوب ہنستے اور ایسے ان کا وقت اور سفر آسانی سے گزر جاتا مگر ماسٹر ناگواری محسوس کرتا۔ وہ اپنا گھوڑا ان کے گھوڑے سے ایک فرلانگ آگے رکھتا۔ اس رات بھی وہ تینوں اپنا الگ حلقہ بنائے آگ جلائے بیٹھے تھے اور لڑکے کی باتیں دلچسپی سے سن رہے تھے۔ لڑکا ماسٹر کی نقلیں اتار رہا تھا۔ اور وہ دونوں ہنس رہے تھے۔

''ویسے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ ماسٹر اس قدر سڑیل اور غصیلے مزاج کا ہوسکتا ہے میں نے بچپن سے ماسٹر کے ساتھ مہمیں سر کرنے کے خواب دیکھے تھے اور مجھے لگتا تھا کہ ماسٹر گریگوری بے حد طاقتور ہونگے۔ بے حد جانباز...... کوئی بھی جانباز ان کے سامنے ٹک نہیں پاتا ہوگا...... سنا تو ایسے ہی تھا ماسٹر کے بارے میں...... مگر انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ کوئی بھی طاقتور انسان انہیں آسانی سے پچھاڑ سکتا ہے اور راڈرک تمہاری تو پھونک سے اڑ جائیں گے......'' وہ دونوں ہنس رہے تھے کہ ماسٹر بھی لڑکے کے پیچھے اچانک سے آ کھڑا ہوا۔ اس کی باتیں سن کر ماسٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ جیک اور راڈرک تو ماسٹر کو دیکھ چکے تھے۔ اس لئے ان کے قہقہوں کو بریک لگ چکی تھی جبکہ لڑکا اپنی ہی دھن میں بولے جارہا تھا۔

''اور سچ تو یہ ہے کہ جیک کی سرائے میں، میں نے ماسٹر کا راستہ اس لئے روکا تھا کہ وہ مجھے پہلی نظر میں فقیر لگے تھے۔'' لڑکا اپنی ہی بات پر ہنس دیا اس نے ان دونوں کی خاموشی کو محسوس کیا تو ذرا سا ٹھٹکا۔

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور ہمیں دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے طاقتور فوج کا سامنا کرنا اور تم لوگ اس قدر غیر سنجیدہ ہو کہ تم لوگوں کو پرواہ ہی نہیں...... یہ کوئی تفریحی سفر نہیں ہے...... تمہیں میں ساتھ لا کر پچھتا رہا ہوں...... تمہاری اس غیر سنجیدگی کی سزا تو یہی ہونی چاہئے کہ تمہیں اسی جنگل کے باہر چھوڑ دیا جائے......'' مسٹر غصے سے بول رہا تھا۔ ''اور ہاں شاگردی کا پہلا اصول ہوتا ہے...... استاد کا ادب...... بغیر ادب و احترام کے تم ایک نقطہ بھی نہیں سیکھ سکتے...... اور تم دونوں...... اب کے ماسٹر نے ان دونوں کی جانب اپنی توپوں کے دہانے کھولے۔

تم دونوں سے اس قدر غیر سنجیدگی کی توقع نہیں تھی مجھے...... اور اب تم لوگ اس محفل مزاح کا اختتام کرو اور راڈرک تم نقشہ نکالو...... جنگل کے راستوں میں سے ہمیں کس راستے کا چناؤ کرنا ہے۔ ذرا اس کی تفصیل پر بحث ہوجائے...... اور جیک تم آگ روشن کرو۔'' انہوں نے بجھتی ہوئی آگ کی جانب اشارہ کیا۔

''لیکن آپ نے مجھے اپنی شاگردی میں قبول ہی کب کیا تھا؟'' لڑکا چپ رہنے والوں میں سے کب تھا۔

''تم اس قابل ہو ہی نہیں...... تمہاری ہر وقت چلتی زبان سے میں تنگ آ گیا ہوں۔'' ماسٹر نے تیزی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے...... اگر آپ مجھے ناکارہ سمجھتے ہیں تو پھر چھوڑ دیجئے مجھے تنہا بلکہ میں ہی کیوں نہیں چھوڑ کر چلا جاتا......؟'' لڑکے نے کہا۔ جبکہ جیک اسے خاموش رہنے کا اشارہ کررہا تھا۔

''تو جاؤ روکا کس نے ہے؟ ہمیں بھی کچھ سکون ہوجائے گا۔'' ماسٹر نے کہا۔

''ٹھیک ہے جارہا ہوں میں...... یہ جنگل اکیلا پار کروں گا میں اور اکیلا ہی بلیک ماؤنٹین تک پہنچ کر دکھاؤں گا۔ آپ کو بھی تو پتہ چلے کہ میں بھی کچھ کرسکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر لڑکا جنگل کی جانب بھاگ گیا۔ جیک نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ اور اس لڑکے کی طرف دیکھ کر چیخ کر بولے۔

''تم ایسا کبھی نہیں کروگے...... جانا ہے تو واپس گاؤں کی جانب جاؤ۔ جنگل میں جان کا خطرہ ہے......''

''ہرگز نہیں میں جنگل پار کرکے دکھاؤں گا۔ میں بزدل نہیں ہوں جو واپس پلٹ جاؤں۔'' لڑکے نے بھی جاتے جاتے مڑ کر جواب دیا اور پھر آگے کی جانب چل دیا اور چلتے چلتے بڑبڑا بھی رہا تھا۔ ''آخر سمجھا کیا ہے مجھے سب نے...... میرا کوئی نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کوئی بھی مجھے کچھ بھی کہہ دے...... میں اتنا بھی بزدل نہیں ہوں...... میں بہت بہادر بھی ہوں اور ایک ماہر شکاری بن سکتا ہوں، یہ میں ثابت کردوں گا۔ ایک دن دنیا میرے فن اور جانبازی کی قائل ہوجائے گی اور ماسٹر کو بھی تو پتہ چلے میری قابلیت کا۔''

ادھر ماسٹر گریگوری سکون سے تھا۔ راڈرک اور جیک نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو ماسٹر نے اسے روک دیا یہ کہہ کر کہ ''وہ اکیلا اس وقت کہیں نہیں جائے گا...... کچھ دیر میں خود ہی واپس آجائے گا۔ وہ خالی ہاتھ ہے۔ جب بھوک ستائے گی اور اوپر سے جنگل کا خوف اسے لوٹنے پر مجبور کردے گا۔ اچھا ہے...... اسے تھوڑی سزا ابھی تو ملنی چاہئے۔'' وہ دونوں بھی چپ ہوگئے لیکن وہ تذبذب میں تھے۔ ماسٹر نقشے کی مدد سے انہیں راستوں کی تفصیل بتانے لگا۔ جبکہ جیک بھی آگ روشن کرچکا تھا۔

اب جیک کو پہرہ دینا تھا اور ان دونوں کو آرام کرنا تھا اس کے بعد آدھی رات کو راڈرک پہرہ دیتا۔ دونوں کو لڑکے کی بہت فکر تھی لیکن ماسٹر کی وجہ سے چپ تھے یا شاید دل میں تسلی تھی کہ وہ لوٹ آئے گا۔

☆......☆......☆

صبح کا اجال پھیل چکا تھا۔ جب تینوں بیدار ہوئے۔ حواس بحال ہونے کے بعد تینوں کے دماغ میں پہلا خیال لڑکے کا آیا۔ لڑکا ابھی بھی غائب تھا۔ ''انہوں نے سب سے پہلے پیٹ پوجا کی اور پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ لڑکے کو کہاں اور کیسے ڈھونڈھا جائے؟ ڈھونڈنے میں وقت ضائع ہوگا جبکہ اسے چھوڑ جانے میں لڑنے کی جان ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔ اتنا تو یقین تھا کہ وہ جنگل کی جانب گیا تھا مگر اس سے آگے اگر وہ جوش میں آکر سچ میں جنگل میں داخل ہوگیا تو پھر اس کا ملنا بہت مشکل نظر آرہا تھا۔

انہوں نے اپنا سامان سمیٹا اور اس کے قدموں کے نشانات کے پیچھے چل دیئے جو کہ جنگل کی جانب جارہے تھے۔ وہ بھی اسی راستے کی جانب بڑھ گئے جس راستے پر اس کے قدموں کے نشان تھے۔ جنگل میں داخل ہونے کے بعد قدموں کی نشاندہی ذرا مشکل ہوگئی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ اندازہ تو ہو ہی رہا تھا کہ وہ اس جانب گیا ہوگا۔

انہیں سفر کرتے کرتے سہ پہر سے شام ہوچکی

تھی لیکن لڑکے کا کچھ اتا پتہ نہ تھا۔ اگر وہ الگ الگ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تو احتمال تھا کہ بھٹک جاتے اور ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے..... رات پڑ گئی تھی۔ شومئی قسمت کہ کسی درندے سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے سوکھی لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور موٹی لکڑیوں کو آگ جلا کر شمع بنالیا اور انہیں اپنے ارد گرد گاڑ کر گویا حفاظتی حلقہ بنالیا تاکہ روشنی بھی رہے اور جلتی آگ سے درندے بھی دور رہیں۔ درختوں پر مچانیں بنا کر سو گئے۔

اگلا دن بھی ان کا یونہی خوار ہوتے ہوئے گزرا لیکن لڑکے کا کچھ اتا پتہ نہ تھا۔ اگر درندے کا شکار ہو جاتا تو بھی آثار تو مل ہی جاتے۔ راڈرک نے اپنے عقاب کو خبر لینے بھیجا جو کہ دوپہر کا گیا شام کو واپس آیا۔ اس نے لڑکے کا سراغ لگالیا تھا اب وہ لوگ عقاب کے پیچھے پیچھے چل دیئے تھے۔ سائے گہرے ہونے سے پہلے پہلے وہ لوگ جنگل سے نکل جانا چاہتے تھے۔ اس کا حل بھی تھا راڈرک کے پاس..... گھوڑے تو جنگل سے باہر ہی چھوڑ دیئے تھے انہوں نے..... لیکن اس کا عقاب تو تھا اس کے پاس..... یہ کوئی عام عقاب نہیں تھا۔ یہ جادوئی عقاب تھا۔ راڈرک نے اسے مخصوص جگہ سے سہلایا تو وہ عجیب انداز میں تڑپا اور بل کھاتا ہوا زمین پر گر پڑا اس کی جسامت بڑی ہونے لگی اور وہ ایک بہت بڑے ڈریگن میں تبدیل ہو گیا۔ جسے دیکھ کر جیک خوفزدہ ہو گیا مگر راڈرک کے بتانے پر کہ یہ ایک جادوئی عقاب ہے اور کوئی بھی روپ دھار سکتا ہے تو اسے تسلی ہوئی۔

"اگر ایسا ہی تھا تو تین روز سے جو ہم لوگ خوار ہو رہے ہیں تب کیوں نہ تم نے عقاب سے مدد لی۔" وہ تینوں اپنے اپنے سامان سمیت اس اڑنے والے ڈریگن پہ سوار اڑے چلے جا رہے تھے کہ جیک نے راڈرک سے کہا۔

"دراصل میں ایگل کو چھپانا چاہتا تھا اس کے جادوئی ہونے کو اور اس کی طاقت کو بھی میں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا۔"

"تو کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم نے اب وعدہ خلافی کی ہے؟" جیک نے پوچھا۔

"نہیں..... دراصل میں انتہائی مجبوری کی حالت میں ایگل کی مدد لے سکتا ہوں۔ شوقیہ نہیں۔"

وہ اڑتے اڑتے جنگل سے باہر نکل چکے تھے۔ ڈریگن نے انہیں وہاں جا اتارا جہاں لڑکا موجود تھا۔ وہ ڈریگن کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور اس نے ایک جانب دوڑ لگادی..... راڈرک نے ڈریگن کو اس کے پیچھے بھیجا۔ اس نے اپنے منہ سے بھاگتے ہوئے لڑکے کو اچکا جو بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا اور لا کر ان سب کے سامنے پٹخ دیا۔ وہ کراہتا ہوا زمین سے اٹھا۔

"اوہ..... تو یہ تم لوگ ہو..... میں سمجھا پتہ نہیں کون سی مخلوق میرا پیچھا کر رہی ہے اور یہ ڈریگن کہاں سے ہاتھ لگا تم لوگوں کے؟"

راڈرک نے ڈریگن کو مخصوص انداز میں سہلایا تو وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

"اوہ..... اسے کیا ہوا؟" لڑکا گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

ڈریگن بل کھاتے ہوئے پھر سے عقاب میں تبدیل ہو چکا تھا۔

"بہت خوب تو تم نے جنگل پار کر ہی لیا؟" گریگوری لڑکے سے مخاطب ہوا جو حیرت سے عقاب کو دیکھ رہا تھا۔

"تو آپ کیا سمجھے تھے کہ میں مارا جاؤں گا؟ اب تو آپ لوگوں کو میری بہادری پر یقین آنا چاہئے۔" اس نے سینہ پھلا کر کہا۔

"ہم تمہاری بہادری کی قدر کرتے ہیں لیکن تم ہمارے لئے کس قدر خواری کا باعث بنے ہو اس کا اندازہ ہے تمہیں؟"

"میں نے کیا کیا ہے؟ آپ لوگوں نے خود ہی کہا تھا کہ میں چلا جاؤں تو میں چلا آیا....." میری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کرتا۔"

"اچھا ٹھیک ہے اب ہمیں آرام کرنا چاہئے۔" ماسٹر گریگوری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ گویا لڑکے کو مزید نہ بولنے کا اشارہ تھا۔ وہ جانتا تھا یہ چپ نہیں کرنے والا اور اگر میں نے اس پر اپنا غصہ نکالا تو یہ پھر سے کوئی گڑبڑ نہ کر دے جبکہ جیک اور راڈرک لڑکے کی کہانی سننے کو بے چین تھے۔

انہوں نے معمول کے مطابق آگ کا حلقہ روشن کیا۔ قریب ہی بہتی ندی میں غسل کر کے تازہ دم ہو گئے اور کھانا کھانے کے بعد لیٹ گئے۔ ماسٹر معمول کے مطابق ان سے ذرا ہٹ کر آرام کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا لڑکے کو اپنی کارگزاری سنائے بغیر چین نہیں آئے گا اور نہ ہی ان دونوں کو سنے بغیر..... کچھ ہی دیر بعد لڑکے کی زبان چلنا شروع ہو گئی تھی۔ اس کی ہلکی ہلکی آواز ماسٹر تک بھی آ رہی تھی.....

"وہ کالے بھیڑیوں کا جھنڈ تھا جنہوں نے مجھے چاروں جانب سے گھیرا ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ کہ ان کی آنکھیں نیلی تھیں..... بڑے جثے اور انتہائی ہیبت ناک اور ان کے غرانے کی آوازیں یوں تھیں جیسے کسی دیو کے غرانے کی آوازیں..... وہ آہستہ آہستہ میری جانب بڑھ رہے تھے کہ اچانک....." لڑکے نے ان کے تجسس کو ہوا دینے کے لئے رک کر دونوں کی جانب دیکھا اور پھر سے گویا ہوا۔

"اچانک ایک بڑے بھیڑیے نے مجھ پر چھلانگ لگادی..... وہ پھر رک گیا۔ "آگے کیا ہوا؟ تم نے خود کو کیسے بچایا ان بھیڑیوں سے؟" جیک نے بے چینی سے پوچھا۔

"پھر کیا ہونا تھا..... وہ جانتے نہیں تھے کہ انہوں نے کس سے پنگا لیا تھا..... میں نے ایسی لات ماری گھما کر کہ وہ دور جا کر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی اس میں سکت نہ رہی۔" لڑکے کی اس بات پر دونوں بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ یقین نہیں آتا نا! اگر تم لوگ میرے ساتھ رہو گے تو میری بہادری کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے۔"

"یہ دنیا کی سب سے بڑی گپ لگ رہی ہے۔ کیا سچ میں تم خونخوار بھیڑیوں سے مقابلہ کیا تھا؟" جیک نے پوچھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں تم لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے قصے گھڑ رہا ہوں؟ اگر یہ "کپ" ہوتی تو کیا میں تمہارے سامنے زندہ بیٹھا ہوتا؟ کود تو تم لوگ جنگل کے درندوں سے خوفزدہ ہو کر اڑتے ہوئے آئے ہو۔ تمہیں کیا خبر کس قدر صعوبتوں کے بعد میں نے جنگل پار کیا ہے۔"

"ہم مزے سے اڑتے ہوئے نہیں آئے بلکہ یہ تین دن تمہیں ڈھونڈتے ہوئے سارے جنگل میں خوار ہوئے ہیں۔" راڈرک نے کہا۔

"اچھا.....! پھر تو، تم لوگوں کو بھی درندے یا آسیب ٹکرائے ہوں گے؟"

"خوش قسمتی سے ہم لوگ کسی درندے سے نہیں ٹکرائے بلکہ درندے اور آسیب ماسٹر کے گلے میں ڈالے ہوئے مختلف نقوش کے حامل لاکٹوں کی وجہ سے ہم سے دور ہی رہے۔" راڈرک نے کہا۔

"تو اس میں تم لوگوں کا کیا کمال؟ میری طرح بھیڑیوں کے جھنڈ سے لڑ کر دکھاتے تو تمہاری بہادری سامنے آتی۔" لڑکے نے کہا۔

"تم نے باقی بھیڑیوں کو کیسے شکست دی؟" جیک نے لڑکے سے پوچھا۔

"جیسے پہلے بھیڑیے کو دی..... پہلا بھیڑیا سب سے خوفناک اور قوی الجثہ تھا شاید وہی ان سب کا سردار تھا۔ باقی بھیڑیوں نے جب اپنے سردار کا یہ حشر دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے..... دوسرا بھیڑیا جو نائب سردار لگ رہا تھا ڈرتے ڈرتے میری جانب بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا میں نے اس کا جبڑا پکڑ کر پورے زور سے کھول دیا اور یوں اس کا جبڑا چر گیا۔ پھر میں نے اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ باقی کے بھیڑیے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ آخر انہیں جان کے لالے جو پڑ گئے تھے۔ نائب سردار نے جو باقی بھیڑیوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ بھی دم دبا کر بھاگ گیا....." لڑکا مزے سے اپنی

داستان سنا رہا تھا جبکہ ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ ماسٹر نے بھی لڑکے کی ساری بات سنی تھیں کہ وہ اچانک آ کر لڑکے کے سر پر کھڑا ہو گیا اور گرج کر پوچھا۔

"تمہاری مدد کس نے کی؟"

"کسی نے بھی نہیں میں اکیلا ہی کافی تھا۔" لڑکے نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میں نے پوچھا کس نے تمہاری جان بچائی۔" ماسٹر پہلے سے زیادہ زور سے گرجا۔ وہ ایک کالا ہرن تھا..... پتہ نہیں وہ اچانک کہاں سے آیا تھا اور بعد میں کہاں گیا..... لیکن اس ہرن نے تنہا ان بھیڑیوں کو ہرا دیا تھا۔" اب کے لڑکے نے مریل سی آواز میں کہا۔

"ہوں..... اور جنگل سے باہر تک تمہاری رہنمائی کس نے کی؟" ماسٹر بہت ناک ہو چکا تھا۔ اس کی ہیبت سے ڈر کر لڑکا جلدی جلدی بولنے لگا۔

"وہ ایک لڑکی تھی..... بہت ہی خوب صورت اور حسین..... گھٹنوں تک آتے سیاہ بال..... نازک سا سراپا اور..... اور"

"میں نے تمہیں اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے کو نہیں کہا۔ کہاں ملی تھی وہ تمہیں؟"

"جنگل میں ایک ندی کے کنارے..... میری حالت بہت بری تھی میں بھوکا بھی تھا اور تھکا ہوا بھی میں ندی کنارے جاتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا..... اور اس لڑکی نے ہی میری دیکھ بھال کی اور جنگل سے میرے لئے پھل اور شہد لاتی رہی اور پھر اس نے میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے جنگل سے باہر تک لائی تھی۔" لڑکا اپنا راز فاش ہونے پر رو دینے کو تھا۔

"اس نے کیا کہا تھا تم سے کہ وہ کون ہے؟" ماسٹر نے ایک اور سوال کیا۔

"اس نے کہا کہ وہ ایک قافلے سے بچھڑ گئی ہے اور اب اسے اپنے قافلے سے ملنا ہے۔"

"جھوٹ..... ایک دم جھوٹ....." ماسٹر بڑبڑایا اور پھر لڑکے سے پوچھا۔

"اور تم نے اسے کیا بتایا؟"

"وہی جو حقیقت ہے....." لڑکے نے جواب دیا۔

"اوہ تو..... غضب ہو گیا..... تمہیں اندازہ بھی ہے تم نے کیا کیا؟ وہ بھیڑیے عام بھیڑیے نہیں تھے۔ وہ کالی طاقتیں تھیں اور نہ ہی کالا ہرن عام ہرن تھا۔ وہ ہرن وہی لڑکی تھی۔ وہ بھی ان میں سے ایک ہے..... یہ کیا غضب کر دیا تم نے..... میں نے کہا بھی تھا کہ اپنی زبان بند رکھنا مگر تم تو اس لڑکی کو متاثر کرنے کے چکروں میں سب کچھ بتا چکے ہو گے؟ اور اب بلیک سپیلس میں اطلاع مل چکی ہو گی ہماری آمد کی۔" ماسٹر نے وضاحت سے کہا تو ان تینوں کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"معاف کر دیں..... مجھے خبر نہیں تھی۔" لڑکا رو دینے کو تھا۔

"ہونہہ..... تمہیں بہت شوق ہے اپنی قابلیت دکھانے کا؟ اپنے آپ کو عقل کل کے مالک سمجھتے ہو؟ تو جاؤ تنہا..... جا کر لڑو ان سے۔"

ماسٹر نے غصے سے کہا۔

تو لڑکا نظریں جھکا کر رہ گیا۔

"اب کیا ہو گا ماسٹر..... وہ لوگ تو ہوشیار ہو جائیں گے۔" راڈرک نے کہا۔

"ہمیں ابھی جانا ہو گا..... آرام کرنے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس..... ویسے بھی ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔" ماسٹر نے کہا۔

"لیکن ماسٹر! ہم تھکن سے چور وجود کے ساتھ ان لوگوں سے کیسے مقابلہ کریں گے؟"

اس کا حل بھی ہے میرے پاس..... وہاں جنگل میں مجھے کچھ انمول بوٹیاں بھی ملی تھیں۔ وہ میں نے اپنے تھیلے میں رکھ لی تھیں....." یہ کہہ کر ماسٹر نے اپنے تھیلے سے کچھ جڑی بوٹیاں نکالیں اور ان کی مخصوص مقدار تینوں کو دے دی۔

"یہ کھانے میں کسیلی محسوس ہوں گی مگر امید ہے تمہاری تھکن اتارنے کے کام آئیں گی۔ اب پھر سے

راڈرک! تمہارے ایگل کی سواری درکار ہو گی....."

"یس ماسٹر..... راڈرک نے کہا اور اپنے ایگل کو سہلانے لگا جو ایک بڑے اڑنے والے ڈائنو سار سے ملتے تھے جانور کی شکل دھار چکا تھا۔

وہاں پہنچ کر پہلے ہم صورتحال کا جائزہ لیں گے پھر میں تمہیں اگلا لائحہ عمل سمجھاؤں گا..... اور تم لڑکے.....!" ماسٹر نے انگلی اٹھا کر لڑکے کو مخاطب کیا۔

"زیادہ چالاکی دکھانے کی ضرورت نہیں اس بار..... سمجھ میں آئی بات.....؟"

"جی ماسٹر....." لڑکے نے سعادت مندی سے سر جھکا دیا۔

سب لوگ اس اڑنے والی سواری پر بیٹھ چکے تھے۔ آگے پہاڑی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اڑنے والا ڈائنو سار بہت تیزی سے سفر طے کر رہا تھا۔ اب آہستہ آہستہ ان تینوں کو اس بوٹی کی افادیت کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہے تھے۔ اس قدر تیزی سے سفر طے کرنے کے باوجود بھی وہ رات کے تیسرے پہر بلیک ماؤنٹین کے قریب پہنچے تھے۔ ماسٹر نے راڈرک سے کہہ کر ڈائنو سار کو کافی نیچے اتار لیا تھا۔ قریب جانے میں دیکھ لئے جانے کا خدشہ تھا۔ اب آگے کا سفر انہیں پیدل طے کرنا تھا جو جان جوکھم کا کام تھا اور پھر رات کے اندھیرے میں وہ یہ سفر طے بھی نہ کر سکتے تھے۔ سو دن چڑھتے ہی انہیں اپنا سفر جاری و ساری رکھنا تھا۔ سو پہنچ جانے والے وقت میں انہوں نے آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا.....

☆.....☆.....☆

"واؤ....." لڑکے کے منہ سے نکلا۔ "اس قدر شاندار..... یقین ہی نہیں آتا۔"

وہ لوگ دن بھر پہاڑوں کے اونچے نیچے راستوں اور گھاٹیوں کو عبور کر کے یہاں پہنچے تھے اور اب پہاڑ کی اوٹ سے گردنیں نکالے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

دور سے مضبوط اور سالم نظر آنے والا پہاڑ اندر سے کھوکھلا تھا۔ گہری اور وسیع گھاٹی جو کہ پہاڑ کے عین درمیان میں تھی..... یہ بہت ہی جادوئی سا منظر تھا جسے دیکھ کر انسان وحشت و ہیبت اور سحر کا شکار ہو جاتا تھا۔ وہ بھی کتنی ہی دیر تک اس منظر کو دیکھتے رہے۔

"لیکن ہم اس گھاٹی کے اندر جائیں گے کیسے.....؟" لڑکے نے پوچھا تو گویا سب ہی ہوش میں آئے۔

"اک راستہ ہے جس سے ہم کسی کی بھی نظروں میں آئے بغیر اس گھاٹی میں داخل ہو سکتے ہیں۔" راڈرک نے کہا۔

"کہاں ہے وہ راستہ.....؟" جیک نے سوال کیا۔

شام کے سائے ڈھل رہے تھے اور انہیں رات ڈھلنے تک وہاں پہنچنا تھا اور پھر بلیک وچ کے باہر آنے کا انتظار کرنا تھا جو کہ ٹھیک آدھی رات کو اپنی رہائش گاہ سے باہر آتی ہے۔ وہ خاص پوجا کرتی تھی جو کہ اسے چاند گرہن کی رات تک مکمل کرتی تھی اس کے بعد وہ دنیا کی سب سے طاقتور اور قیامت تک زندہ رہنے والی وچ بن جاتی۔

اس پوجا کو مکمل ہونے سے روکنا ہی اور اس وچ کو شکست دینا ماسٹر گریگوری اور اس کے ساتھیوں کا مقصد تھا اور انہیں ہر حال میں اپنے مقصد میں کامیاب ہونا تھا اگر وہ ناکام ہو جاتے تو یہ شکست صرف انہی کی شکست نہیں تھی بلکہ یہ شکست پوری انسانیت کی شکست تھی..... پھر "وہ" دنیا پر قہر بن کر ٹوٹتی۔

ماسٹر نے انہیں لائحہ عمل سمجھا دیا تھا۔ انہیں کسی کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں تھی وہ چھپے چھپاتے بلیک وچ تک پہنچتے۔ راڈرک اور جیک سپاہیوں کو روکتے جبکہ ماسٹر موقع ملتے ہی اپنا چاندی سے بنا نیزہ یا چاقو بلیک وچ کی پیشانی میں گھونپ دیتا یا جیک اور راڈرک میں سے جسے بھی موقع ملتا وہ اپنا ہتھیار اس چڑیل کی پیشانی میں گھونپتا، چاندی کا ہتھیار ہی اس کی موت کا باعث بنتا..... بلیک وچ کی موت کے ساتھ ہی اس کی ساری فوج بھی تباہ ہو جاتی۔

وہ سب الگ الگ ہوگئے تھے اور مختلف اوٹ سے جائزہ لینے میں مصروف تھے۔ محل کے برآمدوں میں عجیب قسم کے سپاہی پہرے داری کررہے تھے۔ نہایت ہی عجیب اور سیاہ لباس..... جو شاید لوہے کا بنا ہوا تھا اور لانگ بوٹ بھی لوہے کے تھے۔ جو چلتے وقت دھمک پیدا کرتے..... سروں پہ لوہے کے خول تھے جنہوں نے ان کی شکلیں بھی ڈھانپ رکھی تھیں۔ سوائے آنکھوں کے..... ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور نہایت چوکنے تھے۔

طویل انتظار کے بعد آخر کار وہ منظر آ ہی گیا جس کے لئے اس قدر صعوبتوں سے پر سفر کیا گیا تھا۔ بلیک ورچ..... اپنے شاندار سیاہ لباس میں..... اپنی کنیزوں کے ساتھ نمودار ہوئی..... بے حد شاندار اور خوب صورت زیورات تن پہ سجے تھے۔ سیاہ ہیرے کا نیکلس جس میں بڑا سا سیاہ ہیرا جھلملا رہا تھا۔ حد سے زیادہ بڑھے ہوئے سیاہ ناخن اس کی ہیبت میں اضافہ کررہے تھے۔ سر پہ سیاہ سانپوں کا تاج تھا جس کی بناوٹ بہت عجیب تھی اور خوفناک بھی۔ سیاہ گھنی زلفیں ہواؤں میں لہراتی ہوئی دکھائی دیں..... بے حد سرخ ہونٹ یوں جیسے تازہ خون میں تر بتر ہوں..... اور چہرہ حسین، بے حد حسین، حسن کی تاب لانا بہت مشکل تھا۔ لیکن عجیب ہیبت ناک حسن تھا۔ حسین ہونے کے باوجود بہت خوفناک الگ رہی تھی۔ اس کے دائیں سائیڈ پر ایک اور لڑکی جو باقی لڑکیوں سے نمایاں تھی..... بہت خوبصورت تھی..... اس کا حسن معصوم اور جہاں سوز تھا..... عجیب سی اداسی تھی اس کی آنکھوں میں..... نگاہوں کے گلابی ڈورے بہت ہی سحر انگیز تھے۔ وہ بھی سیاہ لباس میں تھی۔ اس کی گھنی زلفیں تو اور بھی زیادہ طویل تھیں۔ اس منظر کو دیکھ کر بہت سے حسین مناظر ماسٹر گریگوری کی نگاہوں میں گھوم گئے۔

"اوہ..... وہ لڑکی تو وہی ہے۔" لڑکے نے سرگوشی کی تو ماسٹر چونک گیا۔

"کون سی.....؟" ماسٹر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جو دائیں سائیڈ پر سب سے زیادہ نمایاں ہے۔"

"اوہ..... وہ....." ماسٹر نے جواب دیا۔

عین محل کے بیچ میں پوجا کرنے کی جگہ مخصوص تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ملکہ پوجا میں مصروف ہوجائے تو چھپتے چھپاتے اس تک پہنچیں گے۔

وہ اپنی کنیزوں اور بہن کے ساتھ اس جگہ آ کر رک گئی اور فضا میں گہرے گہرے سانس لینے لگی یوں جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کررہی ہو۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ گہرے سانس لینے کے بعد اس نے اچانک سے آنکھیں کھول دیں اور اپنے ہاتھ کی انگلیاں لہراتے ہوئے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔

"تو گریگوری.....! آخر کار تم یہاں پہنچ ہی گئے....." اس کی بات سن کر وہ سب چونک گئے۔

"ہمت ہے تمہاری..... تمہیں کیا لگا تم ایک بار مجھے قید کرلو گے..... تو کیا اب بھی کامیاب ہوجاؤ گے؟ اک بار تو میں غفلت میں ماری گئی تھی مگر..... پیارے گریگوری.....! اس بار تمہاری موت تمہیں یہاں کھینچ کے لائی ہے۔" آخری فقرہ اس نے بہت ہی خوفناک انداز میں کہا اور قہقہے لگانے لگی۔

"اب چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں..... اسے خبر ہوگئی ہے....." ماسٹر نے کہا۔

"سب مل کر اس کا سامنا کرتے ہیں۔" جیک نے کہا۔

"نہیں تم لوگوں کو بہادری دکھانے کی ضرورت نہیں..... میں اکیلا ہی اس کے سامنے جاؤں گا..... تم لوگ چھپ کر وار کرو گے..... وہ بہت طاقتور ہوچکی ہے۔ دوبدو مقابلہ کرنا ممکن نہیں..... اور پھر اس کی فوج....." ماسٹر نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

"جیسے آپ کا حکم ماسٹر۔" راڈرک نے کہا تو ماسٹر اوٹ سے نکل کر محل کے صحن کی جانب بڑھنے لگا اور اس کے سامنے جا کر رک گیا۔ ماسٹر کو دیکھ کر ملکہ کے قہقہے تھم گئے۔

"تم آج بھی ویسی ہی حسین ہو..... لیکن تمہارا

دل کو موہ نہیں رہا بلکہ ہیبت طاری کررہا ہے۔" ماسٹر نے اسے دیکھ کر بے باک انداز میں کہا تو اس کے قہقہے ایک بار پھر بلند ہوگئے۔ وہ خوب ہنسی اپنی تعریف پر اور پھر یکلخت تو اس کے ابرو ہلال کی طرح تن گئے۔ ان کی اونچائی اسے بہت ہی خوفناک بنا رہی تھی۔

"اور تم.....! ذرا دیکھو خود کو..... عمر رواں نے تم پر کس قدر برے اثرات چھوڑے ہیں تمہاری ہڈیاں بوسیدہ ہوچکی ہیں..... سیاہ بال سفید ہوچکے اور جسم جھریوں سے بھر گیا۔ تمہاری خستہ حالی تمہاری گزشتہ زندگی کی داستان سنا رہی ہے کہ..... کس قدر برے حالوں میں رہے ہو تم میرے بعد....."

"ہاہاہا....." اب کے ماسٹر کے قہقہے گونجے۔ "تمہارے بعد میں بہت سکون میں رہا اور دیکھو تمہاری وجہ سے گریگوری آج اس مقام پر پہنچ چکا ہے۔ جس پر تمہارا ساتھ ہوتے ہوئے کبھی نہ ہوتا شاید میں بھی تمہاری طرح بدی کے راستے پر گامزن ہوتا۔" ماسٹر کی بات نے گویا اسے آگ کے بلند ہوتے شعلوں میں دھکیل دیا تھا۔ اس کی سفید رنگت بے انتہا سرخ پڑ چکی تھی۔

"تم بھول چکے ہو کہ تم نے مجھے دھوکا دیا تھا۔"

"دھوکا تم نے دیا تھا مجھے..... اپنی ماں کے ساتھ مل کر میرے بچے کی جان لی تھی۔"

"میں نے نہیں لی تھی..... اور تم نے! کیسے دھوکے سے مجھے قید کیا تھا؟ اپنی زندگی کے کتنے قیمتی سال میں نے اس قید خانے میں گزارے، تڑپتے ہوئے سسکتے ہوئے تمہیں پکارتے ہوئے..... اپنے بچے کی اور تمہاری محبت میں تڑپتے ہوئے۔"

"جھوٹی ہو تم..... دھوکے باز..... کالی جادوگرنی....." ماسٹر نے چیخ کر کہا تو وہ غضب ناک ہوگئی اور اپنے بازوؤں کے ساتھ لٹکتے لباس کو غصے سے گھمایا تو وہ بڑے بڑے پروں میں تبدیل ہوگئے اور ہوا کا زوردار جھونکا چاروں طرف پھیل گیا اور ماسٹر تقریباً اڑتے ہوئے دور جا گرا اور وہ ایک بہت بڑے اور مکروہ شکل کے سیاہ پرندے میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے منہ سے انتہائی کریہہ آوازیں نکل رہی تھیں جو اسے اور بھی دہشت ناک بنا رہی تھیں۔ اس کی کنیزیں پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوچکی تھیں۔ اس نے ایک اڑان بھری اور ماسٹر پر حملے کے لئے آگے بڑھی مگر ماسٹر پہلے ہی اپنے لباس سے ہتھیار نکال کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ چکا تھا۔ وہ اڑتی ہوئی آ کر ماسٹر پر حملہ آور ہوئی۔ ماسٹر نے تلوار سے جوابی حملہ کیا لیکن وہ مہارت سے بچ نکلی اس نے پیچھے کی جانب پلٹا کھایا اور اڑان بھرتی ہوئی ماسٹر تک آئی اس نے اپنے پنجوں سے ماسٹر کا سر دبوچنے کی کوشش کی لیکن ماسٹر کا نیزہ جو کہ چاندی کا تھا وہ حرکت میں آ چکا تھا۔ وہ پھر سے بچ نکلی۔ اب کے وہ اڑتی ہوئی کافی دور تک چلی گئی کہ نظروں سے اوجھل ہوگئی کچھ پل کے لئے سکون چھا گیا۔

ماسٹر اطمینان سے سانس بھی نہیں لے پایا تھا کہ وہ اچانک پیچھے سے پھر حملہ آور ہوئی اور اپنے بڑے بڑے پنجوں میں ماسٹر کو دبوچ کر بلندی کی جانب پرواز کرگئی۔ اس سے پہلے کہ وہ ماسٹر کو کوئی نقصان پہنچاتی۔

اچانک فضا میں راڈرک اپنے اڑنے والے ڈریگن پر سوار اڑتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا اور اپنے چاندی کے ہتھیار سے اس پر حملہ کردیا، اسے زخم آیا جس کی وجہ سے وہ لڑکھڑا گئی اور ماسٹر اس کے پنجوں سے گر گیا۔ جسے گرتے دیکھ کر راڈرک حواس باختہ ہوا لیکن اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا اور اپنے ڈریگن کو غوطہ دلایا اور تیزی سے پرواز نیچی کردی اور لپکتا ہوا ماسٹر تک پہنچا اور انہیں زمین پر گرنے سے پہلے ہی پکڑ لیا اور پھر آہستگی سے ماسٹر کو زمین پر اتار دیا۔ جیک اور لڑکا بھی حملہ آور ہوچکے تھے۔ سپاہی ان کا راستہ روکنے کی کوشش کررہے تھے لیکن وہ بجلی بن کر ان پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ وہ اپنے چاندی کے ہتھیاروں سے جس سپاہی پر بھی حملہ کرتے وہ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوجاتا۔ کنیزیں اندرونی عمارت کی جانب بھاگ چکی تھیں۔ اس سارے منظر میں ایک صرف وہی تھی جو چپ چاپ بت کی مانند کھڑی تھی اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ جیسے وہ

صدمے کے زیر اثر تھی۔

بلیک وچ نے اب اپنا رخ راڈرک کی جانب کرلیا تھا اور اس پر حملہ آور ہو رہی تھی لیکن وہ بھی راڈرک تھا جو ایسی بہت سی جنگیں اور لڑائیاں دیکھ چکا تھا۔ وہ اپنا دفاع خوب کررہا تھا۔

بلیک وچ راڈرک کو دور ہٹا کے ماسٹر پر حملہ کرنے کی کوشش کرتی لیکن ماسٹر کی بھی پوری توجہ اسی کی جانب تھی۔ ادھر راڈرک اسے بار بار ناکام بنا رہا تھا۔ آخر ایک موقع پر اس نے اپنے مکروہ اور تیز پنجے ماسٹر کے دل کے مقام پر گھسیڑ دیئے۔ جن کی تاب نہ لاتے ہوئے ماسٹر زمین پر گرا پڑا اور دل کے مقام سے نکلنے والے خون میں نہا گیا اور وہ شاید اپنی کامیابی پہ پلٹنا ہی بھول گئی تھی.....

بالکل قریب موجود لڑکے نے اس پر حملہ کردیا۔ اسے زخم آیا تو وہ اڑان بھرتی ہوئی بلند ہوگئی لیکن لڑکے نے آگے بڑھ کے اس کے پنجوں کو تھام لیا تھا۔ اب لڑکا بھی اس کے ساتھ فضا میں بلند ہوگیا۔ اس نے جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اسے شاید اس کمزور سے لڑکے کی اس قدر مضبوط گرفت کی توقع نہیں تھی۔ لڑکے نے اپنے چاندی کے ہتھیار سے اسے زخم لگائے اور وہ تڑپ تڑپ کر اسے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگی لیکن کامیاب نہ ہو پائی۔

آخر کار اس نے اپنی گردن کو بے انتہا موڑتے ہوئے اپنی مکروہ چونچ سے اس لڑکے سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ لڑکا جو اسی تاک میں تھا اس نے اپنا ہتھیار اس کی پیشانی کا نشانہ لیتے ہوئے گھماؤ دار انداز میں اس کی جانب پھینکا جو کہ ٹھیک اس کی پیشانی کے درمیان میں جا کر گھس گیا اور وہ تڑپنے لگی اس کے ساتھ ہی اس کی جسامت سکڑنے لگی اور وہ پہلی حالت میں واپس آنے لگی۔ اس کی پیشانی سے سیاہ خون ابل رہا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ سے اس کی گرفت چھوٹ چکی تھی اور وہ چیختا ہوا بلندی سے جانب زمین گرنے لگا۔ اس کی چیخ نے راڈرک کو اس کی جانب متوجہ کردیا۔ اس نے ڈریگن سے اڑان بھری اور عین لڑکے کے نیچے آ کر اسے پکڑ لیا۔ وہ ڈریگن کے اوپر آ کر آڑا ترچھا گرا۔ راڈرک نے بہت احتیاط سے ڈریگن کو نیچے اُتارا۔

وہ زمین پر گرنے سے قبل اپنی اصلی جسامت میں واپس آ چکی تھی اور بالکل ماسٹر کے قریب آ کر گری تھی۔ اس کی پیشانی میں ہتھیار پیوست تھا اور وہ تڑپ رہی تھی۔ ماسٹر بھی تڑپ تڑپ کر اب دھیما پڑ چکا تھا۔ شاید مزید تڑپنے کی سکت نہیں تھی۔ ماسٹر نے اسے تڑپتے دیکھا تو اس کے دل کو کچھ ہوا وہ خود کو گھسیٹتا ہوا اس کے قریب ہوا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں تم سے آج بھی پیار کرتا ہوں..... میں تمہیں کبھی بھول نہیں پایا۔'' ماسٹر نے کہا تو اس نے اپنی نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اب اس کی نگاہوں کی ہیبت ختم ہوچکی تھی اور اس کی جگہ معصومیت نے لے لی تھی۔

''اور میں..... میں بھی.....'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''تمہیں ہمارا پہلی بار ملنا یاد ہے؟'' ماسٹر نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ بہت سے حسین مناظر دونوں کی نگاہوں میں گھوم گئے۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک پہاڑی وادی تھی..... بہت ہی حسین و سرسبز، بالکل جنت کی مثل وہاں کے لوگ اپنی دنیا میں مگن تھے انہیں باہر کی دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بس اتنا کما لیتے کہ سردیاں آرام سے گزر جاتیں۔ اگر انہیں مغرور کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شاید انہیں اپنی جائے رہائش کے حسن پہ ناز تھا یا خود کے وجود پہ..... وہاں کے لوگ بھی بے حد حسین تھے..... اونچے لمبے..... سنہری رنگت، سنہری بال، نگاہوں میں سمندروں اور جھیلوں سی نیلاہٹ..... ایسے میں مغرور نہ ہوتے تو کیا کرتے کیونکہ ان کے پاس اور کرنے کو تھا ہی کیا.....؟

گاؤں سے ذرا ہٹ کے ایک جھیل تھی۔ اس گاؤں کے باشندوں کی مانند انتہائی حسین بظاہر پرسکون مگر گہری..... اس جھیل میں جانے کو کون سے راز بستے

منہیں چھپانے کو یہ ہمیشہ ساکن رہتی۔ جھیل میں اک ندی آ کر گرتی تھی، ندی بہت چوڑی تھی۔ بعض جگہوں پر ندی کو پاٹنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ بس اک، دو جگہوں سے ہی ندی عبور کی جاسکتی تھی اور وہی جگہیں آگے جانے والوں کا راستہ تھیں۔ ندی کے ساتھ ساتھ چلتے جاؤ تو کوئی تین کوس کے سفر کے بعد اس ندی کا اختتام ہوتا تھا بلکہ آغاز ہوتا تھا کیونکہ یہاں بلند پہاڑ سے شفاف میٹھے پانی کی آبشار گرتی تھی جو ندی کی شکل اختیار کرلیتی تھی۔ آبشار گرنے کا حسین منظر..... بڑا دلکش تھا..... قطار در قطار ندی کنارے کھلے رنگ برنگے، نیلے، پیلے، اودے پھول کیا کم خوش رنگ و شاداب تھے جو رہی سہی کسر نظر قریب سبزے نے پورے کردی تھی۔ بعض جگہوں پر گنجان سایہ دار درخت تھے جن میں سے بعض اس ادا سے ندی کے اوپر جھکے ہوئے تھے گویا شفاف میٹھے پانی کو چوم رہے ہیں۔ پہاڑ کی بلندی سے وادی کی پستی میں چادریں بن کے اترتا پانی کسی آفت روزگار حسینہ کی زلفوں کی مانند لہریے دار لگتا۔ اس ساری وادی کو پہاڑوں نے اپنے حلقے میں لیا ہوا ہے۔ موسیقی کی سی آواز میں گرتا پانی اور اس کے ساتھ نغمہ سرا طائروں کی ٹولیاں بھی اپنی سریلی آوازیں شامل کرلیتیں تو روح میں اتر جانے والی موسیقی تخلیق ہوتی۔ یہ اتنا سا حلقہ تو ساری وادی سے زیادہ کمال صناعی دکھا رہا تھا۔

وہ ایک خوب صورت اور باوقار جوان تھا۔ وہ اکثر اس آبشار کے پاس وقت گزاری کرنے آتا تھا۔ یہاں تنہائی تھی، سکون تھا، سرور تھا، مہتابیاں تھیں، حسن تھا، یہ بہتا ہوا پانی اس کی روح و جسم کی ساری کثافتیں بہالے جاتا تھا اور جیسے اس کے جسم و جاں میں سنہری، روپہلی روشنی بھر دیتا۔ اسے اپنا وجود توانا محسوس ہونے لگتا۔ اٹھکیلیاں کرتے پرندے اسے اپنے بچوں کی مانند لگتے، اپنے اپنے سے، آشنا سے ایسی ہی ایک غیر معمولی مگر دل رباشام تھی جب وہ اپنی تنہائی سے لطف اٹھا رہا تھا۔ وندی میں اتر کے فرحت انگیز غسل کررہا تھا۔

جب وہ پری پیکر وہاں پہنچی تو اس نے پرندوں کے اڑنے کی آوازیں سنیں تو اسے شرارت سوجھی وہ مکمل پانی کے اندر چھپ گیا، اسے خبر نہیں تھی کہ آنے والا کون ہے۔ اس نے آتے ہی گرتی آبشار کے کنارے سے پانی پیا اور پھر اپنے فالتو لباس سے نجات حاصل کی اب اس کے جسم پہ مختصر لباس رہ گیا تھا۔ وہ اپنے نازک پاؤں دھیرج سے اٹھاتی ندی میں داخل ہوگئی۔ جب وہ کچھ گہرائی میں چلی گئی تو وہ اچانک پانی سے باہر نکل آیا۔

اچانک ایک جوان کو اس انداز میں سامنے دیکھ کر وہ حواس باختہ ہوگئی اور سریلی آواز میں چیخ اٹھی جوان نے اچنبھے سے اس کرنوں سے گندھے اور بلور کی مانند تراشے گئے وجود کو دیکھا اس قدر موسیقیت کے ساتھ بھی کوئی چیخ سکتا ہے کیا؟؟؟

اسے چاروں طرف سے حیرت نے آن گھیرا..... وہ بت بنا اس آواز کے سحر میں گم ہوگیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس پری جمال و زاہد فریب کو دیکھا۔ جو پیچیدہ اور خم دار زلفوں کو شانے پر بکھرائے کھڑی تھی۔ سفید رنگت میں اناروں کی سی کھلی گلابیاں..... حوروں کی مانند غلافی آنکھیں، اس پر پرپیچ لانبی پلکیں..... کمان کے سے ابرو..... مناسب ستواں ناک اور لبوں کی تازگی کے تو کیا ہی کہنے..... وہ مبہوت سا رہ گیا..... خود کو بھول گیا..... اس نور ستاں کا حسن بھول گیا..... اسے بھول جانا پڑا..... اسے بھول ہی جانا چاہئے تھا۔

''کون ہو تم.....؟'' ساحر آواز نے سر بکھیرے، تو وہ ہوش میں آیا، ہوش میں آنا چاہئے تو نہ تھا۔

''انسان ہوں..... لیکن تم کون ہو.....؟'' جواب کے ساتھ ہی سوال کیا گیا۔

''لیکن میں انسان نہیں ہوں۔'' جواب آیا۔

''لگتی بھی نہیں ہو..... کس دیس کی پری ہو.....؟ اپنے پر کہاں اتار آئی ہو؟'' جوان نے خمار آلود آواز میں پوچھا۔

''ضروری نہیں کہ ہر حسین لڑکی پری ہی ہو۔ وہ حسینہ چڑیل بھی تو ہوسکتی ہے یا پھر جادوگرنی۔'' لفظ تھے

کہ ان ہونٹوں سے خود بخود ادا ہو رہے تھے جیسے سارنگی نواز کی انگلیاں بے خودی میں سر بکھیرتی ہیں۔

"نہیں تم پری ہی ہو سکتی ہو..... کس دیس سے آئی ہو؟"

"بہت دور دیس سے اور بہت دور دیس جا رہی ہوں۔"

اس سے آگے کچھ پوچھا ہی نہ گیا اور نہ بتایا ہی گیا۔ ان سحر آفریں گھڑیوں میں دونوں ہی گم تھے..... نگاہوں کی زبان سے ہی فرصت نہ تھی جو زبان کو حرکت دیتے۔ اثر تو دوسری جانب بھی ہوتا تھا۔ جوان کی خبرو جوانی نے بجلیاں گرائی تھی۔ فاصلے کم ہو رہے تھے لیکن پھر بھی حد میں تھے..... شام ڈھل چکی تھی۔ سیاہ رات کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔

چاندنی درختوں کی اوٹ سے چھنچھناتی ہوئی ضو بکھیر رہی تھی۔ اس حسن کے آگے تو چاندنی بھی ماند پڑ گئی تھی..... کہ..... اچانک اسے ہوش آیا۔

"مجھے جانا ہوگا....." ساحرہ خود بھی سحر میں جکڑی گئی تھی۔

"رک جاؤ ناں.....!" اس قدر اپنائیت سے کہا گیا کہ جیسے جنموں کی آشنائی ہو۔

"نہیں..... مجھے بہت دور جانا ہے۔"

"آج کی رات رک جاؤ ناں.....!"

"نہیں رک سکتی..... میں جا رہی ہوں۔" اسے جانے کس بات کی جلدی تھی۔

وہ چل دی..... جوان اسے روکنے کو اس کے پیچھے لپکا۔

"بات تو سنو!"

وہ ٹھٹکی اور ایک پل کو رکی۔

"کہاں جانا ہے تم نے.....؟"

"بتایا نا! بہت دور....."

"تم جتنی بھی دور چلی جاؤ میں پھر بھی تم تک آؤں گا۔"

"تمہاری رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔"

"پھر کب آؤ گی.....؟" اس کے لہجے میں امید تھی، آس تھی، تڑپ تھی۔

"کبھی نہیں....." یہ کہہ کر وہ پھر سے چل دی اب کے وہ تیزی میں تھی۔ اس کے نازک قدم سبک خرامی سے چل رہے تھے۔

وہ تیزی سے اس کی اور چل دیا اور اس کے قدم سے قدم ملا لئے۔

"تم ایسے نہیں جا سکتی۔ اپنے دیس کا پتہ دے کے جاؤ یا پھر یہیں ملنے کا وعدہ کرو۔"

"میرا کوئی دیس نہیں اور جس دیس مجھے جانا ہے وہاں تک تمہاری رسائی نہیں۔" وہ تیزی سے چل رہی تھی کہ اسے تقریباً بھاگنے کے سے انداز میں اس کے ساتھ چلنا پڑ رہا تھا۔

"چاند نگر کی باسی ہو یا پرستان کی رہنے والی؟ میں وہاں بھی آ جاؤں گا۔"

"تم نہیں آ سکتے..... تم نہیں آؤ گے..... سنا تم نے..... اور اب راستہ چھوڑو میرا۔"

یہ کہہ کر وہ بھاگتی ہوئی درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئی۔ وہ بھی اسی جانب لپکا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ جا چکی تھی۔ اس نے اسے ڈھونڈا جہاں تک ڈھونڈ سکتا تھا وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا مگر جانے والے کو کوئی چیز بھی نہ روک پائی تھی۔ وہ پاگل ہی تو ہو گیا تھا۔

ہر شام وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتا کہ شاید وہ آ جائے..... اس کا اچانک غائب ہونا اسے یقین دلا گیا تھا کہ وہ ایک پری تھی۔ وہ ہر شام اس کی راہ تکتا شاید وہ ہر شام ہی یہاں اترتی ہو مگر جانے کیوں وہ اس کی نظروں سے اوجھل رہی تھی اور اب جھلک دکھلا کر غائب ہو گئی تھی۔ شاید وہ آدھی رات کو آسمان سے اترتی ہو وہ آدھی رات تک بیٹھا رہتا..... شاید وہ رات کے آخری پہر میں آتی ہو۔ آخری پہر تک بیٹھا رہتا صبح کر دیتا۔ پھر اسے خیال گزرتا کہ شاید وہ دن میں وہاں آتی ہو۔

وہ دن بھر وہیں انتظار کرتا۔ ہر آہٹ پر چونک چونک جاتا۔ پتوں کی سرسراہٹ اس کی چاپ سنائی

دیتی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اس کی چہکار محسوس ہوتی۔

پھر اس نے حساب لگایا کہ کس دن و تاریخ کو پہلی بار اس سے ملا تھا۔ اسی تاریخ کو وہ پھر سے آئے گی..... وہ راہ تکتا رہا مگر وہ نہ آئی۔

"اسے آنا ہوگا..... اسے آنا پڑے گا..... میرے جذبات..... میرا انتظار اسے آنے پر مجبور کر دے گا۔ وہ گھٹنے ٹیک دے گی میری دیوانگی کے آگے۔" وہ خود سے باتیں کرتا اسے اب اس نورستان کی خوبصورتی سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ اسے طائروں کے نغمے بالکل بھی نہ بھاتے۔ پانی کی ٹھنڈک اسے بالکل بھی نہ سکون دیتی۔ وہ ندی کے یخ پانی میں نہاتا رہتا مگر اس کے اندر کی آگ کم ہونے میں ہی نہ آتی۔

روح کو تر و تازہ بخشتا سبزہ جس کا کبھی وہ دیوانہ ہوا کرتا تھا اسے اچھا نہ لگتا۔ طائروں کی بھاری آوازیں بری لگتیں۔ وہ سریلی آواز اسے ہر دم اپنے ارد گرد بکھری محسوس ہوتی ایسے میں جب ندی کا پانی شور مچاتا ہوا اس کے خیالوں میں خلل ہوتا تو اسے برا لگتا۔

اور پھر ایک رات..... اور وہ رات چاند کی وہی رات تھی جس رات "وہ" پہلی بار ملی تھی۔ وہ رات بہت ہی سیاہ تھی..... بہت ہی بھیانک..... کالی گھور گھٹائیں آسمان کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ ایسی سیاہ رات میں فلک بوس درخت بھیانک بھوتوں کی مانند لگ رہے تھے۔ طوفان بھی اپنی شدت میں آپ ہی تھا..... ندی کا شائیں شائیں کرتا پانی سماعت کو ناگوار گزرتا..... ہوائیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔

"رات سرد ہو رہی تھی..... مگر وہ دیوانہ وہیں موجود تھا۔ ایک مضبوط درخت کے تنے سے لپٹا ٹکٹکی باندھے اسی جگہ کو دیکھتا، جہاں وہ پہلی بار ملی تھی..... آخر اس نے پلکیں جھپکیں..... اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں جب اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے دھڑکتے دل سے دھیرے دھیرے پلکیں اٹھائیں اور نگاہوں کا اٹھانا قیامت ہی ہو گیا۔

سامنے عین اسی مقام پر وہ موجود تھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ..... زندگی سے بھرپور اس نے کئی بار پلکوں کو جھپکا کہ کہیں کسی وہم کا نشانہ ہی نہ بن گیا ہو..... مگر وہ سامنے تھی کھلی آنکھوں کی حقیقت کی مانند رات اچانک سے حسین ہو گئی تھی..... کالی رات کا اندھیرا اس کے حسن کے نور سے روشن تر ہو گیا تھا۔ چنگھاڑتی ہوائیں گنگنانے لگی تھیں..... درخت اس کی آمد پر جھومنے لگے تھے۔

وہ بھاگتا ہوا اس تک گیا۔ وہ ندی کے بیچوں بیچ موجود تھی۔ غرور کے ساتھ گردن تان کر کھڑی تھی۔ یوں جیسے کہیں کی ملکہ ہو..... یوں جیسے کسی دیس کی فاتح ہو، فاتح ہی تو تھی..... اس نے اسے بازوؤں سے تھام لیا۔ اب وہ اسے کبھی جانے نہ دے گا۔ اس کا بس نہ چلا تھا وہ ان سحر آفریں لمحوں کو بھی یوں ہی تھام لیتا۔ وہ نگاہوں کی پیاس بجھاتا رہا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم آؤ گی۔"

"اس قدر یقین کیوں.....؟" نازک لبوں نے روح پھونکی۔

"جس شدت سے میں نے تمہارا انتظار کیا تھا مجھے یقین تھا میرے جذبے تم تک ضرور پہنچیں گے۔"

"لو..... تمہارے جذبوں کی رسائی مجھ تک ہو ہی گئی..... جہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہ تھی..... اب دیکھ لو تمہارے انتظار کی شدت مجھے واپس کھینچ لائی..... تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ..... کس قدر کٹھنائیاں پار کر کے تم تک پہنچی ہوں۔"

"ت..... تم میرے لئے واپس آئی ہو؟" خوشی کی شدت سے اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی اور اس نے جواباً ایک ادا سے ہاں میں سر ہلایا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم میرا انتظار کرو گے..... تمہاری آنکھیں، تمہارے سچا ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں....." میں ہار گئی..... تمہارے انتظار کے آگے۔"

وہ دونوں دیوانے تھے.....

اور پھر گاؤں والوں نے ایسی شاندار شادی نہ دیکھی ہوگی۔ ایسی شاندار دلہن بھی نہیں..... وہ جو اپنے

حسن پہ نازاں و فرحاں تھے وہ اپنا غرور بھول گئے تھے۔ ایسا حسن ان میں سے کسی آنکھ نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔

دونوں کی زندگی بے انتہا حسین ہوگئی تھی دونوں اک دوجے کے ساتھ بے انتہا خوش تھے۔ وقت کا کام ہے گزرنا سو گزرتا جاتا ہے اچھا گزرے یا برا.....

جوان کو کبھی کبھی وہ بہت خوفزدہ لگتی۔ ڈری، سہمی، اس نے جاننے کی کوشش کی مگر جان نہ پایا۔ ان دونوں نے وہ وقت بھی دیکھا جب اس کی کوکھ میں ننھے وجود نے جنم لیا۔ وہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا۔ بے حد خوب صورت اور معصوم..... فرشتوں کی سی پاکیزہ صورت دل موہ لیتی۔ اپنے بیٹے کو پا کر وہ تو اور بھی زیادہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ وہ باہر نہ نکلتی۔

اور پھر ایک دن..... وہ ہوا جس کا اس کو ڈر تھا۔

وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ندی پر گئی تھی کہ وہاں اسے کوئی ملا جو اس کے انتظار میں تھا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ بہت ہی ہیبت ناک اور خوفناک۔

"تو آخر کار..... میں نے تمہیں پا ہی لیا..... میری جان۔" وہ اس کے قریب آ کر اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر بولی۔

"مجھے معاف کردو ماں....." وہ اس عورت کے قدموں میں گر پڑی۔

"کردوں گی..... کردوں گی..... مگر ایک شرط ہے....." اس نے اس کے بازوؤں سے اس کا ننھا بیٹا چھین لیا۔ "اسے تم اپنے ہاتھوں سے مارو گی۔"

"نہیں....." وہ تڑپ اٹھی بلک بلک کر رو، رو کر اس دہشت ناک عورت سے معافی مانگنے لگی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ..... تم ایک جادوگرنی ہو..... تمہیں انسان کا بچہ کبھی بھی پیدا نہیں کرنا۔" اس کی آواز خوفناک ہو چکی تھی۔

"پھر کیوں کیا تم نے ایسا..... کیوں دیوتاؤں کو خفا کیا..... تمہاری بغاوت میں بھگت رہی ہوں، دیوتاؤں کی ناراضگی کی صورت میں....."

"مجھے معاف کردو..... مجھے جو چاہے سزا دو، مگر میرے بیٹے کو کچھ نہ کہنا۔"

"تمہاری تو مجھے ابھی ضرورت ہے۔ میری جان..... دیوتاؤں کی رضا پانے کی ایک ہی صورت ہے جب میں تمہیں انہیں دان کردوں۔" "ہاں مگر یہ فالتو ہے۔ یہ میرے کسی کام کا نہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے اس ننھی جان کو مکھی کی مانند مسل دیا۔ یہ منظر کسی اور کی آنکھوں نے بھی دیکھا تھا۔

"نہیں....." دو چیخیں ایک ساتھ ابھری تھیں، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا وہ جادوگرنی اپنی بیٹی سمیت وہاں سے غائب ہوگئی تھی۔

وہ بھاگتا ہوا اپنے بیٹے کی لاش تک پہنچا۔ اس کا وجود دکھ سے ساکت ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ آخر کیوں نہ پتھرائیں؟ اس نے ان نگاہوں سے وہ حقیقت دیکھی تھی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سماعت نے جو سنا تھا اس کے بعد اسے کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اس کی تو دنیا ہی الٹ گئی۔ دنیا اندھیر ہونا کسے کہتے ہیں.....؟ اسے اب خبر ہوئی تھی۔

اس دن کے بعد سے وہ ہنسنا بھول گیا..... بولنا بھی بھول گیا..... اپنا آپ ہی بھول گیا۔ اسے نہ رات کی خبر تھی نہ دن کی۔ جیسے تیسے اس نے خود کو سنبھالا۔ اس کے دل میں آگ جل رہی تھی۔

انتقام کی آگ.....

اسے جنون ہو گیا تھا۔ اتنا بڑا دھوکا ہوا تھا اس کے ساتھ..... جس عورت سے اس نے بے انتہا محبت کی تھی..... وہ ایک جادوگرنی تھی۔ اتنا عرصہ وہ اپنی شناخت چھپائے اسے دھوکا دیتی رہی اور اب اس کے بیٹے کی جان لے لی تھی۔ اسے ہر صورت انتقام لینا تھا۔ وہ گاؤں سے کوچ کر گیا۔ اب یہاں بچا ہی کیا تھا۔

وہ ایک وچ ہنٹر کے پاس پہنچا اس سے جادوگرنیوں کا شکار سیکھا اس کی مدد سے وہ ان دونوں ماں بیٹیوں تک پہنچا۔ راستے کی صعوبتیں اور مشکلات اک الگ داستان ہے۔

اس نے اس کی ماں کو بے دردی سے اس کے

انجام تک پہنچایا اور اسے تو اس کا دل چاہتا تھا کہ ایسی سزا دے کہ اس کی روح صدیوں تک تڑپتی رہے۔

اس نے اسے ایک پہاڑی غار کی کھوہ میں قید کر دیا تھا۔ جس کے دھانے کو چاندی کی سلاخیں جن پر مقدس پڑھے گئے تھے گاڑ دیں۔

وہ چیختی رہی۔ منت سماجت کرتی رہی مگر اس کا دل پتھر ہو چکا تھا۔ اسے اس کی چیخوں کی، اس کے درد کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

اسے یقین ہی نہ آتا کہ گریگوری اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے؟ وہ تو اس کا دیوانہ تھا۔ اس کے بنا سانس بھی نہ لیتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی موت کے صدمے سے پتھر ہو چکا تھا۔ وہ اسے تنہا اس پہاڑی کھوہ میں قید کر کے جا چکا تھا۔ وہ تڑپتی رہی..... اسے پکارتی رہی..... دیوانگی سے اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے پلٹ آنے کا۔ اس کی راہ تکتی رہی۔ اس دیوانگی سے جس دیوانگی سے کبھی گریگوری نے اس کا انتظار کیا تھا۔ مگر وہ نہ پلٹا۔

آخر کار اس نے صبر کر لیا۔ انتظار کی جگہ غصے نے لے لی۔ غصہ انتقام میں بدل گیا۔ وہ دیوتاؤں کے آگے گڑگڑاتی رہی۔ اسے تباہ کرنے کے منصوبے بناتی رہی۔ اس انتظار میں رہی کہ کب وہ رہائی پائے گی اور کب ساری دنیا کو تہس نہس کر دے گی.....

اس پہلے شکار کے بعد تو گریگوری باقاعدہ شکار کرنے لگا تھا۔ اس کا دل بے رحم ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں نفرت بھری تھی۔ وہ اپنی نفرت کا نشانہ ہر ایک جادوگرنی کو بناتا رہا اور آخر مہان ماسٹر بن گیا۔

☆.....☆.....☆

"نہیں..... اس معصوم لڑکی کی دلدوز چیخ دونوں کو حال میں واپس لے آئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی آ کر ایک وچ سے لپٹ گئی۔

"ماں....." وہ رو رہی تھی۔ گریگوری نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میری بیٹی....." بلیک وچ نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"تمہاری بیٹی.....؟" گریگوری نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ہاں..... ہماری بیٹی۔ گریگوری ہماری بیٹی....." اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"یہ..... یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کی حیرت کم ہونے میں ہی نہ آ رہی تھی۔

"جب تم بے دردی سے مجھے قید کر گئے تھے تب یہ میری کوکھ میں تھی۔ اس دردناک قید کے ماہ و سال اس نے میرے ساتھ ہی گزارے۔"

"کیا.....! یہ نہیں ہو سکتا..... میں اتنا ظالم..... سنگدل کیسے ہو سکتا ہوں؟ اس قدر ظلم کیا میں نے تم پر..... اپنی بیٹی پر۔" وہ رو دیا۔

وہ لڑکی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سب سے زیادہ نقصان تو اس کا ہوا تھا۔ پہلی سانس ہی قید میں لی۔ رہائی ملی تو ماں اور باپ دونوں کو اپنی آنکھوں سے تڑپتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

گریگوری کو یاد آ رہا تھا کہ..... وہ بے قصور تھی..... وہ تو اپنی ماں سے بغاوت کر کے آئی تھی..... اس کے لئے..... اس نے تو کوئی دھوکا نہیں دیا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ اس کی ماں نے اس کے بیٹے کو مارا تھا..... اس نے تو نہیں..... ایک بیٹے کو اس سے چھین لیا گیا تھا..... اور بیٹی..... بیٹی کو خود اس نے بغیر کسی قصور کے قید میں جھونک دیا تھا۔

"اوہ..... یہ میں نے کیا کر دیا..... اپنے ہی ہاتھوں اپنا خاندان تباہ کر دیا..... کاش..... کاش! میں نے ہوش سے کام لیا ہوتا..... دھوکا تو میں نے دیا تھا..... اسے..... ظلم تو میں نے کر دیا تھا۔" وہ پچھتا رہا تھا۔ اب جب کہ وہ مرے جا رہا تھا تو پچھتاوؤں کا بوجھ سینے پر دھر لیا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو پہلی اور آخری بار سینے سے لگانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔

"میری بیٹی.....!" اس نے اپنی بانہیں وا کر دی

تھیں اور وہ جو پہلی بار اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ زبان جیسے گنگ ہوگئی تھی۔ نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"یہ کیا کیا آپ نے.....؟ کیوں کیا ایسا؟" وہ سوال کررہی تھی اور کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"مجھے خبر ہوتی تو میں آپ کو روک لیتی..... ماں کو روک لیتی۔"

"ماں.....! تم نے مجھے اپنے باپ سے بے خبر کیوں رکھا؟ اب ہم اتنے عرصے بعد ملے بھی تو یوں، ان حالوں میں..... تم بھول جاتیں..... معاف کردیتیں تو ہم پھر سے نئی زندگی شروع کرتے عام لوگوں کی سی زندگی....." وہ تڑپ رہی تھی، بلک رہی تھی، پچھتا رہی تھی کہ اپنے ماں باپ کو روک نہ پائی۔ پچھتا تو وہ دونوں بھی رہے تھے۔ سب سے زیادہ پچھتاوا تو گریگوری کو تھا۔

جیک، راڈرک اور لڑکا بھی ان کے قریب آچکے تھے۔ گریگوری نے لڑکے کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم بہت بہادر ہو..... معاف کرنا دوست..... میں تمہیں نالائق سمجھتا رہا۔"

"کوئی بات نہیں ماسٹر..... آپ ٹھیک ہوجائیں بس۔ میں آپ کی ڈانٹ خوشی سے سنوں گا۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ یہ میری آخری مہم ہوگی۔ اب میری جگہ تم لوگے۔" ماسٹر نے لڑکے سے کہا۔ "میں.....؟" اس کی آواز کپکپا گئی۔

"ہاں تم..... معاف کرنا میں نے تمہارا نام جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

میرا کوئی نام نہیں..... جس کا جو دل چاہتا ہے وہ پکارتا ہے۔ آپ بھی جو مرضی پکار سکتے ہیں۔"

"میں تمہیں کہوں گا..... گریگوری..... ڈبل جی۔"

"اس سے بڑھ کر میرے لئے اعزاز کی بات اور کیا ہوگی؟" لڑکے نے کہا۔

"اور میری بیٹی کا نام کیا ہے؟"

"ایسل....."

"ایسل....." ماسٹر نے دہرایا۔ "ایسل کا ہاتھ تھام لیا۔ "گریگوری.....!" اور لڑکے کا ہاتھ تھام لیا۔ ماسٹر کا مطلب سمجھ کر ایسل کی ماں زالیکا مسکرادی۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟" ماسٹر نے زالیکا کو مخاطب کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلادیا۔ ماسٹر نے ایسل کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں تھمادیا۔ ایسل کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا تھا۔

"میں نے اپنی سب سے قیمتی چیز تمہیں سونپی ہے گریگوری..... یہ معصوم ہے اس کی حفاظت کرنا۔" لڑکے نے سر ہلادیا۔ اور ایسل کی جانب دیکھا جو نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"اور یہ میری بیٹی کے لئے ایک حقیر سا تحفہ جو تمہیں میری یاد دلائے گا۔" ماسٹر نے اپنے گلے سے ایک چین اور لاکٹ اتار کے ایسل کو تھمایا۔ یہ وہی لاکٹ تھا جو زالیکا نے گریگوری کو دیا تھا۔

ماسٹر نے زالیکا کو دیکھا جو نقاہت سے آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ جھریوں سے بھر چکا تھا۔ سیاہ زلفیں سفید اور بدرنگ ہوچکی تھیں۔ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔ کھال سکڑ چکی تھی۔ وہ انتہائی بدصورت بڑھیا میں بدل چکی تھی۔ اس کی جانب نگاہ اٹھانا بھی دل گردے کا کام تھا۔ اس کا مصنوعی اور جادوئی حسن اپنی موت آپ مر چکا تھا۔

"کیا اب..... بھی..... تم..... مجھ سے محبت کرتے ہو.....؟" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے ماسٹر سے پوچھا۔

"ہاں..... اب بھی..... اور ہمیشہ کرتا رہوں گا..... اگلی زندگی میں بھی۔"

"اور میں بھی۔" اس نے جواباً کہا اور آخری سانس لی۔ ادھر ماسٹر نے آخری سانس لی۔ ساتھ جینے کے وعدے تو وفا نہ ہوسکے مگر ایک ساتھ مرنے کا وعدہ دونوں نے نبھایا تھا۔

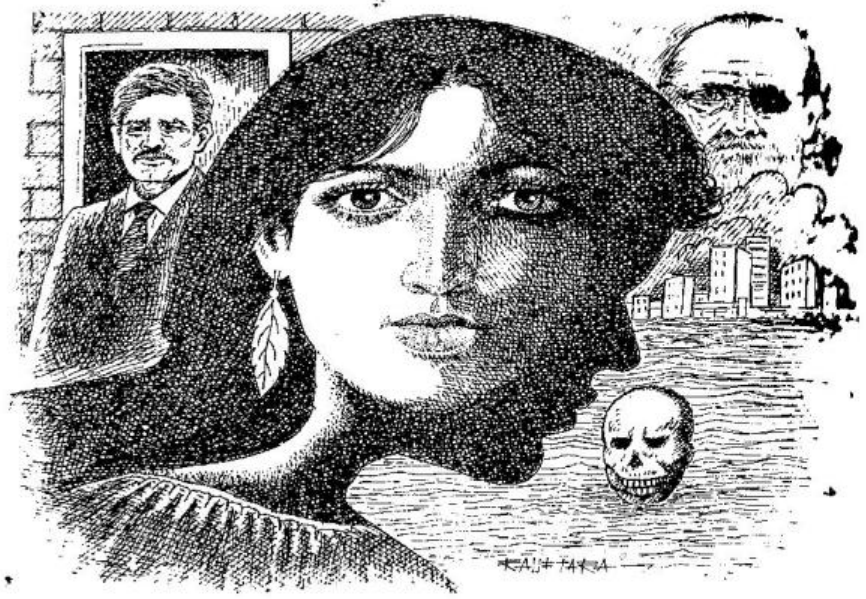

شکار

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اچانک نوجوان نے سانس اندر کی جانب کھینچا اور اسپرے پمپ کی نالی ہیولے کی طرف کردیا اور ہینڈل دبادیا تو نووارد کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پھر اس کی فلک شگاف چیخ نے قرب و جوار کو دھلا کر رکھ دیا۔

دوسروں کے مشورے پر دھیان نہ دینے والے گھاٹے میں رہتے ہیں، سبق آموز کہانی

وہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بیٹھا پھلوں سے صبح کا ناشتہ کررہا تھا۔ جس جگہ وہ بیٹھا وہاں سے شیکران اور صنوبر کے درختوں میں گھری ہوئی سڑک صاف نظر آتی تھی۔ اس کے اردگرد سلیٹی اور بھورے رنگ کی بے شمار چھوٹی چھوٹی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں جن کے اوپر جابجا سرخ کائی جمی ہوئی تھی۔ بظاہر وہ اونگھتا محسوس ہورہا تھا تاہم وہ بیدار اور چاق و چوبند تھا۔ اس کی آنکھیں پوری کھلی تھیں اور کان کسی متوقع آواز پر لگے ہوئے تھے۔ قرب و جوار میں حشرات الارض اور پرندوں کی ہم اقسام آوازیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے لیے یہ خوب صورت آوازیں نغمہ سحری سے کم نہ تھیں۔ جھیل کے شمال میں واقع اس کنج تنہائی میں شکاریوں کی آمد اب تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

دس بجکر پانچ منٹ اس نے ایک اسٹیشن ویگن کو

اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس نے رومال سے منہ صاف کیا اور پتلون جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اسٹیشن ویگن گھنے درختوں والے حصے کی طرف مڑ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی خوشی نمودار ہو گئی اس نے جیب سے رومال نکالا اور اسے مخالف کونوں سے پکڑ کر گھمانے لگا۔ یہاں تک کہ رومال پتلی رسی کی مانند ہو گیا۔ یعنی اب رومال سے گلے میں پھندا لگایا جا سکتا تھا۔

چہرے سے وہ ایک نرم مزاج اور رحم دل آدمی نظر آتا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات پرسکون اور ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ اس کی چال میں کسی پہاڑی بکرے کی سی تیزی اور توازن پایا جاتا تھا۔ آنکھوں میں مخصوص چمک جھلک رہی تھی۔

اسٹیشن ویگن درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے رک گئی۔ انجن بند ہو گیا اور اندر سے ایک تیس بتیس سالہ خاتون باہر آ گئی وہ خاصے پرکشش چہرے اور جسم کی مالک تھی۔ اپنے بدن کے گداز پن کی وجہ سے اپنی عمر سے چھوٹی نظر آتی تھی۔ اس نے ہلکے رنگ کی چست پتلون پہن رکھی تھی جو اس کے کولہوں کی فربہی کو نمایاں کر رہی تھی۔ جسم پر خاکی رنگ کا بلاوز تھا جس کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بھورے بال پونی ٹیل کی شکل میں سرخ ربن سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک انگڑائی لی اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پتوں کے درمیان سے چھن کر آتی ہوئی روشنی اس کے چہرے اور لباس پر بیل بوٹی بنا رہی تھی۔ گذشتہ رات کی بارش کی وجہ سے صبح کی ہوا خاصی ٹھنڈی تھی۔ ارد گرد پودوں اور درختوں پر پرندوں اور درندوں کی آوازیں اور سرسراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھولوں والے خودرو پودے بھی کافی تعداد میں دیکھے جا سکتے تھے۔ مجموعی اعتبار سے وہ ایک پرکیف اور خوبصورت جگہ تھی۔

خاتون کے لئے یہ خاصا خوشگوار لمحہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی جنگل کی زندگی ختم ہونے والی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک بار پھر وہ شہر کے ہنگاموں میں لوٹ جائے گی۔ اس نے اگلی سیٹ پر رکھا ہوا چرمی بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ پھر اس نے اسٹیشن ویگن کا پچھلا حصہ کھولا اور وہاں سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈبہ نکال کر اس کی چیزوں کا جائزہ لیا۔ ڈبے کے اندر روئی اور کیڑے مکوڑے مارنے والے زہر کی شیشی رکھی تھی۔ اس ڈبے کو اچھی طرح بند کر کے اس نے بیگ میں ڈال لیا پھر مارٹینی سے بھرا ہوا تھرماس اور سینڈوچ کا پیکٹ بھی بیگ میں رکھ لیا۔ آخر میں اس نے تتلیاں پکڑنے والی جالی نکالی اور اسے ہوا میں لہرا کر دیکھا۔

آج بھی اسے اپنی کامیابی کی کوئی زیادہ امید نہیں تھی۔ تاہم اس تکلیف دہ یکسانیت میں ضرور کچھ کمی کی توقع تھی جو ایک کسان کی بیوی کا مقدر ہوتی ہے۔ خصوصاً نیو انگلینڈ کے کسان کی بیوی کا۔ اس کا شوہر دولت مند ضرور تھا لیکن انتہائی سرد مزاج اور بے کیف تھا۔ اس کی زندگی ایک مخصوص سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

اس کی ساری دلچسپیوں کا مرکز کھیتی باڑی تھا۔ وہ کم گو اپنے اصولوں کا سخت پابند اور تکلیف دہ حد تک سنجیدہ تھا۔ تاہم اس نے اپنی بیوی کو آسودگی اور فراغت کی ہوئی تھی۔ جو اسے پہلے میسر نہیں تھی۔ لہٰذا اس کے لئے شکایت کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن انسان تو انسان ہی ٹھہرا کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا جو میسر ہو اس سے لطف اندوز نہیں ہوتا اور جو نہیں ہو اس پر نظر رکھتا ہے۔

خاتون نے شکاری نظروں سے فضا کا جائزہ لیا۔ ایک شوخ پیلے رنگ کی تتلی سامنے سے گزرتی دکھائی دی۔ خاتون نے بٹر فلائی نیٹ لہرائی اور اس کے پیچھے بھاگی۔ اس کی آنکھوں میں جو چمک پائی جاتی تھی وہ صرف شکاریوں کے لیے مخصوص تھی۔ ایک بجے تک وہ تتلیوں کے پیچھے بھاگ دوڑ کرتی رہی پھر سائے میں بیٹھ کر سینڈوچ کھانے لگی۔ کھانے کے بعد اس نے مارٹینی کے چند گھونٹ پیے اور درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر ستانے لگی اس نے اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

ایک شخص جنگلی گلاب کی اوٹ میں بیٹھا خاتون کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی روز سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ادھر خاتون بھی باقاعدہ وہاں آ رہی تھی اس

نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی تھی کہ خاتون جسمانی اعتبار سے خاصی مضبوط اور چست ہے اسے مغلوب کرنا خاصا مشکل تھا کیونکہ وہ دبلا پتلا اور کمزور آدمی تھا۔ خاتون کو وہاں آنے سے باز رکھنے کے لئے دو ہی طریقے تھے یا تو اس پر غفلت میں وار کر کے اسے ہلاک کر دیا جائے یا اسے اتنا زیادہ خوفزدہ کر دیا جائے کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ اس علاقے کے لوگ توہم پرست تھے اور ذرا سی بات کو بھوت پریت کی طرف منسوب کر دیتے تھے لیکن اس عورت کو خوفزدہ کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ وہ کئی لمحوں تک چھپ کر اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سو رہی ہے۔

وہ اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا اور دبے پاؤں چلتا ہوا اس درخت کے پیچھے پہنچ گیا جس کے ساتھ وہ عورت ٹیک لگائے پڑی تھی۔ چند لمحوں تک وہ سانس روکے درخت کے پیچھے کھڑا رہا۔ اس کے کانوں میں عورت کے سانس لینے کی متوازن آواز آ رہی تھی۔ اس نے ریشمی رومال کے پھندے کو مضبوطی کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر عورت کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کا منہ عورت کے بالوں کو چھو گیا۔ جن میں سے سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ لمحے بھر کے لیے اسے اپنے فعل پر تھوڑی سی ندامت بھی ہوئی اس نے پہلی مرتبہ ایک عورت کے گلے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، اور وہ بھی ایک خوبصورت اور گداز بدن عورت کے گلے کی طرف۔

دفعتہً اسے یوں محسوس ہوا کہ زمین آسمان اور درخت گردش میں آ گئے ہیں لیکن درحقیقت وہ خود گردش میں آ گیا تھا۔ وہ زمین سے کئی فٹ اونچا اچھل کر دوبارہ زمین پر پہنچ گیا۔ لیکن اب وہ اپنے پیروں پر نہیں کھڑا تھا۔ چاروں شانے چت پڑا تھا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے۔ کمر حرکت کرنے کے قابل نہیں رہی تھی اور حواس خمسہ وقتی طور پر معطل ہو گئے تھے۔ ایک طویل لمحے کے بعد وہ کراہتا ہوا بیٹھ گیا سب سے پہلے اس کی نظر خاتون کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر پڑی۔ وہ حسب سابق مطمئن انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے کہا۔ "تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ تمہیں چوٹ تو نہیں لگی۔"

وہ اپنے کپڑوں سے گرد اور پتے جھاڑتا ہوا بولا۔ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ چوٹ تو یقیناً لگی ہے لیکن اس بات کا اندازہ ایکسرے کے بعد ہی ہو گا کہ کتنی ہڈیاں ٹوٹی ہیں۔

عوت کی مسکراہٹ کشادہ ہو گئی۔ "زندگی میں پہلی مرتبہ جوڈو استعمال کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ فن آج کل لڑکیوں میں بہت مقبول ہو رہا ہے۔" پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ "لیکن تم کون ہو اور تمہاری حرکت کا مقصد کیا تھا؟"

"میرا نام ہارڈی ہے۔ میرے ایک دوست نے یہاں ملنے کا وقت دیا تھا۔ میں سمجھا کہ تم میرے دوست ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری نیند خراب کی۔"

"میرا نام بابرا ہے۔" خاتون اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "اور میرا خیال ہے کہ تم مجھے ہی تلاش کر رہے تھے۔"

"کیا؟" ہارڈی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"شکر یہ، میرا خیال ہے کہ مجھے چلنا چاہیے۔"

بابرا نے تھرماس کے ڈھکنے میں شراب انڈیل کر ہارڈی کی طرف بڑھائی۔ "یہ چیز تمہاری طاقت بحال کرنے میں مفید ثابت ہو گی۔"

ہارڈی نے شراب کا کپ لیا اور ہولے ہولے چسکیاں لینے لگا۔ ابھی تک وہ اس عورت کے بارے میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔

"مجھے تجسس اس جنگل میں کھینچ لایا ہے۔" بابرا نے مزید کہا۔ "آس پاس کے قصبوں میں اس جنگل کے بارے میں بڑی پراسرار باتیں مشہور ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس جنگل پر آسیب کا سایہ ہے۔

گذشتہ چند ماہ کے دوران یہاں تین آدمی پراسرار طریقے پر ہلاک ہو چکے ہیں۔" اس نے سگریٹ اور کش لینے کے بعد بولی۔ "ان اموات کے بارے میں کئی قسم کی باتیں مشہور ہیں لیکن میرا اندازہ بالکل مختلف ہے۔"

"اچھا!" ہارڈی کے چہرے پر حیرت نمودار ہوگئی۔

"ہلاک ہونے والے لوگ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے تھے مگر ان میں کئی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ تینوں یہاں تتلیوں کا شکار کرنے آئے تھے۔ تینوں کی موت بھی تقریباً ایک ہی انداز میں ہوئی تھی۔ دو شکاری تو اس زہر کی بو سے ہلاک ہوئے تھے جو وہ تتلیوں کو مارنے کے لئے لائے تھے۔

"اس قسم کا زہر تمہارے پاس بھی ہے۔" ہارڈی کھلے ہوئے ڈبے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"ہاں، یہ وہی زہر ہے۔" بابرا نے کہا..... "خاصا خطرناک زہر ہے۔ اگر انسان پانچ منٹ تک اسے سونگھ لے تو ہلاک ہوجاتا ہے۔ شیرف کی رپورٹ کے مطابق دو شکاریوں نے اتفاقی حادثے کے نتیجے میں زہر کی بو سونگھ لی تھی۔ ایک تو ٹھوکر لگنے سے گر کر بے ہوش ہوگیا تھا۔ زہر کی بوتل پتھر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی تھی اور سارا زہر اس کے سر کے آس پاس پھیل گیا تھا۔ دوسرا شخص سر کے قریب زہر کی بوتل رکھ کر سو گیا تھا۔ اس دوران میں کسی جانور نے بوتل کو گرا کر توڑ دیا۔"

"اور تیسرا شکاری؟" ہارڈی نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا تھا۔ بعض سمجھدار لوگوں نے مختلف قسم کے خدشات کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر شیرف بہت سادہ لوح آدمی ہے اس نے تمام خدشات کو بے بنیاد قرار دیا تھا۔"

"اور تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال بہت مختلف ہے۔" پھر وہ پرخیال نظروں سے پھولوں کے پودے کی طرف دیکھنے لگی جہاں چند رنگ برنگی تتلیاں اڑتی پھر رہی تھیں..... "کتنی پیاری لگتی ہیں یہ تتلیاں! نرم و نازک۔"

"وہ جو کہتے ہیں کہ ہاتھ لگانے سے رنگ میلا ہوتا ہے وہ ان تتلیوں پر صادر آتا ہے۔ ذرا سا ہاتھ لگانے سے ان کا رنگ اتر جاتا ہے۔ یہ قدرت کی نازک ترین اور حسین ترین مخلوق ہے۔ یہ صرف پھولوں کے اوپر اڑتی پھرتی ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"مجھے تمہارے خیالات سے سو فیصدی اتفاق ہے۔" بابرا نے کہا۔

لیکن ہارڈی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ بابرا کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا وہ شک آمیز نظروں سے بٹر فلائی نیٹ اور زہر کی بوتل کی طرف دیکھنے لگا۔ بابرا بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"خدا نے کسی چیز کو بلاضرورت پیدا نہیں کیا۔ ہر شے کی اپنی ایک انفرادیت اور افادیت ہے۔ خواہ وہ پھولوں کے گرد منڈلانے والی تتلی ہو یا افریقہ کے جنگل میں چنگھاڑنے والا ہاتھی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ انسان جانوروں کی صحت اور سلامتی کو تسلیم کرنا شروع کردیا ہے اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہر ملک میں جانوروں کے ڈاکٹر اور انسداد بے رحمی حیوانات کے محکمے موجود ہیں۔ میرے خیال میں جو شخص بلا جواز کسی جانور کو ہلاک کرتا ہے وہ قتل عمد کا ارتکاب کرتا ہے اس کی وہی سزا ہونی چاہیے جو ایک قاتل کی ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میرے خیالات سے پورا اتفاق ہوگا۔"

"معلوم نہیں تم یا کہنا چاہتی ہو۔" ہارڈی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ میں کہنا چاہتی ہوں کہ اس جنگل میں ہلاک ہونے والے تین شکاریوں کی موت کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں تھی۔ ان تینوں کو قتل کیا گیا تھا۔"

ہارڈی آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورنے لگا وہ اس عورت کی ذہانت پر دہشت زدہ رہ گیا تھا۔

"بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان شکاریوں کو سزائے موت دی گئی تھی یعنی انصاف کا تقاضا پورا کیا گیا تھا اور میں بھی ہوں کہ تم نے نہایت عمدگی سے اس کارروائی کو سرانجام دیا تھا۔"

"میں نے؟" ہارڈی نے ہولے سے کہا۔

"اوہ ہاں۔ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں۔ مجھے اس علاقے میں آئے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ جب میں شہر میں تھی تو انسداد بے رحمی حیوانات کی کئی تنظیموں اور انجمنوں کی رکن تھی۔ ہم نے جانوروں کی

بے مقصد قتل و غارت کے خلاف بہت کام کیا ہے۔ اب اگر میرا کسی تنظیم سے تعلق نہیں مگر میں اپنے طور پر کوشش کرتی رہتی ہوں۔" بابرا نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ "اس بات سے بری کوئی چیز نہیں کہ ایک جاندار کو بے مقصد جان سے مار دیا جائے۔ خون کا بدلہ خون کی قائل ہوں۔"

"اور ہونا بھی یہی چاہیے۔" ہارڈی نے کہا۔ پھر وہ ایک دم چونک کر بٹر فلائی نیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ "لیکن تم بھی تو تتلیاں پکڑنے یہاں آئی ہو۔"

بابرا نے مسکراتے ہوئے نیٹ کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ "میں تتلیاں پکڑنے نہیں آئی۔ یہ نیٹ تو تم سے رابطہ قائم کرنے کا ایک ذریعہ تھا سو وہ پورا ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ جس شخص نے تین شکاریوں کو ہلاک کیا ہے وہ یہ نیٹ دیکھ کر ضرور مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اور اس طرح ہم اکٹھے مل کر کام کرسکیں گے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" ہارڈی نے کہا.....

"یہ ایک قسم کا پھندا معلوم ہوتا ہے۔ تم مجھے پھنسانا چاہتی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ہارڈی میں بالکل سچی بات کررہی ہوں مجھے تمہارے طریقے کار نے بہت متاثر کیا ہے میں تمہارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتی ہوں۔ گو میں جوڈو جانتی ہوں لیکن کسی انسان کو قتل نہیں کرسکتی۔"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم میرے ساتھ دھوکا نہیں کروگی؟"

"چند ملاقاتوں کے بعد تمہیں خود بخود میری بات پر یقین آجائے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" ہارڈی نے کہا..... "کل اسی جگہ پر اور اسی وقت دوبارہ ملاقات ہوگی۔" کچھ دیر بعد بابرا اسٹیشن ویگن میں بیٹھ کر رخصت ہوگئی۔

اگلی صبح ہارڈی حسب معمول چھپ کر بابرا کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ کوئی سازش کررہی ہے تو ضرور کوئی شخص اس کی نگرانی کررہا ہوگا۔ لیکن اگلی صبح وہ اکیلی ہی آئی تھی اس کے پیچھے دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ دونوں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

یہ ملاقاتیں کئی دن تک ہوتی رہیں یہاں تک کہ ہارڈی پوری طرح بابرا پر اعتماد کرنے لگا۔ ایک روز بابرا نے اسے مری ہوئی لال چڑیا دکھائی.....

"جانتے ہو یہ چڑیا کس طرح ہلاک ہوئی ہے؟" اس نے کہا۔ "یہ ان زہریلی دواؤں کے باعث ہلاک ہوئی ہے جو کسان اپنے کھیتوں کے رد گرد گھڑکتے ہیں۔ ان زہریلی دواؤں کی وجہ سے ہر سال ہزاروں خوب صورت پرندے اور تتلیاں ہلاک ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس سلسلے میں ذرا سی احتیاط سے کام لیا جائے تو اس قتل عام کی نوبت نہ آئے۔ ان لاپرواہ کسانوں کے مقابلے میں ان شکاریوں کا جرم بہت معمولی ہے جو جنگل میں تتلیوں کا شکار کرتے ہیں۔"

ہارڈی نے مٹھیاں بھینچ لیں اور اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ "میں ان لاپروہ کسانوں کو چن چن کر ختم کردوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ہمیں نہایت احتیاط کے ساتھ منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ میں اس کام میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ میں ان لوگوں کے معمولات سے بخوبی آگاہ ہوں میں تمہیں بتاؤں گی کہ کب اور کس طرح چوٹ لگانی چاہیے۔"

"او خدا....." ہارڈی نے کسی سحر زدہ انسان کی طرح کہا۔ "یہ لوگ ایک دو کے نہیں ہزاروں خوبصورت اور بے ضرر پرندوں کے قاتل ہیں۔ سنو یہ ہوا انتقام کا نغمہ الاپ رہی ہے۔"

اگلی صبح ہارڈی ایک اسٹور بیچ شیڈ کے اندر گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اس وقت صبح کے پانچ بجے تھے اور شیڈ کے اندر مکمل تاریکی تھی اس کے اردگرد زراعت کے آلات، کھاد اور بیج کی بوریاں اور کچھ شکستہ پیٹیاں پڑی تھیں۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کا ایک بکس رکھا تھا جس کے اندر جراثیم کش دوائیں اور چھوٹے بڑے اسپرے پمپ پڑے تھے۔ ایک پمپ کے اندر پیراتھیون نامی دوائی تھی جو کیریے مکوڑوں کے علاوہ انسانوں کے لئے بھی انتہائی مہلک تھی ہارڈی اس پمپ کے اوپر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

چند لمحوں کے بعد شیڈ کے باہر سے مرغ کی بانگ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی شید کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ ہارڈی نے اسپرے پمپ مضبوطی کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس کا رخ آنے والے کی طرف کر دیا اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ شخص کون تھا۔ وہ جو کوئی بھی بالواسطہ ہزاروں پرندوں کے قتل میں ملوث تھا اور جیسا کہ بابرا نے کہا تھا یہ تو ابتدا تھی رفتہ رفتہ ایسے تمام لوگوں کی باری آنے والی تھی۔

لمحہ بھر کے بعد تاریکی میں ایک شخص کا دھندلا سا ہیولہ نمودار ہوا۔ ہارڈی نے سانس اندر کی طرف کھینچا اور اسپرے پمپ کی نالی اس ہیولے کی طرف کر کے ہینڈل دبایا۔ اسے دیکھتے ہی نو وارد کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پمپ سے نکلنے والی مہلک دوائی سیدھی اس کے منہ میں داخل ہو گئی۔ وہ چیختا ہوا الٹے پاؤں واپس بھاگا لیکن چند قدم جانے کے بعد ہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ہارڈی اس کے سر پر پہنچ گیا اور عملی طور پر اسے مہلک دوائی سے تر بتر کر دیا۔

بابرا نشست گاہ میں اداس اور دم بخود بیٹھی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ شیرف ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سوگوار بیوہ کا غم ہلکا کرنے کا کوئی طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کافی کا آخری گھونٹ بھرنے کے بعد کپ میز پر رکھ دیا۔

"میں اس دیوانے کو قصباتی جیل بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تم اسے کہیں بھی بھیج دو۔" بابرا نے کہا۔ "میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"مجھے احساس ہے۔ ہم تمہارا نقصان پورا نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پیراتھیون کے چند قطرے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔"

"اور میرے شوہر کو تو اس نے اس دوا میں تقریباً ڈبو دیا تھا معلوم نہیں کیسا دیوانہ شخص ہے۔"

"بہر حال تمہاری بروقت کارروائی سے ہم اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مگر نشانہ بہت اچھا ہے۔ گولی اس کی ٹانگ پر لگی ہے۔ اگر دل یا سر پر لگتی تو وہ ختم ہو جاتا اور یہ اس کے لئے بڑی آسان موت ہوتی۔"

"ڈیرل کا خیال تھا..... کہ شیڈ کے اندر کوئی چور گھسا ہوا ہے۔" بابرا نے کہا۔ "لیکن اس نے غلطی یہ کی کہ خالی ہاتھ اندر چلا گیا۔"

"غالباً وہ چوری کے ارادے سے ہی اندر گھسا تھا۔ حالانکہ شکل و صورت سے ایسا نہیں لگتا۔ شناختی کاغذات کے مطابق وہ لیک وائل میں پروفیسر ہے۔"

"وہ..... وہ ضرور کوئی جنونی شخص ہے۔" بابرا نے ہولے سے کہا۔ "میں اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"انسان کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ وہ کسی وقت بھی خطرناک روپ اختیار کر سکتا ہے۔" شیرف نے اداس لہجے میں کہا۔

بابرا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ ڈیرل مر چکا ہے۔"

"بہت اچھا آدمی تھا۔" شیرف نے کہا۔ "روزانہ بارہ گھنٹے کام کرتا تھا۔ کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑا ہے۔"

بابرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ فارم اور بینک بیلنس کے علاوہ پچاس ہزار ڈالر کی انشورنس بھی تھی۔ اس نے سوچا وہ فارم ہاؤس بیچ دے گی اور پارک ایونیو کے کسی خوبصورت اپارٹمنٹ میں منتقل ہو جائے گی۔ اب اس کے لئے ٹی وی ڈراموں میں کام حاصل کرنا بھی مشکل نہیں ہو گا۔ اس نے سر جھکا لیا اور رونے لگی۔

شیرف نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور بولا۔ "کوئی بات نہیں رونے سے بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

اس کے جانے کے بعد بابرا آنسو پونچھتی ہوئی سوچنے لگی کہ اسے کام حاصل کرنے میں یقیناً کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ آج کے دن نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک بہترین اداکارہ ہے۔

پراسرار آنکھیں

نینا خان۔ کراچی

شاہ صاحب کی آواز سنائی دی، میں نے خبیث بدروح کو قبر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید کر دیا ہے، اب لڑکی کے بال سمندر میں ڈالنا ہوں گے اور لڑکی کو کچھ دن حصار میں روکنا ہوگا تاکہ.....

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ..... اور ذہن سے محو نہ ہونے والی..... لرزہ براندام کہانی

"Hello سارا تم نے کل کی تیاری کر لی ہے۔ میں تو بہت Excited ہوں کل کی پکنک کے لئے۔" کرن نے موبائل فون پر سارا سے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"سچ کہوں کرن میں بھی بہت خوش ہوں کل ہم کالج پکنک پر جائیں گے خوب انجوائے کریں گی۔ اور ہاں میں تو اپنا ڈیجیٹل کیمرہ بھی چارج کر کے بیگ میں رکھ لیا ہے۔ ہر ایک منظر کی تصویر لوں گی۔ تجھے پتا ہے کہ مجھے تاریخی اور مشہور مقامات کی تصویریں لینا اور اس کا البم تیار کرنا کتنا پسند ہے۔"

سارا کی بات سن کر کرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اور تمہارا یہ شوق اپنی ویز اپنے یہ شوق کل پورے کر لینا۔ چل ٹھیک ہے۔ پھر کل کالج وین میں ملتے ہیں اور پکنک کو خوب انجوائے کرتے ہیں۔" کرن

کی بات پر ہنستے ہوئے سارا بولی۔
"Ok خدا حافظ"

☆.....☆.....☆

"سارا ناشتہ تو ٹھیک سے کرلو۔ بس بھاگنے کی اتنی جلدی ہے۔ چلو بیٹھو کرسی پر اور پہلے ٹھیک سے کچھ کھالو۔" ثوبیہ بیگم نے بیٹی کو لاڈ سے کرسی پر بیٹھاتے ہوئے کہا۔

"ماما بس مجھے جلدی کالج جانا ہے اور پکنک وین میں بیٹھنا ہے ماما آج کی پکنک اپنی زندگی کی سب سے یادگار پکنک بنانے والی ہوں میں۔ خوب انجوائے کروں گی اور خوب تصویریں لوں گی میں۔"

"ہاں ہاں لے لینا خوب ساری تصویریں پہلے کچھ کھا تو لو بیٹا۔" اعجاز احمد نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تو زارا بولی۔

"کاش میں بھی آپ کے کالج میں ہوتی اور آپ کی کلاس میں ہوتی تو آج میں بھی آپ کے ساتھ پکنک پر جاتی۔"

"اچھا ہی ہے کہ تم ابھی اسکول میں ہو اور مجھ سے چھوٹی ہو ورنہ میں تو ٹھیک طرح سے اپنی پکنک انجوائے بھی نہیں کر پاتی۔"

"آپی آپ ہمیشہ ہی ایسا کرتی ہیں کبھی مجھے اپنے ساتھ کہیں لے کر نہیں جاتیں۔ خود اکیلے اکیلے انجوائے کرتی ہیں۔ کبھی آئسکریم کھانے جاتی ہیں تو کبھی پارٹیز میں۔ دیز از ناٹ فیئر آپی۔"

سارا ہنستے ہوئے زارا کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئی پیار میں بولی۔

"پہلے بڑی تو ہو جاؤ۔ پاپا پلیز مجھے جلدی سے کالج لے چلیں۔"

OK میں کار نکالتا ہوں۔ تم اپنا بیگ لے کر آجاؤ باہر۔"

ثوبیہ بیگم نے بیگ اٹھا کر دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اپنا بہت خیال رکھنا۔" سارا کی ماما نے کہا۔ "اور ہاں کال کر کے اپنی خیریت بتاتے رہنا۔"

"اور زارا کو پیار کرتے ہوئے سارا نے کہا۔

"ڈونٹ وری ماما میں اپنا خیال رکھوں گی۔ خدا حافظ۔!"

☆.....☆.....☆

کالج وین میں کرن کے برابر میں بیٹھتی ہوئی سارا نے سب کو ہائے کرتے ہوئے بولی۔

"ہائے فرینڈز! سوری آئی ایم لیٹ....."

"ہم تو سمجھے کہ ہمارے کالج کی سب سے خوبصورت لڑکی آج آئے گی ہی نہیں۔" رمیز نے کہا تو عمران نے بھی اس کی تائید کی۔

"ایسا کیسے ممکن ہے کہ کالج پکنک ہو اور میں نہ آؤں۔" سارا بولی۔

"تو نے اتنی دیر کہاں لگا دی کب سے ہم تینوں تیرا ویٹ کر رہے تھے۔" کرن نے منہ بناتے ہوئے کہا تو سارا بولی۔

"یار تم تینوں کو پتا تو ہے کہ ماما پاپا کتنے کیئرنگ ہیں۔ جب تک میں ٹھیک سے ناشتہ نہ کرلوں گھر سے نکلنے ہی نہیں دیتے اچھا اب تو میں آ گئی ہوں نا۔ اب تو تم تینوں اپنا موڈ ٹھیک کرلو۔"

"ہم چاروں بچپن سے ایک ساتھ ہیں ایک گروپ ہیں۔ کوئی بھی ایک نہ ہو ہمارے گروپ میں تو سب کچھ ادھورا سا لگتا ہے۔" عمران نے کہا تو چاروں ہنسنے لگے۔

"کرن، سارا، عمران اور رمیز چاروں بچپن کے دوست تھے ایک ساتھ اسکول میں پڑھے اور اب کالج لائن میں بھی ایک ساتھ اچھے دوستوں کی طرح تھے۔ عمران کی دلچسپی بچپن سے ہی سارا میں تھی۔ سارا خوبصورت لڑکی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مزاج کی مالک بھی تھی۔ ہر کسی کا دل جیتنے کا ہنر اسے آتا تھا۔ اپنے ماں باپ کی بھی چہیتی تھی۔ ہنسنا بولنا ہر ایک سے گھل مل جانا اس کی عادت تھی۔ سب سارا سے خوش تھے، سارا کو بچپن سے ہی تاریخی مقامات پر جانے اور ان کی تصاویر جمع کرنے اور البم بنانے کا شوق تھا۔ اس کے پاس تاریخی

مقامات کے بہت سے البم جمع ہو گئے تھے۔ اب اس کے اس شوق کی وجہ سے اس کے ساتھ ساتھ اس کے دوست بھی بہت خوش تھے۔

کالج وین رواں دواں تھی اپنی منزل کی جانب میوزک لگا کر کالج کے لڑکوں کے ساتھ ساتھ سر طاہر بھی خوب اچھل کود کر رہے تھے۔ سر طاہر بہت ہنس مکھ اور اسٹوڈینٹس کے ساتھ دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ ہر اسٹوڈنٹ کو کوئی بھی پرابلم ہوتی تو وہ سر طاہر کی مدد سے ہی حل کرتے تھے۔ ہنستے، کھیلتے، ناچتے گاتے سفر جب مکمل ہوا تو سب لڑکوں نے ٹیچرز کے ساتھ مل کر کیمپ لگائے اور سب اپنے اپنے کیمپس میں جا کر ریسٹ کرنے لگے۔ تاکہ صبح سے تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کر لی جائے اور اس جگہ کی تاریخ سے اسٹوڈنٹس کو آگاہ کر دیا جائے۔"

صبح اگلے روز جب سب اسٹوڈنٹس فریش ہو کر وزٹ کے لئے اکٹھے ہوئے تو تمام ٹیچرز اسٹوڈینس کو تاریخی باتیں بتانے لگے تو سارا اپنے کیمرے کے ساتھ ہر ایک جگہ کی تصویر لینے لگی۔ کرن، عمران اور رمیز بار بار اسے پیچھے سے پکڑ کر کالج گروپ کے ساتھ شامل کرتے وہ پھر پیچھے رہ جاتی تصاویر لینے کی وجہ سے سر طاہر ابھی تاریخ کے بارے میں بتا ہی رہے تھے کہ کرن نے پلٹ کر سارا کو دیکھا تو وہ کالج گروپ کے ساتھ تھی ہی نہیں۔

"اف میرے خدا کیا ہو گیا اس لڑکی کو۔ جب دیکھو غائب ہو جاتی ہے اسے پکڑ پکڑ کر اپنے ساتھ لانا پڑتا ہے۔" کرن کے بڑبڑانے پر رمیز نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے میری دوست پاگل ہو گئی خود سے باتیں کرنے لگ گئی ہے۔"

"خاموش رہو رمیز میں پاگل نہیں ہوئی ہوں۔ وہ سارا کی بچی پھر سے غائب ہو گئی۔ نئی جگہ ہے، اگر راستہ بھٹک گئی تو۔ اس لڑکی کو ذرا بھی ڈر نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گا اس لڑکی کا۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔ بس اب ایک کام کرنا پڑے گا۔"

رمیز کی بات سن کر کرن نے پوچھا۔

"کون سا کام کرنا پڑے گا۔ جلدی بتاؤ۔"

"ایک رسی لے کر سارا کو اس سے باندھ کر رسی پکڑ کر رکھو۔ اور ایک گائے کی طرح اسے باندھ کر اپنے ساتھ لے کر چلو۔" رمیز کی بات پر کرن ہنستے ہوئے بولی۔

"شٹ اپ رمیز اگر اس نے سن لیا نا تو بہت مارے گی تمہیں۔" عمران جو رمیز کا مشورہ سن رہا تھا اس نے فوراً رمیز کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"سارا تجھے کیا مارے گی پہلے میں تجھے ماروں گا، تجھے شرم نہیں آتی سارا کو گائے کہتے ہوئے۔ آنے دے سارا کو میں نے اگر اسے تیری یہ بات نہ بتائی تو کہنا۔"

"او مجنو بھائی۔ ذرا ٹھنڈے ہو جاؤ۔ اور اب میں کچھ نہیں کہتا۔ سارا کو۔ اب تو خوش۔"

"اب تم دونوں بحث کرنا چھوڑو۔ پہلے سارا کو تو ڈھونڈو کہ وہ ہے کہاں۔ بہت دیر سے نظر نہیں آئی رات بھی ہونے والی ہے اندھیرا ہو رہا مجھے تو فکر ہو رہی ہے اس کی۔"

کرن کی فکر مندی پر عمران اور رمیز نے آسمان کی طرف اندھیرا ہوتے دیکھا تو وہ بھی فکر مند ہو گئے۔ سر طاہر ان تینوں کے پاس آ کر کہنے لگے۔

"چلو رات ہو رہی ہے ہمیں کیمپس میں واپس جانا ہے۔"

"سر وہ سارا تصویریں لینے کے چکر میں پیچھے رہ گئی ہے ہم اسے لے کر آتے ہیں آپ کیمپس میں جائیں ہم اسے لے آئیں گے۔" عمران کی بات سن کر سر طاہر بولے۔

"نئی جگہ ہے اور ایسے ویرانے میں سارا کو اکیلے نہیں رہنا چاہیئے تم لوگ اسے جلدی ڈھونڈ کر لے آؤ ہم سب گاڑی میں ویٹ کرتے ہیں۔"

"کرن عمران اور رمیز کے ساتھ سارا کو ڈھونڈتی ہوں۔ آپ وین کو روک کر ہمارا ویٹ کریں۔"

"دیکھو کرن یہاں میں نے سنا ہے کہ جن

بھوت ہوتے ہیں اگر کوئی جن تمہارے سامنے آ گیا تو۔ ہو ہو ہاہا، میں جن ہوں۔"

خوفناک آواز میں سر طاہر نے کرن کو ڈرایا تو وہ ڈر گئی اس کا خوفزدہ چہرہ دیکھ کر سر طاہر اور عمران، رمیز تینوں زور سے ہنسنے لگے۔ تو کرن جھینپ کر شرمندہ سی مسکرانے لگی۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا کرن اور تم ڈرنا نہیں بلکہ کوئی جن اگر آ جائے تمہارے سامنے تو اسے میرا اسلام کہنا۔" سر نے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"سر اب بس بھی کریں اور کتنا ستائیں گے آپ مجھے!"

Ok ہم سارا کو دیکھتے ہیں کہاں رہ گئی آپ ہمارا ویٹ کریں۔"

☆......☆......☆

"سارا ایک قلعہ میں تصویریں لیتے ہوئے داخل ہو گئی اسے اپنے شوق کی وجہ سے رات ہو جانے کا احساس تک نہیں ہوا۔ قلعہ کی عمارت کی تصویر لیتے ہوئے اسے ایک بڑا سا گیٹ نظر آیا اس نے پلٹ کر داخلی دروازے کو دیکھا تو خود سے سرگوشی کرنے لگی۔

"ارے اس قلعہ کے اندر ایک اور گیٹ وہ بھی اتنا بڑا اس گیٹ کی ڈیزائنگ کتنی خوبصورت ہے۔ آئی تھنک مجھے اس گیٹ کے اندر جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں تاریخی چیزیں مل جائیں جو میرے البم کا حصہ بنیں۔"

گیٹ کھولنے کے لئے سارا نے زور سے دھکا دیا تو گیٹ چر چراہٹ کی آواز کے ساتھ ہی کھل گیا۔ عمران، رمیز اور کرن اس آواز کے تعاقب میں قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ اور وہ سارا کو ڈھونڈتے ہوئے اس گیٹ کے پاس آ کر گیٹ کو بغور دیکھنے لگے کہ اس قلع کے اندر یہ گیٹ انہیں خوف سا نظر آیا۔ کرن ڈرتے ہوئے کہنے لگی۔

"رمیز یہ گیٹ کچھ پراسرار سا معلوم نہیں ہو رہا تم دونوں کو۔"

"پراسرار لگتا ہے کہ سر طاہر کی بات کا بڑا گہرا اثر ہوا ہے تمہاری دماغ پر کرن۔"

رمیز کی بات پر برا مانتے ہوئے کرن بولی۔"

شٹ اپ رمیز اب تم میرا مذاق اڑانا بند کرو۔"

"پلیز! تم دونوں یہ فضول ہنسی مذاق چھوڑ کر سارا کو ڈھونڈو۔"

"ہم کب سے اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ سر طاہر دو بار کال بھی کر چکے ہیں سارا کا پوچھنے کے لئے۔"

عمران کی بات سن کر کرن نے فکر مندی سے کہا۔ "مجھے بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔ یہ آخر سارا کی بچی کہاں رہ گئی۔" اور پھر اچانک سارا کے زور زور سے چیخنے کی آوازیں اس گیٹ کے اندر سی آنے لگیں تو تینوں گھبرا گئے اور فوراً ہی گیٹ کے اندر جا کر دیکھا تو سارا اپنے منہ پر ہاتھ رکھے زور زور سے چلا رہی تھی۔ تینوں نے سارا کو جھنجھوڑ دیا، وہ کسی کے قابو میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی بس مسلسل چیخے جا رہی تھی۔ کرن نے اسے زور سے ہلا کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"سارا ریلکس، ہم ہیں، کیا ہوا؟ تم ایسے چیخ کیوں رہی ہوں۔"

سارا نے جیسے ہی ان تینوں کو دیکھا تو بے ہوش ہو گئی تو عمران اسے اپنی بانہوں میں اٹھا کر وین میں لے آیا۔

تمام ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس بھی سارا کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ کیمپس میں آنے کے بعد جب صبح سارا کو ہوش آیا تو کرن نے پوچھا۔

"سارا آخر ہوا کیا تھا اس قلعہ میں تم اتنا خوف سے چیخ کیوں ری تھیں۔"

سارا کچھ جواب دینے کے بجائے گم صم سی بیٹھی تھی عمران اور رمیز بھی مسلسل اس سے وجہ پوچھتے مگر وہ کچھ نہ بولی خاموش ہی بیٹھی رہی، پرنسپل نے آ کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"سارا تم آخر گروپ سے الگ کیوں ہوئیں اور ہمیں کتنا ویٹ کرنا پڑا تمہارا۔ اب اس طرح خاموش

کیوں بیٹھی ہو۔ چلو ہمیں اگلے مقام پر جانا ہے لیکن اب یہ غلطی دوبارہ نہیں ہونی چاہئے۔"

"سوری میم اب سارا ایسی کوئی غلطی نہیں کرے گی اس کی طبیعت خراب ہے۔ آج ہم اپنے ڈرائیور کے ساتھ واپس جا رہے ہیں سار کی طبیعت کی وجہ سے سارا کے پاپا نے ڈرائیور بھیج دیا ہے وہ بس آتا ہی ہوگا۔ ہم چاروں چلے جائیں گے۔ سارا کا بخار تو کل سے اترنے کا نام نہیں لے رہا اور بار بار یہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ کل سے نہ کچھ کھایا ہے نہ پانی پیا ہے۔ بس ہوش میں آتی ہے تو صرف سامنے گھورتی رہتی ہے۔ پھر ڈر جاتی ہے اور چلانا شروع کر دیتی ہے۔" کرن کی بات سن کر پرنسپل بولیں۔

"بخار تو ہو جاتا ہے، خیر تم تینوں سارا کو اس کے گھر پہنچا کر مجھے انفارم کر دینا۔"

"Ok میم۔" کرن بولی۔

☆......☆......☆

"اعجاز پتا نہیں کیا ہو گیا ہے میری بچی کو دو دن ہو گئے پکنک سے آئے ہوئے نہ بولتی ہے نہ کھاتی ہے۔ بخار میں تپ رہی ہے۔ دوا کا بھی کچھ اثر نہیں ہو رہا اس پر۔ ایسا کیا ہو گیا میری بچی کو۔"

"ثوبیہ سچ کہوں تو مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہا بخار کی وجہ بھی سمجھ نہیں آ رہی اتنی گم صم تو کبھی نہیں رہی ہماری سارا۔ آخر کیا ہو گیا ایسا وہاں جس کی وجہ سے ہماری سارا کے چہرے کی خوشی ہی چھین گئی۔"

مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اعجاز پلیز آپ کچھ کریں میں اپنی بچی کو ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔"

بیوی کو بچوں کی طرح روتے دیکھ کر گلے سے لگاتے ہوئے بولے۔ "تم رونا بند کرو، کچھ نہیں ہوگا ہماری بچی کو، اللہ سب بہتر کرے گا۔" کہ اچانک زارا ڈری ہوئی چیختی ہوئی ماما پاپا کے روم میں انٹر ہوئی ماما پاپا نے اسے گلے سے لگا کر چپ کراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹا آپ اتنا ڈر کیوں گئی ہو۔"

پا...... پا...... پاپا...... وہ...... آپی۔" ثوبیہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا سارا کو جلدی بتاؤ۔"

"ماما وہ آپی کی آنکھیں آپی کی آنکھیں نہیں ہیں۔"

"کیا؟ زارا بیٹا کیا بول رہی ہو آپ؟" پاپا کے پوچھنے پر زارا بولی۔

"ہاں پاپا آپی کی آنکھیں نہیں ان کی آنکھوں کی جگہ کسی اور کی آنکھیں لگتی ہیں۔ وہ آنکھیں آپی کی نہیں ہیں۔ آپی نے مجھے دیکھا تو میں ڈر گئی اور آپ دونوں کے پاس آ گئی میں آپی کے ساتھ نہیں سوؤں گی۔ مجھے ان کی آنکھوں سے ڈر لگ رہا ہے۔ میں آج آپ دونوں کے روم میں سوؤں گی۔"

"Ok۔Ok بیٹا ڈرو مت ہم آپی کو دیکھتے ہیں۔"

ثوبیہ اور اعجاز نے جا کر سارا کو آواز دی وہ سر جھکائے اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ثوبیہ اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے سارا کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو سارا نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تو ثوبیہ نے اعجاز کی طرف دیکھا اعجاز نے بیٹی کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"سارا بیٹا پاپا کی طرف دیکھو۔ پاپا کو بتاؤ کیسی طبیعت ہے آپ کی اب۔؟"

"اعجاز احمد کا ہاتھ زور سے اپنے سر سے ہٹاتے ہوئے سارا نے جیسے ہی نظر اٹھا کر اعجاز احمد کو دیکھا تو وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئے، ثوبیہ نے جب اپنی بیٹی کی آنکھوں میں دیکھا تو رونے لگ گئیں بیڈ سے دور جا کر اعجاز کے گلے سے لگ گئیں۔

"جاؤ۔ یہاں سے اکیلا چھوڑ دو مجھے۔ جاؤ یہاں سے۔" سارا نے غضب ناک آواز میں کہا۔ تو ثوبیہ رونے لگیں۔

"اعجاز یہ میری سارا کی آواز نہیں ہے۔ یہ تو کسی مرد کی آواز ہے۔ اعجاز کیا ہو گیا ہے میری بچی کو۔ ایسا کیوں کر رہی ہے۔"

"تم رونا بند کرو اور آیۃ الکرسی کا ورد جاری

رکھو۔ میں بھی آیۃ الکرسی کا ورد کرتا ہوں۔"

آیۃ الکرسی کے ورد سے سارہ کو ایک زور کا جھٹکا لگا اور وہ بے ہوش ہوگئی تو ثوبیہ اور اعجاز اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ سارا نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھیں بھی نارمل تھیں۔ ثوبہ کے گلے سے لگ کر روتے ہوئے سارا نے کہنا شروع کردیا۔

"ماما مجھے بچالیں۔ پاپا مجھے بچالیں۔ پاپا مجھے بچا لیں وہ مجھے مار ڈالے گا وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

"ریلکس..... ریلکس بیٹا۔ لو پہلے یہ پانی پیئو اور بتاؤ آرام سے کہ بات کیا ہے۔ کون مار ڈالے گا آپ کو؟"

"پاپا وہی جو اس قلعہ میں۔" سارا نے اپنی بات کرتے ہوئے جیسے ہی اپنی نظر اٹھا کر سامنے دیوار کی جانب دیکھا تو زور زور سے چیخنے لگی۔"

"پاپا وہ دیکھیں سامنے دیوار پر اس کی آنکھیں صرف آنکھیں نظر آرہی ہیں۔ میں جہاں دیکھتی ہوں اس کی آنکھیں نظر آتی ہیں۔ وہ نہیں جائے گا مجھے مار ڈالے گا۔"

بیٹی کو روتے ڈرتے ہوئے دیکھ کر ثوبیہ اور اعجاز نے دیوار پر دیکھا پر انہیں کچھ نظر نہ آیا جب کہ سارا مسلسل دیوار کو دیکھنے سے ڈر رہی تھی اور اپنا منہ ثوبیہ کی گود میں چھپائے جارہی تھی۔ بیٹی کا حال دیکھ کر دونوں ہی پریشان تھے اعجاز نے آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا تو سارا سو گئی۔ اعجاز نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ثوبیہ سے کہا۔

"ثوبیہ میں زارا کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں ہوں زارا بچی ہے بہت ڈر گئی ہے۔ تم یہاں سارا کے ساتھ سو جاؤ، بس آیۃ الکرسی پڑھتے رہنا۔ اسے اکیلا مت چھوڑنا۔"

اعجاز کی بات سن کر ثوبیہ نے روتے ہوئے پوچھا۔ "اعجاز کیا ہوگیا ہماری ہنستی کھیلتی بچی کو۔ مجھے میری پہلی والی سارا چاہیئے۔ پلیز کچھ کریں۔"

"تم پریشان مت ہو میں کل امام صاحب کے پاس جاتا ہوں ان سے اس مسئلے کا حل پوچھتا ہوں۔ کیوں کہ یہ اگر کوئی ڈاکٹر پرابلم ہوئی تو سارا کی آواز کا بدلنا اور اس کی آنکھیں عجیب سی ہوجانا۔ معاملہ کچھ اور ہی لگتا ہے۔ امام صاحب کے پاس جاکر ہی کچھ پتا چلے گا۔ بس تم اس کے پاس رہنا اسے اکیلا مت چھوڑنا۔"

☆.....☆.....☆

سارا پلیز ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔ اور تم نے نظر اٹھا کر ہمیں دیکھا تک نہیں ہے۔" کرن نے التجائی انداز میں کہا تو عمران اور رمیز نے بھی کہا۔

"سارا یار پلیز کچھ تو بات کرو نا۔ ہم سے۔"

سارا کا ہاتھ جیسے ہی عمران نے پکڑا تو سارا زور زور سے ہلنے لگی اسے جھٹکے سے لگتے محسوس ہونے لگے عمران جھٹ سے بیڈ پر سے ہٹ گیا ساتھ ہی کرن اور رمیز بھی، سارا نے مردانہ آواز میں کہا۔ "کیا سمجھتے ہو تم لوگ اسے اس رات کی طرح لے جاؤ گے۔ نہیں اب ہرگز نہیں میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب یہ میرے ساتھ رہے گی میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ عمران تو سن لے محبت کرتا ہے نا اس لڑکی سے اب دیکھ میں تجھ سے تیری محبت کو کیسے چھین لوں گا۔ تو بس دیکھتا ہی رہ جائے کچھ نہیں کرسکے گا تو.....!!" زور زور سے قہقہہ لگانے کے بعد سارا بے ہوش ہوکر بیڈ پر سے گر گئی اور عمران حیرانگی سے کرن اور رمیز کو دیکھنے لگا اور رمیز سے بولا۔

"یار یہ سارا کو کیا ہوگیا آخر اس کو ایسا کیا ہوا تھا قلعہ میں اور یہ آواز کس کی تھی۔"

"یہ آواز یہ آنکھیں ہماری سارہ کی نہیں ہیں۔" کرن نے بھی روتے ہوئے کہا تو اندر روم میں آئی ثوبہ بولیں۔

"ہاں یہ آواز اور آنکھیں ہماری سارہ کی نہیں کسی اور کی ہیں دیکھو بیٹا مجھے بتاؤ اس رات ہوا کیا تھا۔ جس کی وجہ سے سارا کی ایسی حالت ہوگئی ہے۔" ثوبیہ کے پوچھنے پر کرن نے جواب دیا۔

"آنٹی ایکچولی اس وقت ہم سب ایک ساتھ ہی تھے کہ سارا اپنے کیمرے سے تصویریں لیتی ہوئی ہم سے الگ ہوگئی اور ایک قلعے میں چلی گئی۔ ہم نے اسے

بہت ڈھونڈا اور اسے ڈھونڈتے ہوئے ہم تینوں بھی اس قلعے میں پہنچ گئے۔

وہاں ایک عجیب وغریب قسم کا گیٹ تھا۔ مانو جیسے کوئی خفیہ دروازہ ہم اسی گیٹ کو دیکھ ہی رہے تھے کہ اس گیٹ کے اندر سے سارا کے زور زور سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں ہم تینوں جھٹ سے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ سارا گڑھے میں زمین پر گری ہوئی ہے اور منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ رہی ہے۔ جب ہم نے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ بے ہوش ہوگئی اور اس کا جسم بری طرح سے تپ رہا تھا اور وہ کانپ بھی رہی تھی۔" عمران نے کرن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آنٹی یہ تو ہم بھی نہیں جانتے کہ ہمارے وہاں پہنچے سے پہلے سارا کے ساتھ ایکچولی ہوا کیا تھا۔"

کمرے کے دروازے پر کھڑے پیش امام صاحب کے ساتھ اعجاز بھی سارا کے دوستوں کی باتیں سن چکے تھے۔ آگے بڑھ کر امام صاحب نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ بیٹا کہ اس گڑھے میں جس میں سارا بیٹیاں گری تھی وہاں کچھ تھا۔ کوئی ایسی چیز جو تم لوگوں نے دیکھی ہو۔"

رمیز نے کہا۔ "نہیں امام صاحب بس ہم نے تو جلدی سے سارا کو اس گڑھے سے نکالا تھا اور کیمپ میں لے آئے تھے۔"

امام صاحب اس گڑھے میں ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں اور ہم سارا کے چیخنے پر اتنا پریشان ہوگئے تھے کہ کسی چیز کا کوئی دھیان بھی نہیں رہا ہمیں۔" عمران نے کہا تو امام صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے اب تم سب باہر جاؤ اعجاز صاحب بس آپ کمرے میں میرے ساتھ رہیں۔ سب کو باہر کر کے دروازہ بند کردیں۔"

دروازہ بند ہوتے ہی امام صاحب نے سارا کے برابر بیٹھ کر سر پر ہاتھ رکھ کر قرآنی آیاتیں پڑھنا شروع کردیں۔ تو سارا نے غضب ناک آنکھوں سے امام صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے گرج کر کہا۔

ماں کے ساتھ اچھا سلوک

بہز بن حکیمؒ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے یوں روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "میں احسان کا معاملہ کس کے ساتھ کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "اپنی ماں سے۔" میں نے پھر پوچھا۔ "کس سے نیکی کروں" فرمایا: "اپنی ماں سے" تیسری مرتبہ پھر اپنا یہی سوال دہرایا تو آپؐ نے پھر فرمایا "ماں کے ساتھ۔" میں نے (چوتھی مرتبہ پھر) پوچھا "کس سے بھلائی کروں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "باپ کے ساتھ" پھر جو قریبی رشتہ دار ہو وہ مقدم ہے۔ (بحوالہ اسوۂ رسول اکرمؐ)

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

"اسمٰعیل تو کیا کررہا ہے یہاں؟ امام اسمٰعیل آیا ہے مجھے اس لڑکی کے اندر سے بھگانے کے لئے..... اسمٰعیل یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ اسمٰعیل تو کیوں جتن کرتا ہے۔ چل چلا جا تیری بیوی سیڑھیوں سے گر گئی ہے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے جاجا کر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا مجھے ہٹانا تیرے بس کی بات نہیں ہے۔"

اعجاز اور امام صاحب بہت حیرانی سے سارا کے منہ سے نکلنے والی آواز اور الفاظ کو غور سے سن رہے تھے کہ عمران نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آگیا۔

"امام صاحب مسجد سے ایک لڑکا آیا ہے آپ کی وائف کا پاؤں سلپ ہونے کی وجہ سے وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔" عمران کی بات سن کر سارا کے اندر سے وہی مردانہ آواز نے قہقہہ لگانا شروع کردیا۔ اعجاز اور امام صاحب دونوں ہی گھبرا گئے۔ امام صاحب جلدی سے سارا کی بدلی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے روم سے نکل کر مسجد چلے گئے۔

اعجاز نے ثوبیہ اور سارا کے دوستوں سے سارا

معاملہ ڈسکس کیا تو سب پریشان ہوگئے اور زاروقطار رونے لگے۔

"آخر مجھے سمجھ نہیں آتا اس رات سارا کے ساتھ ہوا کیا تھا۔"

رمیز نے کرن اور عمران سے کہا تو کرن بولی۔ "کچھ تو ایسا تھا وہاں جو ہمیں نظر نہیں آیا تھا۔"

عمران جو گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اسے کرن نے ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا تم کیا سوچ رہے ہو عمران۔"

"ہوں..... کچھ نہیں میں تو اب تک یہی سوچ رہا ہوں کہ میں نے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا سارا سے اور امام صاحب کا نام تو اب تک مجھے بھی نہیں معلوم تھا پھر سارا نے کیسے ان کا نام لے کر وہ سب کچھ بتا دیا جو کہ کسی کی آنکھوں کے سامنے نہ تھا۔ امام صاحب کی بیوی، کا سیڑھیوں سے گرنا۔ کچھ تو غلط ہے۔"

"ہاں وہ آواز سارا کی ہے ہی نہیں اور آنکھوں کو غور سے دیکھا ہے بڑی بڑی لال آنکھیں ایسا لگتا ہے کہ خون بہہ رہا ہو ان آنکھوں سے بڑا خوف سا محسوس ہوتا ہے سارا کی آنکھوں کو دیکھ کر۔" رمیز کی بات پر کرن نے جھٹ سے کہا۔

"نہیں رمیز وہ آنکھیں سارا کی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ آواز اتنی معصوم چہرے والے سارا کا چہرہ کتنا وحشت زدہ ہوگیا ہے سارا ہمارے بچپن کی دوست ہے میں اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔ تم دونوں کچھ کرو ناں۔"

☆.....☆.....☆

"امام صاحب آپ کی وائف کی طبیعت کیسی ہے؟" مسجد کے برآمدے میں امام صاحب کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اعجاز نے پوچھا تو امام صاحب نے کہا۔

"اعجاز صاحب وہ طاقت ور بدروح ہے میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا میرا علم کم ہے۔"

"امام صاحب ایسا نہ کہیں۔ پھر میری بیٹی کا کیا ہوگا۔ میں کیسے اسے اس حال میں تڑپتے دیکھ سکتا ہوں۔ خدا کے واسطے امام صاحب میری مدد کیجیے۔"

"اعجاز صاحب آپ فکر نہ کریں۔ میں نے اپنے گھر کے گرد حصار باندھ دیا ہے۔ اور جتنا علم میں جانتا ہوں اس کے تحت ایک تعویز تیار کیا ہے جسے سارا بیٹیا کے گلے میں موم جامہ کر کے پہنا دینا یہ لیں تعویز۔" تعویز لیتے ہوئے اعجاز احمد بولے۔

"اس تعویز سے وہ بدروح میری بیٹی کا پیچھا چھوڑ کر چلی جائے گی نا۔"

"نہیں اعجاز صاحب وہ بدروح تو نہیں جائے گی مگر اس کے جسم سے نکل جائے گی۔ بس سارا بیٹیا سے کہنا کچھ بھی ہو جائے یہ تعویز اپنے گلے سے نہ اتارنا ورنہ وہ پھر سے بٹیا کے جسم پر قابض ہو جائے گی۔"

"مگر امام صاحب یہ تو کوئی حل نہ ہوسکا۔ اس بدروح سے جان کیسے چھوٹے گی۔"

"آپ کے اسی کام کے لئے میں اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ وہاں میرے استاد کرامت شاہ ہیں۔ یہ کام اب وہی کر سکتے ہیں۔ شاہ صاحب سے ہی میں نے روحانی علم سیکھا ہے۔ میں آج شام شاہ صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جایئے اس معاملے کا حل اب شاہ صاحب ہی کریں گے۔ اب آپ جایئے۔"

☆.....☆.....☆

"تم نے موم جامہ کر دیا۔" اعجاز کے پوچھنے پر ثوبیہ نے کہا۔

"ہاں کر دیا مگر اس کے گلے میں ڈال نہیں سکی آپ کو پتا ہے جب میں یہ تعویز اس کے گلے میں ڈالنے لگی تو سوئی ہوئی سارا نے فوراً اپنی آنکھیں کھول دیں اور اتنی غضب ناک آواز میں مجھ پر چیخی کہ میں ڈر گئی۔ پھر بھی ہمت کر کے میں جیسے ہی اس کے قریب گئی اس نے اتنی زور سے مجھے دھکا دیا کہ میں دور جا کر گری۔ اعجاز اتنی فورس کے ساتھ دھکا ہماری سارا نہیں دے سکتی۔ پلیز کچھ کریں۔"

"لاؤ مجھے دو تعویز میں پہناتا ہوں۔" تعویز لے کر جیسے ہی اعجاز احمد نے سارا کے گلے میں ڈالنا

چاہا تو سارا نے دھکا دے دیا اراس بار دھکا اتنی زور سے دیا گیا تھا کہ اعجاز ہوا میں اڑتے ہوئے کمرے کے دیوار سے ٹکرا گئے اور زمین پر گر گئے۔

عمران رمیز اور کرن جو زارا کے ساتھ کمرے میں اندر ہی ہوئے تھے۔ وہ سب دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے زارا تو رونے لگ گئی۔ کرن اسے فوراً ہی روم سے باہر لے گئی۔ اعجاز احمد نے عمران اور رمیز سے کہا۔

"عمران، رمیز بیٹا آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے اس کے پاؤں پکڑو اور ثوبیہ تم اس کے ہاتھ پکڑو آیۃ الکرسی کا ورد جاری رکھنا۔"

بڑی مشکل کے بعد اعجاز جیسے ہی سارا کے گلے میں تعویز ڈالا تو اسے جھٹکے سے لگنے لگے اور ہوا میں معلق سی ہونے لگی اور زور سے بیڈ پر گر کے بے ہوش ہوگئی۔ ثوبیہ مسلسل اس پر آیۃ الکرسی کا ورد کر کے دم کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد سارا کو ہوش آیا تو اس کا چہرہ نارمل لگ رہا تھا مگر بہت بیمار اور کمزور لگ رہی تھی۔

"ماما پاپا مجھے بہت درد ہو رہا ہے پوری باڈی میں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ کسی نے مجھے بہت مارا ہو۔ ماما مجھے بہت بھوک لگی ہے آپ مجھے کچھ کھلا دیں۔"

خیر سارا کے برابر میں بیٹھتے ہوئے ثوبیہ نے کھانا کھلاتے ہوئے کہا۔ "بس اب باتیں بعد میں پہلے میری بچی کو کچھ کھانے دو پہلے ہی اتنی کمزور ہوگئی ہے۔"

"زارا میرے پاس آؤ۔ مجھ سے اتنا دور کیوں ہو۔" زارا جو پاپا سے چپکی ہوئی ڈری سہمی سی کھڑی تھی سارا کی بات سن کر پاپا کی طرف دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے سارا کے پاس آ کر اس سے گلے لگ کر رونے لگی۔

"آپی میں نے آپ کو بہت مس کیا۔ آپ کو کیا ہوگیا تھا آپی۔ مجھے بہت ڈر لگتا تھا آپ کی آنکھوں سے بہت ڈراؤنی تھیں وہ آنکھیں۔" زارا کی بات سنتے ہی سارا نے جیسے ہی کمرے کی دیوار پر دیکھا تو وہی آنکھیں دیوار پر نظر آئیں جیسے وہ آنکھیں ہنس رہی ہوں لال لال بڑی ہنستی ہوئی خوفناک سی آنکھیں دیکھ کر سارا نے چیخنا شروع کر دیا۔

پاپا ماما وہ آنکھیں سامنے دیوار پر۔ وہ دیکھیں وہ آنکھیں۔ اسی کی ہیں۔" سارا کے کہنے پر سب نے جیسے ہی دیوار پر دیکھا تو سب کو وہ خوفناک آنکھیں دیوار پر نمودار نظر آئیں زارا گر کے بے ہوش ہوگئی سب ہی خوفزدہ تھے کہ اعجاز نے آیۃ الکرسی کا ورد جاری کر دیا۔ کلام پاک کی آواز سے وہ آنکھیں غصے اور غضب سے لال ہو کر غائب ہوگئیں۔

"اعجاز اس چیز سے ہمارا کیسے پیچھا چھوٹے گا۔"

"ثوبیہ تم زارا کو سنبھالو اسے ہمارے بیڈ روم میں لے کر جاؤ اور اسے سارا کے روم میں اب مت لانا۔ میں سارا کے ساتھ یہیں رہوں گا جب تک امام صاحب اپنے استاد کرامت شاہ صاحب کو لے کر نہیں آجاتے۔" اعجاز نے کہا۔

☆.....☆.....☆

رات گزارنا بہت مشکل ہے سارا کے کمرے میں ہر جگہ وہ آنکھیں نہ صرف سارا کو بلکہ اب تو ہم سب کو ہی نظر آ کر ڈرا رہی ہیں۔" ثوبیہ نے کہا تو اعجاز نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئی اسے تسلی دی۔

"تم بیڈ روم میں زارا کو لے کر آرام کرو میں سارا کے ساتھ ہوں۔ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ کل تک امام صاحب آجائیں گے۔ شاہ صاحب کو لے کر۔"

"زارا کا تو بہت برا حال ہے ڈر ڈر کر ایک لمحہ نہیں چھوڑ رہی تھی مجھے وہ سوئی ہے تو میں یہاں آئی ہوں۔"

سارا کا بھی یہی حال ہے ڈر ڈر کر برا حال کر لیا ہے پتا نہیں آخر وہ بدروح چاہتا کیا ہے۔ آخر اس قلعے میں سارا کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میرے ہنستے کھیلتے گھر اور بچوں کو کس کی نظر لگ گئی۔ تم نے غور سے دیکھا ہے سارا کے چہرے کو کس قدر پیلا پڑ گیا ہے۔ عجیب سی وحشت ہے سارا کے چہرے اور آنکھوں میں۔"

"بس جیسے تیسے یہ رات گزر جائے۔ آج کی

رات میں عجیب سا بھاری پن ہے۔ وقت تو جیسے کٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ ثوبیہ پتا نہیں کیوں مجھے اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں اعجاز آج کی رات واقعی بہت بھاری ہے۔"

"ماما...... ماما...... پاپا۔ مجھے بچا لیں۔"

زارا کے کمرے سے آتی ہوئی آواز پر ثوبیہ اور اعجاز فوراً بھاگتے ہوئے زارا کے روم میں پہنچے تو زارا ہوا میں معلق تھی اعجاز احمد اسے پکڑنے کی جتنی کوشش کرتے وہ اور ہوا میں اڑتی احمد کے ہاتھ نہ آتی۔

"پاپا مجھے بچائیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے مجھے نیچے اتاریں۔ پاپا مجھے نیچے اتاریں۔"

"اعجاز بیڈ پر کھڑے ہو کر زارا کو پکڑیں۔"

"کیسے پکڑوں جیسے ہی پکڑنے لگتا ہوں وہ اور ہوا میں اوپر چلی جاتی ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے یا خدا میں کیا کروں کیسے اپنی بچی کو بچاؤں۔"

"ثوبیہ تو بری طرح سے رو رو کر خدا سے دعائیں کر رہی تھیں، اچانک زور سے زارا بیڈ پر گری اور بے ہوش ہو گئی اعجاز اور ثوبیہ نے سنبھالنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہی زارا کے اندر سے وہی مردانہ آواز گونجی۔

"سارا کے گلے سے تعویز نکال دو ورنہ میں زارا کو جان سے مار دوں گا۔"

زارا پھر ہوا میں معلق ہو کہ دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گری دیوار پر سر لگنے کی وجہ سے خون بہتا دیکھ کر ثوبیہ اور اعجاز جیسے ہی زارا کو اٹھانے لگے زارا پھر سے ہوا میں معلق میں ہو گئی۔ سارا جو شور کی آوازوں کو سن کر روم میں آ چکی تھی خود کو سنبھالتے ہوئے گرتے ہوئے بولی۔

"رک جاؤ۔ چھوڑ دو میری بہن کو میں یہ تعویز اتار رہی ہوں۔" سارا کی بات سن کر ثوبیہ بولی۔

"نہیں بیٹا یہ تعویز مت اتارنا۔ ورنہ یہ تمہیں نقصان پہنچائے گا۔" ثوبیہ کے اتنا کہنے پر زارا جو ہوا میں معلق تھی زور سے سارا کے پاس فرش پر آ کر گری جیسے ہی سارا نے اسے پکڑنا چاہا وہ گھسیٹتے ہوئے زمین سے دیوار سے جا ٹکرائی اس کا خون بہتا دیکھ کر سارا نے جھٹ سے تعویز اتار کر بیڈ پر پھینک دیا۔ بدروح زارا کے جسم سے سارا کے جسم پر قابض ہو کر غضبناک انداز میں ہنستے ہوئے ہوا میں معلق ہو کر اپنے روم میں جا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ جیسے ہی اعجاز سارا کے پیچھے دوڑے تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اعجاز دروازے کو دھکے مارتے رہ گئے۔

☆......☆......☆

امام صاحب جیسے ہی کرامت شاہ کو اپنے ساتھ لے کر آئے تو اعجاز نے رات کا تمام معاملہ بتایا تو شاہ صاحب بولے۔

"زارا بیٹی کی طبیعت اب کیسی ہے اسے ہمارے پاس لاؤ۔" اعجاز فوراً ہی ثوبیہ اور زارا کو ڈرائنگ روم میں لے کر آئے۔ جہاں امام صاحب اور شاہ صاحب بیٹھے تھے۔ چوٹیں لگنے کی وجہ سے زارا نہ چل پا رہی تھی نہ بیٹھ پا رہی تھی شاہ صاحب نے قرآنی آیاتیں پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا۔

"اسے کمرے میں جا کر سلا دو بیٹا۔ چھوٹی بچی ہے ڈر گئی ہے ہم نے اس پر دم کر دیا ہے اللہ کے حکم سے یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اب آپ دونوں بھی آ کر سامنے بیٹھو اور اپنی آنکھیں بند کر لو۔"

شاہ صاحب کے کہنے پر ثوبیہ اور اعجاز بھی ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب نے قرآنی آیاتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ ان پر دم کرنے کے بعد بولے۔

"بیٹا آپ چھوٹی بچی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا کر کمرے کو اچھی طرح سے بند کر کے بیٹھ جاؤ۔ اور ہاں ایک بات یاد رکھنا کمرہ نہ کھولنا۔ جب تک آپ ہماری آواز نہ سنو اگر اعجاز بیٹے کی یا پھر اسماعیل کی آواز بھی سنو تو کمرہ مت کھولنا۔ وہ بدروح خبیث ہر طرح سے کمرہ کھلوانے کی کوشش کرے گا ہم نے آپ تینوں کا حصار باندھ دیا ہے اور کمرے پر بھی ہم حصار باندھ دیں گے۔ تاکہ وہ خود سے اندر نہ آ سکے۔ جاؤ بیٹا اب یہاں سے جاؤ۔"

ثوبیہ اور زارا کے روم میں جانے کے بعد روم کے گیٹ پر حصار باندھ کر شاہ صاحب بولے۔

"اعجاز بیٹا اب اس کمرے کی طرف لے چلو جہاں وہ خبیث بچی پر قابض ہوا بیٹھا ہے۔"

سارا کا کمرہ جو اندر سے لاک تھا اعجاز اور امام صاحب کے کھولنے کے باوجود بھی نہ کھل سکا تو شاہ صاحب نے کچھ پڑھتے ہوئے جیسے ہی دروازہ کھولا تو دروازہ کھل گیا تینوں اندر داخل ہو گئے۔ سارا کے منہ سے وہی مردانہ غضبناک آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ خوفناک سرخ آنکھیں۔ غضبناک منظر پیش کر کے دل دہلا رہی تھیں۔ اعجاز اپنے جذبات پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ گھبرائے ہوئے تو امام صاحب بھی بہت تھے۔

"اسمعیل تو نہیں باز آیا۔ یاد نہیں تیری بیوی کے ساتھ میں نے کیا کیا تھا۔ اب تو اپنے استاد کو اٹھا کر لے آیا۔ آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ آج تجھے جان سے مار دوں گا۔"

یہ سن کر شاہ صاحب نے غصے سے کہا۔

"چپ کر تو، اب بہت تنگ کر لیا تو نے اس معصوم بچی کو، چلا جا یہاں سے ورنہ میں تجھے اللہ کے حکم سے جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

"کرامت شاہ میں تجھے اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ میں اس لڑکی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ اسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں گا۔ بس ایک دن کی بات اور ہے، یہ لڑکی ہر طرح سے اس دنیا سے میری دنیا میں پہنچ جائے گی۔ اب یہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہو گی۔ جہاں پر یہ آئی تھی۔ میں اسے اپنی قبر میں لے کر جاؤں گا۔ وہ قبرستان ہمارا ٹھکانہ ہے، یہ لڑکی وہاں آئی تھی اور ہمارے قبرستان کی تصویریں لے رہی تھی اور میری قبر میں مجھ پر گری تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے پکڑ لیا تھا میں نے۔

بس اسے اپنی قبر میں غائب کرنے والا تھا کہ اس کے چیخنے کی آواز سے اس کے دوست وہاں آ گئے اور اسے وہاں سے لے گئے۔ میں اس کے ساتھ آ گیا میں اسے اپنی قبر میں لے کر ہی جاؤں گا۔ کرامت شاہ ...... ہاہا...... ہا...... تو کچھ نہیں کر سکے گا۔

میری قبر میں اس لڑکی کے بال دفن ہیں جب یہ لڑکی میری قبر میں گری تو میں نے اسے پکڑ لیا تھا، تو اس کے بال میرے ہاتھوں میں آ گئے تھے جواب تک میری قبر میں ہیں۔ صرف ایک دن کی بات اور ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اسے میرے ساتھ جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

شاہ صاحب نے پڑھائی شروع کر دی۔ اور پڑھنے کے دوران وہ بدروح تسلسل کبھی ہنستی کبھی چیختی۔

دوسری طرف کمرے کے باہر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا تو ثوبیہ اور زارا بری طرح سے کانپنے لگیں۔ کبھی اعجاز کی آواز میں دروازہ کھولنے کا کہا جاتا تو کبھی امام صاحب کی اور کبھی سارا کی آواز میں مگر خود کو مضبوط کرتے ہوئے ثوبیہ بیگم شاہ صاحب کی آواز کی منتظر رہیں۔

"اعجاز بیٹا رسی لے کر آؤ۔"

شاہ صاحب کے کہنے پر اعجاز نے انہیں رسی لا کر دی تو وہ قرآنی آیتیں پڑھتے ہوئے۔ سارا کے ہاتھ پاؤں رسی سے مضبوطی سے باندھ دیئے۔ اور کمرے سے باہر آ کر لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے شاہ صاحب بولے۔

"اب ہمیں اسی قبرستان میں جانا ہو گا جہاں سارا بیٹا کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ جب تک ہم اس قبر سے سارا بیٹیا کے بال نہ نکال لیں۔ اس قبر سے بال نکالنا ضروری ہیں تبھی اس خبیث سے سارا بٹیا کا پیچھا چھوٹ سکتا ہے۔"

"میں ابھی سارا کے دوستوں کو کال کر کے بلاتا ہوں تاکہ وہ لوگ ہمیں اس مقام تک لے کر جائیں۔"

اعجاز کی بات پر امام صاحب فوراً بولے۔

"اعجاز صاحب ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ شاہ صاحب نے اس خبیث کو باندھ دیا ہے مگر ہمارے پاس کل تک کا وقت ہے ورنہ بہت دیر ہو جائے گی سارا بٹیا کو بچانا ناممکن ہو جائے گا۔"

☆......☆......☆

کار میں سفر کر کے رمیز اور عمران کے ہمراہ شاہ صاحب امام صاحب اور اعجاز شام کے وقت اسی قلعے

میں پہنچے تو رمیز عمران دونوں سب اس جگہ گئے مگر گیٹ تھا کہ مل کر نہیں دے رہا تھا۔

"اس جگہ تھا وہ گیٹ۔ اب پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" عمران نے فکرمندی سے کہا تو رمیز بھی پریشان ہوگیا۔

"بچو! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بس اتنا بتاؤ کہ وہ دروازہ اسی جگہ تھا۔

"جی اسی جگہ تھا۔ پر اب نہیں ہے یہاں۔" عمران نے جواب دیا۔

"شاہ صاحب نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جگہ ایک بڑا سا دروازہ نمودار ہوگیا اور سب اس دروازے کے اندر داخل ہو گئے وہاں مسلسل قرآنی آیاتوں کا ورد جاری رکھتے ہوئے شاہ صاحب آگے بڑھتے ہوئے ایک دم سے رک گئے۔ ان کے پیچھے سبھی رک گئے۔ تو شاہ صاحب بولے۔

"لڑکو ذرا یہاں پر کھدائی کرو۔"

عمران اور رمیز اس جگہ کی کھدائی کرنے لگے تو ایک جھٹکے سے انہیں کسی زوردار ہوا نے اڑا کر دور پھینک دیا۔ گرنے سے دونوں کو چوٹیں آئیں۔ شاہ صاحب نے مزید غصے اور غضبناک انداز میں قرآنی آیاتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ چاروں طرف ہواؤں کا زور بڑھنے لگا تو شاہ صاحب بولے۔

"تم سب ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لو اور آیۃ الکرسی کا ورد جاری رکھنا۔ ہاتھ مت چھوڑنا۔"

ہوا کا زور اتنا تھا کہ ہاتھوں کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف خوفناک ہیولے نظر آتے منہ کے قریب آکر خوفناک آوازوں اور خوفناک صورتوں میں ڈراتے۔ ایسا خوفناک منظر تھا..... کا خوفناک بھیانک چہرے والے ہیولے ڈراؤنی آوازیں، اتنا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھیں کہ سب گھبرائے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب قبر میں اتر گئے اور ہاتھ سے ادھر ادھر کچھ ٹٹولنے لگے اور پھر ایسا لگا کہ وہ چیز ان کے ہاتھ میں آگئی ہو۔ وہ بلند آواز سے قرآنی آیات پڑھنے لگے۔ اور جب ان کا ہاتھ باہر آیا تو ان کے ہاتھ میں بالوں کا گچھا تھا، وہ قہر سے باہر نکلے تو ہواؤں کا زور ختم ہوگیا اور خوفناک آوازیں، ہیولے یک دم ہی غائب سے ہوگئے۔ تو شاہ صاحب بولے۔

"اب جلدی سے اس قبر میں مٹی ڈالنا شروع کردو۔"

قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد شاہ صاحب نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ شاہ صاحب کا چہرہ پر جلال تھا آنکھیں بھی غضبناک لگ رہی تھیں۔ جب شاہ صاحب پڑھنے سے فارغ ہوئے تو بولے۔

"میں نے اس خبیث بدروح کو اسی قبر میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیا ہے، اب سارا پیٹیا کے یہ بال ہمیں سمندر میں ڈالنا ہوں گے اور سارا پیٹیا کو حصار میں کچھ دن رکھنا ہوگا تاکہ وہ مکمل طور پر اس بدروح کے اثر سے آزاد ہو سکے۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔"

سارا کے بال سمندر میں ڈال کر اس کا صدقہ کر کے شاہ صاحب نے سارا کا بدنی حصار کر دیا تو سارا پہلے کی طرح صحت یاب ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

"سب کچھ بہت خوفناک تھا۔ پاپا۔ اس قبر میں میرا ٹھوکر کھا کر گرنا۔ اس دورازے کے اندر عجیب ہیولے نظر آنا اس مردے کا آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنا اور مجھے اپنی قبر میں کھینچنا۔ بہت ڈراؤنا تھا سب کچھ۔" سارا نے بتایا۔

"سب کچھ بھول جاؤ بیٹا۔ ایک برے خواب کی طرح۔" اعجاز احمد بولے تو ثوبیہ نے کہا۔

"تمہارے پاپا ٹھیک کہتے ہیں۔ سب کچھ بھول جانا ہی بہتر ہے۔ اب پہلے کی طرح اپنی تعلیم پر توجہ دو اور کھانا کھاؤ بہت کمزور ہوگئی ہو۔"

"آپی آپ کے جن نے مجھے بھی بہت مارا ہے، اب آپ میرے ہاتھ پاؤں دبائیں اور میری خوب خدمت کریں۔" زارا کی بات پر سب ہنسنے لگے۔

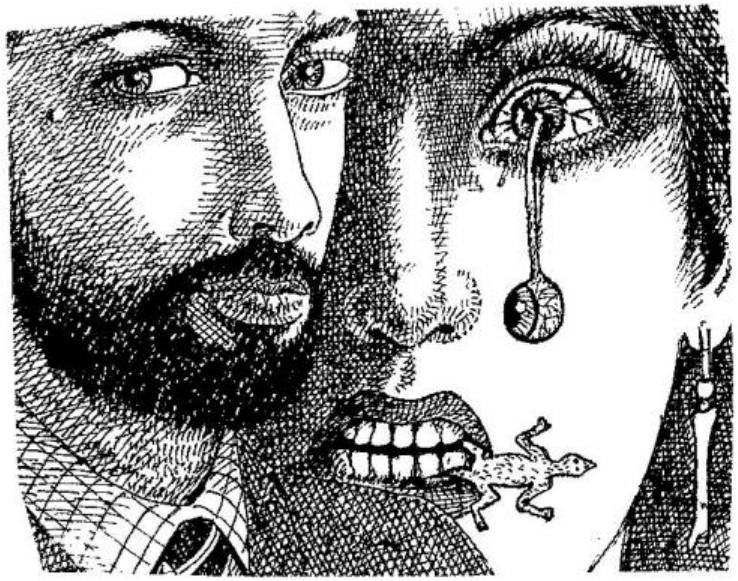

جن زادی

صبا محمد اسلم۔ گوجرانوالہ

آدھی رات کے وقت اچانک ایک انجانی آواز سنائی دی، علینہ اندر کمرے میں مت جانا بلکہ میری بات سنو! یہ سننا تھا کہ علینہ پر کپکپی طاری ہوگئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے.....

کہنے والے کہتے ہیں صبر کرنے والے اور دوسروں سے ہمدردی کرنے والے خوش رہتے ہیں

"علینہ یار کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ٹینشن مت لو۔"

"یار ماہم کیسے ہوگا سب ٹھیک مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا، رمضان آنے والا ہے پھر عید پھر تو سمجھو میرا پیپر لگ ہی جائیگا مگر مجھے پریشانی تو اب ہے کیونکہ گھر میں ابھی کچھ نہیں ہے کھانے کو، امی کا بھی تمہیں پتہ ہے کتنی بیمار ہیں اور عریشہ بھی ابھی چھوٹی ہے میٹرک سے فری ہوئی ہے تو امی کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور عیان تو ابھی فائیو کلاس میں ہے۔"

علینہ کی مریم بچپن کی دوست تھی اور علینہ اس سے اپنی ہر بات شیئر کرتی تھی علینہ کے والد ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوگئے تھے اور بلقیس بانو نے جیسے تیسے کر کے اپنے تین بچے علینہ، عریشہ اور عیان کی پرورش میں لگ گئی تھیں علینہ کو احساس تھا کہ امی دن بدن کام کاج کر کے بہت کمزور ہوتی جا رہی ہیں ویسے بھی علینہ تھی بھی بہت حساس۔

علینہ نے اپنی امی کا ہاتھ بٹانے کا فیصلہ کیا اور بہت ضد کے بعد امی سے بیوٹیشن کورس کرنے کی اجازت لی علینہ روزانہ صبح جاتی اور شام کو گھر آتی وہ جلد از جلد کورس مکمل کرنا چاہتی تھی اور بلقیس بانو کو اپنی بیٹی علینہ پر پورا بھروسہ تھا مگر لوگوں کی باتیں سن سن کر وہ بہت گھبراتی تھیں لوگ علینہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنانے لگے تھے کہ"

صبح کو جاتی ہے شام کا اندھیرا پھیلتے گھر آتی ہے پتہ نہیں کہا جاتی ہے کس سے ملتی ہے وغیرہ وغیرہ" اس لئے بلقیس بانو جلد از جلد یہ گھر بیچ کر کسی دوسرے علاقے میں شفٹ ہونا چاہتی تھیں۔

علینہ کی ضد تھی کہ وہ بیوٹیشن کورس مکمل کئے بنا کہیں نہیں جائے گی۔ بلقیس بانو علینہ کی ضد کے آگے مجبور ہو کر لوگوں کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"امی مجھے اس گھر میں بہت ڈر لگتا ہے اس گھر میں مجھے لگتا ہے کہ بھوت رہتے ہیں۔" عیان رات کو ماں سے کہا تو عریشہ بھی بول اٹھی۔

"امی رات کو مجھے چیخوں کی آواز آرہی تھی۔"

"چپ ہو جاؤ تم دونوں بلا سوچے سمجھے کچھ بھی بولتے رہتے ہو چپ کرو اور جا کر کھانا کھاؤ۔" علینہ بھی وہیں آ بیٹھی تھی۔

علینہ کا کورس مکمل ہوتے ہی ان لوگوں نے کسی دوسرے علاقے میں گھر لے لیا تھا اور پھر ایسا ہوا کہ آسمان گرا کھجور میں اٹکا، لوگوں کی باتوں سے تو بلقیس بانو نے پیچھا چھڑا لیا تھا مگر بیماری سے وہ پیچھا نہ چھڑا سکیں اور بلقیس بانو کو فالج کا اٹیک ہو گیا تھا۔

چونکہ علینہ بڑی تھی تو ساری گھر کی اور بھائی بہن کی پڑھائی کی ذمہ داری علینہ پر آن پڑی تھی اور تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے علینہ نے گھر کی بیک سائیڈ پر ایک چھوٹا سا پارلر بنا لیا تھا۔ اس پر اس چھوٹی سی فیملی کا گزارہ ہو رہا تھا پھر کچھ دنوں سے علینہ کے پاس پارلر کا کام بالکل بھی نہیں آرہا تھا تو اس لئے وہ بے حد پریشان تھی اور کافی عرصے کے بعد مریم علینہ سے ملنے آئی تھی اور وہ بھی اسے تسلی دے کر چلی گئی اور اس سے زیادہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

"آپ کرتی ہیں پارلر کا کام؟" ایک روز ایک انجان لڑکی نے علینہ کے پارلر میں آ کر پوچھا۔

"جی ہاں اور آپ کون ہیں کیا کروانا ہے آپ نے؟"

"میں فلاں جگہ سے آئی ہوں، میری نند کی شادی ہے۔ اور جس پارلر سے ہم لوگ تیار ہوتی ہیں وہاں پر پہلے سے ہی بہت زیادہ بکنگ ہیں اس لئے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ کیا آپ کل پرسوں فری ہیں۔"

"جی ہاں..... بالکل آپ اگر دلہن کو یہاں لے آئیں تو میں اس کا فیشل اور ٹریمنگ وغیرہ کر دیتی۔"

علینہ دل میں اللہ کی شکر گزار تھی کہ اللہ نے اس کی مشکل آسان کر دی ہے۔

دو دن بعد جب علینہ نے دلہن تیار کی تو اس کی لک بالکل چینج تھی وہ دلہن تو بالکل بھی پہچان میں ہی نہیں آرہی تھی سب نے علینہ کی بہت تعریف کی اور پھر تو سمجھو علینہ کی قسمت کھل گئی۔

اریبہ کی کزن کی شادی تھی وہ بھی علینہ سے تیار ہوئی اور بے شمار لڑکیوں نے میک اپ کروایا۔ اب علینہ کے گھر کی ہر چیز آہستہ آہستہ مکمل ہوتی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کے ٹائم علینہ کی آنکھ کھلی تو گھر چیخوں سے گونج رہا تھا علینہ نے ڈرتے ڈرتے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا باہر صحن میں تو جیسے آندھی طوفان کا سا سماں تھا۔ ہر چیز بکھری پڑی تھی آندھی اور چیخوں کی آواز سے علینہ کا سر پھٹنے کے قریب تھا۔ علینہ بری طرح کانپ رہی تھی اور پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔

"ک.....ک.....کو.....کون ہے وہاں؟ کوئی ..... ہے؟" علینہ نے لرزتی آواز سے پوچھا تو کوئی بھی آواز نہیں آئی بلکہ اب شور میں بھی کمی آ چکی تھی، علینہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پر ہر چیز اپنی جگہ پر خود ہی سیٹ ہوتی چلی گئی اب طوفان بالکل تھم چکا تھا ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقے سے رکھی گئی تھی بلکہ اتنی صفائی ہو چکی تھی کہ اگلے دن علینہ کو پارلر جاتے ہوئے صفائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اب علینہ کا ڈر بھی ختم ہو چکا تھا، علینہ اپنی چارپائی پر لیٹ گئی اور لیٹتے ہی نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اگلے روز جب علینہ کچن میں ناشتہ بنانے لگی تو حیران رہ گئی وہاں ناشتہ پہلے سے ہی بنا رکھا تھا علینہ نے ایک نظر ناشتے پر ڈال کر اندر کمرے کی جانب دیکھا تو اپنی چارپائی پر علینہ کی امی بلقیس بانو بے خبر سو رہی تھیں عریشہ بھی سو رہی تھی۔

"یہ ناشتہ کس نے بنایا ہے؟" علینہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔ جلدی سے عیان کو اٹھایا اسکول کے لئے تیار ہونے کا کہہ کر وہ جھاڑو پکڑ کر صحن کی طرف گئی تو صحن کو دیکھ کر ایک اور انکشاف ہوا صحن میں پہلے سے ہی صفائی ہوئی تھی بلکہ گھر روز کی صفائی سے زیادہ چمک رہا تھا علینہ یہ سب دیکھ کر حیران تھی۔

"شاید عریشہ رات دیر تک جاگ کے کام ختم کر کے سوئی ہو۔"

ابھی علینہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ عیان بھاگتا ہوا آیا "آپی..... آپی آج ناشتہ کس نے بنایا ہے۔"

"کیوں کیا ہوا.....؟" علینہ حیران پریشان سی عیان کو دیکھ رہی تھی۔

"آپی آپ نے آج ناشتہ بہت بہت اچھا بنایا ہے دل کرتا تھا اور کھاؤں مگر اسکول کے لئے لیٹ ہو رہا ہوں..... سو سویٹ آپی جان۔" عیان علینہ کے گال پر کس کر کے کب کا جا چکا تھا اور وہ ابھی تک خیالوں میں گم تھی۔

☆.....☆.....☆

"ارے علینہ کیا سوچ رہی۔" علینہ کے پیچھے مریم سے آ کر کندھے پکڑ کر بولی۔

"اوہ مریم تم..... تم نے تو ڈرا ہی دیا آج اتنے دنوں بعد ہماری یاد کیسے آ گئی تمہیں کہ تم پارلر میں ہی آ گئیں۔"

"بس یار تم سے ملنے کو دل کیا تو دوڑتی ہوئی آ گئی گھر پتہ چلا کہ میڈم جی پارلر میں ہیں، سوچا یہاں آ کر سرپرائز دیا جائے سو میں آ گئی۔"

"بہت اچھا کیا میرا بھی دل اداس تھا رونے کو بھی طلب کر رہا ہے آج۔" علینہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"کیوں کیا ہوا میری جان سے پیاری دوست کو، کہیں کوئی شہزادہ تو نہیں مل گیا اس پری کو۔" مریم نے علینہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چہکتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔" مریم نے اچانک ہی سوال کیا..... تو علینہ نے چونک کر سوالیہ نظروں سے مریم کو دیکھا۔

"آج گھر میں کوئی فنکشن ہے کیا یا کوئی آ رہا ہے گھر تو یار ایسے چمک رہا ہے جیسے کسی کی شادی کی تیاری ہو کہیں تم شادی تو نہیں کر رہی مجھے بتایا تک نہیں، بہت بری ہو تم۔" علینہ سے مریم تھوڑی خفا ہو کر دوسری سائیڈ پر منہ کر کے بیٹھ گئی۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میری شادی ہو گی تو سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گی او کے اب تو ناراضگی دور کرو۔" دونوں سہیلیاں کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں اور مریم کے جانے کے بعد علینہ کافی دیر تک سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"علینہ کیوں اتنا کام کرتی ہو تم تھک جاتی ہو گی صبح کو تم ناشتہ کروا کے صفائی کر کے اور کھانا بنا کے پارلر جاتی ہو۔"

"نہیں امی میں بالکل بھی نہیں تھکتی ..... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کام کریں آپ کو پتہ ہے ناں ڈاکٹر نے آپ کو کام کرنے سے منع کیا ہے۔" علینہ نے پیار سے ماں کو سمجھایا۔

"اللہ تیرے نصیب اچھے کرے اللہ تجھے ہمیشہ خوش رکھے میری بچی، اللہ تجھے خوشیوں سے مالا مال کر دے۔" بلقیس بانو نے علینہ کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

☆.....☆.....☆

آدھی رات کے قریب آج پھر پہلے کی طرح چیخوں سے علینہ کی آنکھ کھلی، وہ پھر دروازہ کھول کر صحن میں آئی تو اس دن کی طرح آندھی طوفان تھا پھر کچھ دیر بعد دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ اپنی اپنی جگہ پر خود ترتیب ہونے

لگا علینہ گھبرا گئی اور اندر واپس جانے کے لئے قدم بڑھائے ہی تھے کہ آواز آئی۔

"رک جاؤ علینہ..... ٹھہرو ابھی اندر مت جانا۔"

اپنے پیچھے انجان آواز سن کر علینہ نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں پر کوئی بھی نہیں تھا علینہ پسینے میں بھیگ چکی تھی۔

"ک..... کون..... ن..... ہے..... کون ہے.....؟" علینہ کے حلق سے آواز بمشکل نکل پائی۔

"ڈرو مت پہلے وعدہ کرو کہ بات پوری سنو گی اور کمرے کے اندر نہیں جاؤ گی اور ساتھ ہی وعدہ کرو کہ مجھ سے دوستی کرو گی۔" انجان آواز سن کر علینہ تھر تھر کانپنے لگی اسے اب خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"ک..... ک..... کو..... کون ہو تم..... اور کیوں مجھے ڈرا رہی ہو۔" علینہ نے بمشکل خود پر کنٹرول کرتے ہوئے لرزتی آواز سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو دیکھو گھبراؤ مت میں ایک جن زادی ہوں جو یہ گھر تم لوگوں نے خریدا ہے، یہاں پہلے ہم لوگ رہتے تھے یہ گھر ہمیں بہت پسند تھا جب تم لوگوں نے یہ گھر خریدا تو ہم نے سوچا تمہیں ڈرا کر اس گھر سے بھگا دیں گے مگر جب ہمیں تمہارے گھر کے حالات معلوم پڑے تو میں نے اپنی چھوٹی بہن کو سمجھایا کہ ان لوگوں کو یہیں رہنے دو اب ہم ان لوگوں کو تنگ نہیں کریں گے بس میں اور میری ایک چھوٹی بہن ادھر رہتے ہیں میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں میری طرف سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" جن زادی بات کرتے کرتے علینہ کے سامنے موجود تھی۔

جن زادی کو دیکھ کر علینہ حیران بھی تھی اور خوش بھی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت ایک جن زادی سے بات کر رہی ہے۔

وہ جن زادی بہت ہی زیادہ خوب صورت تھی علینہ تو اسے یک ٹک دیکھے ہی جا رہی تھی، علینہ کا ڈر جن زادی کو دیکھ کر کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔

"اچھا آپ کا نام کیا ہے.....؟" علینہ نے پوچھا۔

"شگوفہ....."

"شگوفہ..... بہت ہی اچھا نام ہے آپ کا۔" علینہ نے دل سے داد دی۔ پھر دونوں میں کافی بات چیت ہوئی۔

شگوفہ نے علینہ کو یہ بھی بتایا کہ "وہ علینہ کی ہیلپ بھی کرتی ہے ناشتہ بھی اس دن اس نے بنایا تھا اور روزانہ وہ صحن کی اور پورے گھر کی صفائی بھی کرتی ہے۔"

علینہ اب بہت خوش تھی۔

"ایک بات یاد رکھو علینہ تم میرے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی۔"

"او کے میرا وعدہ ہے تم سے میں تمہارے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" علینہ خوش ہو کر پرجوش انداز میں بولی۔

☆.....☆.....☆

علینہ اب بہت خوش خوش رہنے لگی تھی کیونکہ شگوفہ اس کا سارا کام کرواتی تھی صبح کا ناشتہ بلکہ بہت مزے کا کھانا بھی بناتی تھی۔

ایک روز علینہ پارلر میں بیٹھی تھی کہ دو عورتیں پارلر میں آئیں فل نقاب میں تھیں ان کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں باقی پورا جسم برقع میں چھپا ہوا تھا۔

"آپ کا نام علینہ ہے.....؟" ان دونوں میں سے ایک خاتون نے دریافت کیا۔

"جی جی..... میں ہی علینہ ہوں مگر آپ لوگ کون ہیں.....؟"

"ہم لوگ یہاں پاس سے ہی آئے ہیں، وہاں قبرستان کے اس پار سے۔ دراصل ہماری بھانجی کی شادی ہے اور اس نے ضد کی ہے کہ وہ تیار ہوگی تو صرف تم سے اور کسی سے بھی نہیں مگر آج تو بہت گرمی ہے اور ابھی تو بارہ بجے ہیں دوپہر کے۔"

"آپ کا فنکشن اور شادی کس دن ہے اور کس ٹائم ہے آپ مجھے بتا دیں پھر میں ریڈی رہوں گی آپ دلہن کو یہاں لے آنا۔" علینہ خاتون سے مخاطب ہوئی۔

"شادی آج ہی اور اسی ٹائم ہے اور آپ کو ہمارے ساتھ ابھی اور اسی وقت جانا ہوگا آپ کی سوچ سے بڑھ کر آپ کو معاوضہ دیا جائے گا۔" ایک خاتون نے کہا۔

"دیکھیں آنٹی آپ دلہن کو یہاں لے آئیں اور میں اس کو بہت اچھا تیار کر دوں گی۔"

"وہ یہاں نہیں آ سکتی بلکہ تمہیں ہمارے ساتھ جانا ہوگا پھر ہم تمہیں واپس بھی چھوڑ جائیں گے۔" خاتون کے اس قدر اصرار پر علینہ جانے کے لئے تیار ہوگئی، میک اپ کا سامان بیگ میں رکھا اور ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئی جب پارلر سے باہر نکلی تو وہاں ایک خوب صورت بگھی موجود تھی جو کہ بہت ہی سجی اور سنوری تھی۔

دونوں عورتیں اس بگھی میں سوار ہوگئیں اور پھر علینہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ علینہ کے بیٹھتے ہی بگھی ایسے جیسے ہوا میں اڑنے لگی علینہ کو ڈر لگنے لگا تو ایک خاتون نے علینہ کو بتایا کہ تم بے فکر رہو اور ڈرو نہیں دراصل ہم جن زادیاں ہیں تمہیں ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جیسے ہی تم ہماری بھانجی کو تیار کر دو گی تو ہم تمہیں واپس چھوڑ جائیں گے۔ گل رخ کی ضد تھی کہ وہ اپنی شادی پر صرف علینہ سے تیار ہوگی اس لئے ہمیں تمہیں لینے کے لئے بھیجا۔"

اب علینہ کافی مطمئن تھی کچھ دیر بعد بگھی ہوا سے زمین پر اتری تو وہاں پر بہت ہجوم تھا، ہر چھوٹے بڑے جن زادے جن زادیاں خوشی سے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

"گھبراؤ مت علینہ یہاں تمہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔" پھر وہ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہاں پر جن زادی گل رخ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھی علینہ کو دیکھتے ہی گل رخ خوشی سے اچھل پڑی اور اپنی سہیلیوں کو باہر بھیج دیا۔

علینہ نے پہلے برقع اتارا اور پھر سب سے پہلے گل رخ کے ہاتھ پاؤں کی دیکسن کی بگل رخ ویسے تو بہت خوب صورت تھی دیکسن کے بعد آئی برو پھر اسکے ہاتھوں کو مہندی لگائی اور پھر خوب دل سے اسے دلہن بنایا میک اپ کے بعد گل رخ کی خوب صورتی میں چار نہیں بلکہ آٹھ چاند لگ گئے اب گل رخ بہت زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی وہ کوئی حور لگ رہی تھی۔

"واؤ..... علینہ تم نے تو گل رخ کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا۔" کمرے میں گل کی آنٹی اندر داخل ہوئیں اور ساتھ ہی داد دیئے بنا نہ رہ سکیں۔

جب گل کی رشتہ دار اور سہیلیوں نے اسے دیکھا تو سب کی سب کہنے لگیں۔ "ہمیں بھی تیار کرو ہمیں بھی تیار کرو۔"

"بس کرو اب علینہ بہت تھک گئی ہے تم اپنی شادی پر تیار ہو جانا۔" گل رخ نے سب سے کہا تو وہ سب مسکرا کر رہ گئیں۔

گل رخ کے گھر والے اور آنٹی نے علینہ کی بڑی آؤ بھگت کی ہیرے جواہرات اور نقد رقم سے نوازا۔ پھر علینہ نے برقع پہنا گل رخ کی وہی دونوں آنٹی علینہ کو واپس چھوڑنے گئیں واپسی پر وہی سفید گھوڑے اور بگھی تھی اس پر سوار ہوئیں تو وہ پھر سے بہت تیزی سے ہوا میں اڑنے لگی اور تھوڑی دیر بعد وہ بگھی علینہ کے پارلر کے سامنے تھی۔ علینہ خوشی خوشی بگھی سے نیچے اتری اور دونوں آنٹی کو خدا حافظ کہا ایک آنٹی نے علینہ کو ہیرے کی انگوٹھی دی جو کہ بہت چمک رہی تھی اور علینہ کے ہاتھ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ پھر علینہ سے اجازت لے کر دونوں رخصت ہوگئیں۔

علینہ جب تھکی تھکی سی پارلر میں رکھے صوفے پر ڈھے سی گئی تو اچانک اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو دیکھا گھڑی میں 5-12 منٹ ہوئے تھے، ابھی بھی بھری دوپہر ہی تھی۔ "ابھی بس پانچ ہی منٹ ہوئے ہیں۔" علینہ یہ سوچ کر رہ گئی۔

اس دن کے بعد علینہ بارہ بجے کے بعد ہی پارلر جاتی تھی کیونکہ اس کا پارلر قبرستان کے بالکل پاس تھا۔ شگوفہ جن زادی ابھی بھی علینہ کی دوست تھی اور اس کا کام بھی کرواتی تھی۔ علینہ اور شگوفہ بہت خوش تھیں اکثر رات کے وقت شگوفہ آتی تو علینہ اور شگوفہ باتیں کرتیں اور پھر بہت خوش ہوئی۔

جان لیوا

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:5

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کہانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میں نے غور سے رحیم بابا کی طرف دیکھا بخار میں تپنے کی وجہ سے ان کا چہرہ انگارے کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ..... آپ رہنے دیں....." میں بول اٹھا۔

"میں خود ہی چلا جاؤں گا۔"

"تم کیسے جاؤ گے میرے بچے۔" انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"ابھی تمہارا دل اتنا مضبوط نہیں ہوا۔"

میں نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور وہ بستر پر قدرے نیم دراز ہو گئے۔

"میں اسے مضبوط کرلوں گا، آپ پریشان نہ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھو....." انہوں نے مجھے سمجھایا۔

"اگر تم اکیلے گئے، تو تمہارے بارے میں اٹھنے والے زمینی اندیشے میری طبیعت کو اور بھی خراب کر سکتے ہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔"

"لیکن آپ اپنی طبیعت تو دیکھیں۔"

"ٹھیک ہو جائے گی..... تم فکر مت کرو۔" وہ اٹھ گئے تھے۔

کوشش کے باوجود وہ میری بات ماننے کو تیار نہیں تھے آخر کار میں نے انہیں دوا کھلائی اور پھر ان کے ساتھ ایک بار پھر قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

انہوں نے راستے میں کہا۔ "تم مجھے ناراض سے دکھائی دے رہے ہو۔"

"نہیں رحیم بابا۔"

"تم بات مت اڑاؤ..... میں جانتا ہوں کہ اس حالت میں میرا چلنا تمہیں گوارا نہیں ہو رہا..... لیکن میں مجبور ہوں۔"

"کیا مجبوری ہے آپ کو؟" میں کہہ اٹھا۔

"اب تو میں اس ماحول کا عادی ہو چکا ہوں۔"

"میں اس بات سے واقف ہوں۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا دشمن ان آخری مراحل میں کوئی بھی چال چل سکتا ہے..... اور اس صورت میں تمہاری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

"وہ..... وہ کیا کر سکتا ہے۔" میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"کاش..... یہ بات مجھے معلوم ہو سکتی۔"

انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

پھر میں خاموش ہی رہا جلد ہی ہم قبرستان کے قریب پہنچ چکے تھے یہ ہمارا معمول تھا کہ رکشہ والے کو ہم ذرا فاصلے پر ہی روک لیا کرتے تھے اور پھر باقی راستہ پیدل طے کیا جاتا تھا۔

لیکن آج میں رکشے کو قبرستان کے سامنے ہی لے کر آ گیا تھا۔

"بس..... یہاں روک دو....." میں نے رکشے والے کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

اس نے فوراً ہی رکشہ روکا اور مڑ کر پوچھا۔

"کیا راستہ بھول گئے ہو بابو جی۔"

"نہیں..... کیوں.....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ارے..... سامنے تو قبرستان ہے۔"

"ہاں..... یہی ہماری منزل ہے۔" میں نے جواب دیا اور رکشے سے اتر پڑا۔

ساتھ ہی میں نے جیب سے کرایہ نکالا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رکشے والے کے چہرے پر الجھن کے ساتھ ساتھ حیرت کے بھی تاثرات صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

میں نے جیسے ہی سہارا دے کر رحیم بابا کو نیچے اتارا، رکشہ والا فوراً ہی وہاں سے چمپت ہو گیا۔

شاید اس پر ہول طاری ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ وہ کمزور اعصاب کا مالک ہو، بہرحال اس کے جاتے ہی میں رحیم بابا کے ساتھ قبرستان کے سناٹے کو چیرتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

اپنی مخصوص جگہ پہنچنے کے بعد میں نے رحیم بابا کے لئے ساتھ میں لائی ہوئی چادر ایک درخت کے نیچے بچھائی اور بولا۔

"آپ فوراً ہی یہاں لیٹ جائیں۔" میں خود اپنا کام شروع کرلوں گا۔

"میری طبیعت اب کافی بہتر ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولے۔

"تمہارے گرد حصار کھینچنا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں..... اس کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں صرف اور صرف آرام کروں گا۔"

"کیا حصار بہت ضروری ہے؟"

"ہاں..... ورنہ....." وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"ورنہ کیا.....؟"

"جنگل میں جب درندوں کا شکار کیا جاتا ہے، تو وہاں مچان ضروری ہوتا ہے، ورنہ رات کے کسی بھی پہر وہ درندے شکاریوں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ بس یہ حصار اسی مچان کے موافق ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔

"اب تم بیٹھ جاؤ..... میں حصار کرنے لگا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنی مخصوص پڑھائی کے بعد میرے گرد حصار کیا اور حسب وعدہ اپنی جگہ پر لیٹ گئے۔

میں نے مڑ کر دیکھا چار جرلائٹ کی روشنی میں ان کی آنکھیں نیم وا ہو چکی تھیں..... یقیناً طبیعت کی خرابی کے باعث نقاہت کی بنا پر انہیں نیند نے آلیا تھا۔

اب وقتی طور پر میں جان لیوا کے مقابلے میں تنہا تھا۔ قبرستان کے اس ہولناک ماحول نے مجھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی، تو میں نے فوراً ہی اپنے سر کو جھٹکا۔

یہ ایک کوشش تھی کہ میں اس پر ہیبت رات کے سناٹے کا خوف اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دوں۔

میں نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میں اس میں کامیاب ہوا کہ نہیں اور پھر میں نے اپنا وظیفہ شروع کر دیا۔

جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے درمیان رات کا دوسرا پہر بھی گزرنے لگا میں ورد کے دوران کبھی آنکھیں کھول لیتا اور کبھی انہیں بند کر لیتا تھا۔

میں جس جگہ بیٹھا ہوا تھا اس سے چند گز کے فاصلے پر ایک کچی قبر موجود تھی، جس پر مرنے والے کا

کتبہ نہیں تھا۔ البتہ اس کے سرہانے پر رکھا ہوا پتھر اس بات کی نشانی تھی کہ وہاں کوئی "موجود" ہے۔

اچانک ہی ایک چرچراہٹ کی سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور میں چونک اٹھا۔ نہ جانے کیوں میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

یہ کیسی آواز تھی؟ کہاں سے آئی تھی۔؟ میں نے وردِ جاری رکھتے ہوئے سوچا۔

بے ساختہ میری نگاہیں اسی کچی قبر کی طرف اٹھ گئیں۔ چار جنگ لائٹ کی روشنی اس حصے میں اگرچہ گزور پڑ رہی تھی، لیکن وہ اتنی بھی مدھم نہیں تھی کہ میں وہ ہولناک منظر نہ دیکھ سکتا۔

ایک بار پھر وہی چرچراہٹ گونجی اور میں نے قبر کو شق ہوتے ہوئے دیکھا۔

عین اسی وقت قبر کے درمیان میں دراڑ سی پڑ گئی تھی پھر۔ اس پھٹنے والی زمین سے ایک کفن میں لپٹا ہوا خالی وجود اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میرا اس وقت کیا عالم ہوگا؟ کیا کیفیت ہوگی؟ میں ان لمحات کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

خوف دہر اس کی لپیٹ میں آ کر میں رحیم بابا کے پاس میں اٹھ کھڑا ہوا۔ قریب تھا کہ وہ مردہ اٹھ کر میری طرف لپکتا میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا کیونکہ میں واضح طور پر دیکھ رہا تھا کہ پھٹی ہوئی قبر سے نکلنے والا وجود اب میری طرف ہی گردن گھما کر متوجہ ہو چکا ہے۔

میں نے حصار کے دائرے کی طرف قدم بڑھا دیا، میری ٹانگوں میں لغزش تھی اور دل بھی دھاڑ دھاڑ بج رہا تھا۔ مجھے اپنے دماغ کی نسیں پھٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

سیکنڈ کے ہزارویں لمحے میں، میں دائرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ ایک جانی پہچانی آواز نے میرے قدموں کو جکڑ لیا۔

"یہ کیا حماقت کر رہے ہو شکیل.....؟" یہ رحیم بابا کی آواز تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اگر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو اس دائرے کو پار مت کرنا..... بیٹھ جاؤ..... اور ورد کو مت چھوڑنا یہ صرف دھوکا ہے یہ تمہارے دشمن کا وار ہے۔ کوئی بے وقوفی مت کرنا..... خدارا واپس پلٹو اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔"

میں تشنی انداز میں گھوما اور حیران رہ گیا وہاں مردے کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور وہ قبر بھی اپنی جگہ پر قائم و دائم تھی دور دور تک اس بات کے آثار نہیں تھے کہ اس قبر میں کوئی چھوٹا سا سوراخ بھی ہوا ہو۔

میں دنگ رہ گیا کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا؟ یا پھر یہ کوئی جادو تھا۔ نظر کی بندش تھی.....؟ یہ..... پھر کیا تھا؟"

ورد جاری رکھتے ہوئے میں دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا دل کی دھڑکن کو اعتدال پر آنے میں ابھی کافی وقت لگتا میں نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں رحیم بابا کی آواز میرے لئے کسی طاقت کے خزانے سے کم نہیں تھی۔

اب وہاں سب کچھ پہلے جیسا تھا۔ میرا وظیفہ ایک بار پھر کامیابی کی منزلوں کو طے کرنے لگا۔

اور پھر وہ دن بھی آ پہنچا، کہ جب میں رحیم بابا کا بتایا ہوا وظیفے کا چلہ مکمل کرلیتا..... ہاں! چالیسواں دن شروع ہو چکا تھا۔ اور آج رات میں اپنا آخری وظیفہ شروع کر کے اس طویل اور صبر آزما محنت کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتا۔

رحیم بابا نے کہا تھا کہ وہ اس دن دوپہر سے ہی حویلی آ جائیں گے اور اس کی وجہ یقیناً یہی رہی ہوگی کہ وہ اس خاص رات کے لئے مجھے سمجھاتے اور خصوصی ہدایت دیتے۔

ابھی ان کے آنے میں کافی دیر باقی تھی چنانچہ میں ناشتہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

چونکہ آج مجھے خاصی مشقت کرنا تھی، اس لئے اپنے ذہن کو تھوڑی سی تفریح فراہم کرنا ضروری تھا۔

یوں بھی سدو سے ملے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے چنانچہ میں اسکے گھر کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

دروازے پر دستک کے جواب میں اس کی والدہ کا چہرہ دکھائی دیا، پہلے تو ان کے تاثرات شدید بھنائے ہوئے دکھائی دیئے۔ لیکن پھر جیسے ہی انہوں نے مجھے پہچانا یک لخت ہی بے زاری اور غصہ رفو چکر ہوگیا۔

''ارے..... یہ تم ہو شکیل بیٹا۔'' وہ جلدی سے بولیں۔

''میں سمجھی تھی کہ ضرور اس کا کوئی آوارہ دوست ہوگا۔''

''اوہ.....'' میں ہنسا۔

''اسی لئے آپ غصے میں تھیں۔ کیا اس کی بیٹھک اب بھی ان ہی لڑکوں میں ہے خالہ.....؟''

''کیوں.....؟'' وہ تنک کر بولیں۔

''اب کیا اس کی دم نکل آئی ہے.....؟''

''مم..... میرا مطلب ہے کہ وہ تو کافی بدل گیا تھا۔'' میں جلدی سے بولا۔

''میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اس نے ٹیوشن پڑھانا شروع کردیا تھا۔''

''وہ تو پڑھاتا ہے۔'' ان کا لہجہ نرم ہوگیا۔

''لیکن جب کوئی دوست آجائے تو آپے سے باہر ہوکر اس کے ساتھ کہیں نکل کھڑا ہوتا ہے..... سب کچھ بھول جاتا ہے۔''

''ہوں.....'' میں نے گردن ہلائی۔

''ابھی کہاں ہے وہ.....؟''

''ہے تو گھر میں ہی۔'' انہوں نے بتایا۔

''بچوں کو پڑھا رہا ہے۔''

''اوہ اچھا.....'' میں چونک گیا۔

''ٹھیک ہے خالہ..... پھر میں چلتا ہوں تھوڑی دیر بعد آجاؤں گا۔''

''نہیں..... تم رکو..... میں اسے بلاتی ہوں۔ تم کون سا روز روز آتے ہو اور تمہاری صحبت بری بھی نہیں ہے یوں بھی وہ اب بچوں سے فارغ ہونے ہی والا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئیں..... جلد ہی سدو کا چہرہ دکھائی دیا۔

''کمال ہے یار۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''میں آج تمہیں یاد ہی کررہا تھا اور تم نازل ہوگئے۔''

''میں جب بھی تم سے ملتا ہوں، تم یہی بات کرتے ہو۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''تم نے خود سے کبھی میری خبر لی؟''

''یار..... سچ بتاؤں۔''

''ہاں..... بولو۔''

''میں اکثر تمہاری طرف آنے کے لئے نکلتا ہوں۔''

''ارے..... تو کیا راستہ بھٹک جاتے ہو؟''

''یہی سمجھ لو..... کوئی نہ کوئی کم بخت مل جاتا ہے اور پھر میں ادھر ادھر نکل جاتا ہوں۔''

''ڈبو پر ہی جاتے ہوگے۔''

''زیادہ تر.....'' اس نے خلوص سے کہا۔

''ویسے میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہاں بالکل نہ جاؤں۔''

میں بے ساختہ ہنس دیا..... وہ فوراً بولا۔

''اچھا..... تم ذرا دیر رکو..... میں ٹیوشن پڑھا رہا تھا بچوں کو چھٹی دے کر آتا ہوں۔''

''میں چلا جاتا ہوں، پھر کسی وقت آجاؤں گا۔''

''اماں رکو.....'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''اتنی مشکلوں سے تو تم ہاتھ لگتے ہو..... میں آرہا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ گھر میں گھس گیا، جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور پھر وہ مجھے لے کر ادھر ادھر ڈولتا رہا۔

کھیل اور تفریح کے ساتھ ساتھ سدو کی باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اچانک ہی گھڑی پر نظر پڑی تو میں چونک اٹھا۔

آج سدو نے ہوٹل میں ہی کھانا کھلایا تھا اور اب سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔

میں یک لخت ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا سدو..... اب میں چلتا ہوں۔ پھر ملیں گے۔''

''ارے..... اچانک کہاں کا درد اٹھا ہے۔'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''ابھی تو تم اچھے بھلے تھے۔ کیا باتھ روم جانا ہے؟''

''نہیں یار..... بہت ضروری کام ہے۔''

''مجھے تو کچھ دال میں کالا لگتا ہے۔'' اس نے غور سے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' میں چونک اٹھا۔

''ایک بات بتاؤں؟'' سدو بڑے اسٹائل سے بولا۔

''سدو کو غفلت میں رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔'' سدو نے غور سے دیکھا۔

''کوئی خاص بات ضرور ہے۔''

''ہاں سدو۔'' میں نے اقرار کیا۔

''میں واقعی تم سے کچھ چھپا رہا ہوں..... لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ جیسے ہی میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا سب سے پہلے تمہیں اس راز سے آگاہ کروں گا۔''

''یعنی تم ابھی نہیں بتاؤ گے۔''

''ابھی وقت مناسب نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''یوں بھی میں ذرا جلدی میں ہوں۔''

''خیر تمہاری مرضی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ سدو مرتے دم تک اپنی دوستی نبھائے گا۔ اگر رات کے پچھلے پہر بھی کام آپڑے تو سدو حاضر ہے۔''

''مجھے یقین ہے۔'' میں مسکرایا۔

''اب میں چلتا ہوں، جلد ملاقات ہوگی۔''

گھر واپس لوٹا تو رحیم بابا کا کہیں اتا پتا نہیں تھا، میں قدرے تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے وعدے پر قائم رہتے تھے اور ان کے بقول وہ دوپہر میں یہاں موجود ہوتے۔ لیکن وہ ابھی تک حویلی نہیں پہنچے تھے، حالانکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ یہاں میری راہ دیکھ رہے ہوں گے سدو کے پاس سے بھاگ نکلنے کی وجہ بھی یہی تھی۔

میری بے تابی دیکھ کر ماں جی نے پوچھا۔

''کیا ہوا..... کوئی خاص بات ہے؟''

میں کیا جواب دیتا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ ماں جی قبرستان والے معاملے سے قطعی بے خبر ہیں۔ انہوں نے مجھے علم سیکھنے کی اجازت تو دے دی تھی لیکن انہیں یہ بات ہرگز معلوم نہیں تھی کہ میں رحیم بابا کے ساتھ گزشتہ 39 دنوں سے قبرستان جارہا ہوں۔

یہ بات وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ ہمارے آنے اور جانے کا تمام وقت اسی دوران ختم ہوجاتا تھا کہ جب وہ نیند سے بیدار ہوتی تھیں۔ یہ معاملہ کچھ اسی طرح کا تھا کہ جو میرے والد نے اپنی موت سے کچھ دن قبل میرے ساتھ روا رکھا تھا۔

فرق صرف یہ تھا کہ وہ مجھے حویلی کے دوسرے حصے میں لے جایا کرتے تھے اور رحیم بابا ماں جی کی موجودگی میں مجھے قبرستان لے جانے لگے تھے۔

والد صاحب کا راز کھل گیا تھا، البتہ رحیم بابا کا معاملہ اب تک پوشیدہ تھا چنانچہ میں جلدی سے بولا۔

''ہاں ماں جی..... ہے تو کچھ خاص ہی۔''

''کیا ہوا..... مجھے بتاؤ۔''

''وہ مجھے آج کل ایک خاص علم سکھا رہے ہیں اور آج اس کا آخری دن ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں آنے جلدی آنا تھا۔''

''اوہ..... تو یہ بات ہے۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''کیسا علم ہے وہ؟''

''اس علم کو حاصل کرنے کے بعد مجھے اپنے دشمن پر وار کرنا ہے۔''

''اچھا..... خدا تمہیں کامیاب کرے گا۔'' وہ

سر ہلا کر بولیں۔

”مجھے رحیم بھائی پر بھی پورا بھروسہ ہے۔“

”وہ واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔“ میں نے تائید کی۔

پھر ماں جی وہاں سے چلی گئی تھیں، میری بے چینی اب بڑھتی جا رہی تھی جب شام بھی رخصت ہونے لگی تو میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور ماں جی کو ڈھونڈتا ہوا کچن کی طرف آ نکلا۔

انہیں دیکھتے ہی میں نے کہا۔

”ماں جی...... میں جا رہا ہوں۔“

”کہاں......؟“

”قاسم ماموں کے گھر۔“

”کیوں......؟“

”نہ جانے کیا بات ہے۔“ میرے لہجے میں تشویش تھی۔

”ویسے ہی کچھ دنوں سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں۔“

ماں جی خاموش ہی رہیں اور پھر میں گھر سے باہر نکل آیا۔ جلد ہی میں ایک رکشہ میں سوار ہو کر قاسم ماموں کے گھر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

ایک نئے چہرے نے دروازہ کھول کر میرا استقبال کیا تھا، یہ شاید قاسم ماموں کا ملازم تھا۔

میں اس بات سے واقف تھا کہ قاسم ماموں نے سحر ممانی کے ساتھ ساتھ اپنے نوکر جوڑے کو بھی گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ اور ان کی جگہ کچھ نئے ملازم رکھ لئے تھے۔

دروازہ کھولنے والے نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

”جی...... فرمائیں۔“

”مجھے رحیم بابا سے ملنا ہے۔“

”رحیم بابا......“ وہ چونک سا گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔

”کیا آپ ان کے صاحبزادے ہیں؟“

”نہیں...... کیوں......؟“

”پھر آپ کون ہیں؟“ اس نے میرے لیو پر توجہ دیئے بغیر پوچھا۔

”بھئی میں ان کا واقف کار ہوں اور ان سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔“

”اوہ...... تو کیا آپ کو ان کی طبیعت کے بارے میں علم نہیں ہے؟“

”نہیں...... کیوں کیا ہوا؟“

”آج صبح ان کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی تھی۔“ اس نے گویا دھماکہ کیا۔

”صاحب جی انہیں خود بڑے اسپتال لے کر گئے ہیں اور وہ لوگ اب تک واپس نہیں لوٹے۔“

یہ سن کر مجھے ایک شدید قسم کا دھچکا لگا، میں گویا سناٹے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

گزشتہ کچھ دنوں سے رحیم بابا کی طبیعت ناساز ضرور تھی، لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک ہی اسپتال جانے کی نوبت آ جائے گی۔

چنانچہ میں تڑپ اٹھا اور کہا۔

”کہاں گئے ہیں وہ؟“

”بڑے اسپتال۔“ جواب ملا۔

”ارے...... اس شہر میں درجنوں کے حساب سے بڑے اسپتال ہیں۔“ میں تیز لہجے میں بولا۔

”نام تو بتاؤ اسپتال کا۔“

”ایک منٹ آپ رکیں۔“ وہ چٹکی بجا کر بولا۔

”میں دلاور سے پوچھ کر ابھی آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ مڑا اور اندرونی حصے میں چلا گیا۔ مجھے اب اس کی سادگی پر غصہ آنے لگا تھا۔ کتنا بدھو تھا وہ۔

جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور وہ لمبی سانس کھینچ کر بولا۔

”نیشنل اسپتال۔“

”ہوں...... شکریہ۔“ میں سر ہلا کر بولا۔

میں نے نیشنل اسپتال کا راستہ لیا اور جلد ہی میں اسپتال کے کمپاؤنڈ میں موجود تھا۔

اب مسئلہ تھا قاسم ماموں اور رحیم بابا کو ڈھونڈنے کا...... کیونکہ یہاں تو لوگوں کا ایک ہجوم بلا کا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ شہر کا کافی مشہور اسپتال تھا اور اسی وجہ سے یہاں مریضوں اور ان کے ساتھ آنے والوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اس بھیڑ بھاڑ کے باوجود میں نے اسپتال کے کئی حصے دیکھ ڈالے، آخر کار ایمرجنسی وارڈ کے انتظارگاہ میں مجھے قاسم ماموں ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے دکھائی دے گئے میں لپک کر ان کی طرف بڑھا۔

وہ کسی سوچ میں گم تھے، میں نے آواز دی تو انہوں نے چونک کر سر اٹھایا پھر وہ اٹھ کر بے ساختہ مجھ سے بغل گیر ہو گئے۔

یہ بات سچ تھی کہ ان سے ملے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا، لیکن ان کے ملنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ برسوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔

”کیسے ہو شکیل اور باجی کے کیا حال ہیں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”آؤ...... ادھر ہی بیٹھ جاؤ۔“

میں ان کے برابر میں ہی براجمان ہو گیا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں اور ماں جی بھی...... یہ بتائیں کہ رحیم بابا کی کیا کنڈیشن ہے انہیں آخر کیا ہوا ہے؟“

”بس...... اچانک ہی ان کی طبیعت بگڑی تھی۔ قاسم ماموں یک لخت سخت سنجیدہ ہو گئے۔

”میں فوراً ہی انہیں لے کر بھاگا، کیونکہ منہ سے جھاگ آنے لگے تھے۔“

”اوہ......“ میرے منہ سے نکلا۔

”ایسا کیا ہوا آخر۔“

”کافی دیر سے آئی سی یو میں ہیں۔“ وہ بولے۔

”ڈاکٹر نے انہیں اپنی تحویل میں لے رکھا ہے فی الحال ملنے پر بھی پابندی ہے۔“

”اللہ رحم کرے۔“ میرے منہ سے نکلا۔

”آپ نے ڈاکٹر سے ان کے بارے میں پوچھا تھا؟“

”ہاں...... کچھ ٹیسٹ وغیرہ ہوئے ہیں۔ ان کی رپورٹ آنے کے بعد ہی ڈاکٹر کوئی بات کر سکے گا۔ میں اب اسی انتظار میں بیٹھا ہوں تم یہ بتاؤ کہ ان کے بارے میں خبر کیسے ملی؟“

”بس اتفاق۔“ میں جلدی سے بولا۔

”رحیم بابا اکثر گھر کی طرف آتے رہتے ہیں کافی دنوں سے وہ آئے نہیں تھے میں نے سوچا کہ آج گھر کی طرف نکل چلوں آپ سے بھی ملاقات ہو جائے گی وہاں پہنچا تو یہ خبر ملی۔“

”دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔“ قاسم ماموں نے سر ہلایا۔

”ورنہ تم کو شاید ان کی حالت کی خبر بھی نہ ہوتی۔“

”آپ نے بھی تو بالکل رابطہ ختم کر دیا ہے۔“ میں نے شکایت کی۔

”یہ بات نہیں ہے شکیل۔“ وہ بولے۔

”میری مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے میں اس عرصے میں شہر میں ہی کم رہا ہوں۔ تم یقین کرو کہ میں پرسوں ہی ایک شہر سے واپس لوٹا ہوں اور آج یہ معاملہ ہو گیا رحیم بابا میرے بزرگوں کی طرح ہیں اور یوں بھی اب ان کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں یہاں دکھائی دے رہا ہوں۔“

”جی ہاں...... یہ بات تو ہے۔“ میں نے سر ہلایا۔

”خود مجھے بھی ان سے بہت انسیت ہو گئی ہے۔“

”بس دعا کرو کہ انہیں صحت اور تندرستی عطا ہو۔“

ان ہی کی باتیں کرتے ہوئے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ آنکھوں کے سامنے ہی نہ جانے کتنے مریض...... کتنے حادثوں کا شکار لوگ آتے جاتے رہے۔

آخر کار خدا خدا کر کے ڈاکٹر کی شکل دکھائی دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"عمر کے حساب سے ان کے سارے ٹیسٹ بھی کافی بہتر آئے ہیں۔"

"انہیں ہوا کیا تھا؟" قاسم ماموں نے پوچھا۔

"کافی دنوں کا بخار تھا، جو کہ اب تیز ہو کر دماغ پر اثر انداز ہو چکا تھا۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

"آپ کو شاید علم نہ ہو کہ انہیں ذہنی جھٹکے بھی پہنچے تھے۔ لیکن اب ان کا بخار اتر چکا ہے۔"

"کیا ان سے ملنا ممکن ہے؟ وہ ہوش میں ہیں؟" قاسم ماموں نے دریافت کیا۔

"بالکل ..... لیکن باری باری ملنا ہوگا۔" اس نے بتایا۔

"کیا آپ دونوں ان کے صاحب زادے ہیں؟"

"یہی سمجھ لیں۔" میں مسکرایا۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

"بروقت علاج ہو گیا ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا یوں تو زندگی اور موت کا مالک رب ہے۔ انسان تو صرف کوشش کر سکتا ہے ارے ہاں میں تو بھول ہی گیا وہ بالکل ہوش میں ہیں آپ سے باتیں بھی کریں گے جائیں۔"

"کیا ہم انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔" قاسم ماموں نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

"آج تو کسی صورت بھی ممکن نہیں ہوگا۔" ڈاکٹر نے حتمی انداز میں جواب دیا۔

"کیونکہ تازہ تازہ معاملہ ہے طبیعت تو بالکل بہتر ہے لیکن ہم انہیں کم از کم ایک دن اپنی نگہداشت میں رکھیں گے۔"

"اوہ.....!"

"آپ فکر مت کریں ماموں۔" میں نے فوراً سے کہا۔

"میں یہاں رک جاؤں گا، آپ صرف ماں جی کو اطلاع کر دیجیے گا۔"

"میں انہیں اپنے گھر ہی لے جاؤں گا۔" قاسم ماموں نے جواب دیا۔

"وہ یہاں اکیلی رہ کر کیا کریں گی۔ تم تو شادی کر نہیں رہے ہو۔" یہ سن کر میں ہنس پڑا اور بولا۔

"مجھ سے پہلے تو آپ کا حق ہے یہ۔"

"سحر کے بعد کوئی اور دل کو نہیں بھایا۔" وہ طویل سانس لے کر بولے۔

"لیکن زندگی تو گزارنی ہے ناماموں۔" میں ناصحانہ انداز میں بولا۔

"جائیں آپ رحیم بابا سے مل کر نکل جائیں۔"

"اچھا..... ٹھیک ہے کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فوراً فون کرنا۔"

پھر وہ رحیم بابا سے مل کر وہاں سے چلے گئے، اب میری باری تھی، میں ان کے روم میں داخل ہوا تو رحیم بابا کے ڈرپ چڑھ رہی تھی، انہوں نے زندگی سے بھرپور انداز میں مسکرا کر میرا استقبال کیا۔

"آؤ فرزند..... آؤ۔"

"یہ آپ نے کیا کر لیا....." میں فوراً ہی ان کے قریب جا بیٹھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بولے۔

"یہ صرف اور صرف رکاوٹ ہے بیٹا۔"

"رکاوٹ.....؟" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں....." ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"یہ میری طبیعت کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ جان لیوا کا حملہ ہے۔"

ان کی بات سن کر میں کافی دیر تک خاموش ہی رہا اور ان کی شکل دیکھتا رہا۔

پھر میرے ہونٹ ہلے۔

"کیسا حملہ رحیم بابا؟"

"آج تمہارے چلے کا کون سا دن ہے؟" وہ دبی آواز میں بولے۔

"چالیسواں....." میرے منہ سے نکلا۔

"یعنی آخری دن..... ہے نا.....؟" وہ اگر بولے۔

"جی..... بالکل۔" میں نے جواب دیا۔

"بس..... یہ اسی کو روکنے کی سازش ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"دشمن نے یہ حملہ اسی لئے کیا ہے کہ میں قبرستان نہ جا سکوں۔ ورنہ ظاہری طور پر میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن آپ فکر مت کریں۔"

"کیا مطلب.....؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آپ کو میرے ساتھ قبرستان جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود چلا جاؤں گا۔" میرے لہجے میں عزم تھا۔

"ت..... تم کیسے جاؤ گے.....؟" انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"اور اگر چلے بھی گئے تو..... وہ ضرور تمہارا عمل خراب کرنے کے جتن کرے گا۔ تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ وہ کس طرح سے حملے کرتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے تائید کی۔

"لیکن میں آپ کو اس حالت میں ہرگز وہاں نہیں جانے دوں گا۔ میں خود ہی دیکھ لوں گا۔"

"میں اب ٹھیک ہوں میرے بچے۔" وہ بولے۔

"تم میری فکر مت کرو..... ہم دونوں رات میں یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"نہیں بابا....." میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ آرام کریں اور یہاں بیٹھ کر میرے لئے دعا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ میں وہاں سے کامیاب لوٹوں گا۔"

عین اسی وقت ایک میل نرس اندر داخل ہوا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اب آپ باہر چلے جائیں۔ ان کی ٹریٹ منٹ کا وقت ہو گیا ہے۔"

"بس جاتا ہوں....." میں جلدی سے بولا۔

پھر میں نے رحیم بابا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بولا۔

"مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ صرف دعاؤں کی۔"

☆.....☆.....☆

اور یہ حقیقت تھی کہ رحیم بابا کا وہاں سے نکلنا ممکن بھی نہیں تھا۔

اب بازی صرف اور صرف میرے ہاتھ تھی۔ جیت یا ہار کا فیصلہ تو قسمت کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن مقابلے کا یہ کھیل مجھے تنہا ہی کھیلنا تھا۔ کیونکہ اس میدان میں میرا کپتان بیمار پڑ چکا تھا اور یہ بات مجھے گوارا نہیں تھی کہ انہیں اس حال میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔

قبرستان جانے سے پہلے بھی میں ان سے ملا تھا میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ ان کی آنکھوں میں تشویش کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

میں نے انہیں بھرپور انداز میں دلاسہ دیا اور ڈاکٹر سے ان کے متعلق اطمینان بخش خبر لے کر وہاں سے نکل آیا۔

میرا رخ قبرستان کی طرف تھا، جلد ہی میں اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھا۔

آج میں نے اپنے گرد خود ہی حصار کھینچا تھا۔ اور اس کے متعلق مجھے رحیم بابا نے ہی بتایا تھا۔

میں نے اپنے ذہن کو منزل کی طرف مرکوز کیا اور اپنے چلے کا آغاز کر دیا میں نے آج اپنا یہ آخری دن کامیابی سے گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اب تک میں نے اس چلے کی تمام رکاوٹوں کو رحیم بابا کی مدد سے دور کیا تھا، لیکن آج مجھے اکیلے ہی جان لیوا کے کسی بھی ممکنہ حملے کا سامنا کرنا تھا۔

چنانچہ میں مستحکم ہو کر ذہنی طور پر ہر قسم کی صورت حال کے لئے تیار ہو کر بیٹھا تھا۔

رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ آج

صاف وشفاف آسمان پر چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔
اور اسی کی پھیلی ہوئی چاندنی کی آب وتاب کی طرح میں اپنی کامیابی کا جذبہ لے کر اس قبرستان میں تنہا تھا۔

میں اپنے وظیفے میں معروف تھا کہ اچانک ہی سوکھے ہوئے پتوں کی چرچراہٹ نے اس سناٹے کا سینہ چیر کر رکھ دیا۔

میری بری طرح چونک اٹھا، بے ساختہ نظر اٹھائی تو سامنے وہی کالے رنگ کا ہیولہ موجود تھا جس سے جنگل میں کئی بار ملاقات ہوئی تھی میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

رات..... قبرستان..... تنہائی اور وحشت زدہ سناٹے میں اس ہیولے کی آمد نے ماحول کو مزید ہیبت ناک بنا دیا تھا۔

اس کے قدم آہستہ آہستہ میری طرف اٹھ رہے تھے اور اسی رفتار سے مجھ پر خوف سوار ہونے لگتا تھا۔

میں نے بھرپور انداز میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کی..... یہ..... یہ ضرور کوئی نیا حملہ ہے..... ہاں..... یہ اس حصار میں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' میں نے خود کو حوصلہ دیتے ہوئے سوچا۔

دفعتاً مجھے رحیم بابا کی یاد آ گئی وہ اس موقع پر میری ہمت اور ڈھارس کا موجب بنتے، مگر افسوس کہ وہ میرے ساتھ نہیں تھے۔

میں نے جیسے تیسے اپنا ورد جاری رکھا کالے رنگ کا لبادہ پہنے ہوئے وہ ہیولہ اب مزید نزدیک آ چکا تھا۔

میں نے اپنے ہاتھ پیروں کے ساتھ ساتھ ہونٹوں پر بھی لغزش محسوس کر لی تھی میرا پورا وجود سنسنا رہا تھا۔

ہیولہ اس حصار کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں تھا۔ اس کا سر اور گردن آج بھی کالے رنگ کی چادر میں چھپا ہوا تھا۔ اور پھر اس کی بھاری اور کھنک دار سی آواز گونجی۔

''ڈرو نہیں شکیل..... میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے نہیں، بلکہ اپنی ہار کا اعلان کرنے آیا ہوں..... تم جیت گئے اور..... میں ہار گیا۔''

''تم..... تم کون ہو؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

یہ جملہ میں نے اپنا وظیفہ روک کر ادا کیا تھا، فوراً ہی مجھے اس بات کا احساس ہوا اور میں نے وظیفہ دوبارہ شروع کر دیا۔

''میں جان لیوا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی ہار مان چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنی پڑھائی روک کر مجھ سے بات کی ہے لیکن اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے جذبے اور ہمت نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ میں اپنے جرائم کا اعتراف کر لوں اور اپنے کیے کی سزا پاؤں۔''

یہ سن کر بھی میں نے اپنا ورد جاری رکھا، پھر وہ خود ہی بولا۔

''میں نے تمہارے خاندان کے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، ان لوگوں میں تمہارا سگا باپ بھی شامل ہے..... یہ لو..... تم مجھ سے کم از کم اپنے باپ کی موت کا بدلہ تو لے لو۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا میں نے دیکھا اس کی کھلی ہوئی ہتھیلی پر خنجر رکھا ہوا تھا..... تیز دھار والا خنجر..... اور میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا ہاں.....

یہ وہی خنجر تھا جس سے ماں جی نے میری آنکھوں کے سامنے ابا جی پر وار کر کے انہیں قتل کیا تھا۔

''لو.....'' ہیولے نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔

''سوچ کیا رہے ہو.....؟ مارڈالو مجھے میں آج اپنے انجام سے دوچار ہونا چاہتا ہوں۔''

میں خاموشی سے ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا ذہن میں کئی طرح کی سوچوں نے یلغار کر کے گویا اسے ماؤف ہی کر دیا تھا۔

''ارے اٹھاؤ خنجر.....'' وہ پھر بولا۔

''اگر میری نیت میں فتور آ گیا تو پھر تمہیں مجھ سے انتقام لینے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ تمہاری ماں پر حاوی ہو کر میں نے ہی اسے اس بات پر اکسایا تھا کہ وہ اس خنجر کو تمہارے باپ کے سینے میں اتار دے۔ لو..... اب انتقام لے لو مجھ سے کیوں کہ میں ہی تمہاری دونوں بہنوں کا قاتل ہوں..... انہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے جھیل میں ڈبو کر ہلاک کیا تھا..... کیا بات ہے؟ تمہاری نفرت کیوں نہیں جاگ رہی؟ کیا تم غیرت مند نہیں رہے؟ اٹھاؤ خنجر اور مار ڈالو مجھے۔''

اب میرے لئے خود کو قابو میں رکھنا مشکل تھا اس کے الفاظوں میں کچھ ایسی ہی بات تھی کہ میں نے بے ساختہ اپنا ہاتھ حصار سے باہر نکالا اور خنجر کے دستے کو تھام لیا..... لیکن عین اسی وقت ہیولے کے ہاتھ نے جھٹکا مارا اور خنجر کا دستہ میری گرفت سے نکل گیا۔

عین اسی وقت ہیولہ خنجر سمیت غائب ہو چکا تھا اور اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

میں ہکا بکا ہو کر آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھ رہا تھا لیکن ہیولے کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا..... اور نہ ہی وہ خنجر کہیں پڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔ وظیفہ تو خیر اس دوران میں چھوٹ ہی گیا تھا لیکن ضرور کوئی اور بات بھی تھی۔

اب میں کیا کروں.....؟ میں نے پریشان ہو کر سوچا، مجھے کیا کرنا چاہئے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور اب قبرستان کا وحشت زدہ ماحول مجھ پر حاوی ہونے لگا تھا۔

جہاں تک میرا اندازہ تھا، یہاں رکنے کا مقصد اب فوت ہو چکا تھا میرے حساب سے چلے کا آخری دن ضائع ہونے کے بعد میری چالیس دن کی محنت اکارت ہو چکی تھی۔

جان لیوا کی اس حرکت کا مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں جتنا اس بارے میں سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

آخر میں نے اس ماحول سے باہر نکلنے کی ٹھانی..... صبح ہونے میں ابھی کافی دیر باقی تھی لیکن یہاں رک کر میں کیا کرتا؟

مجھے اس بات کی بھی فکر تھی کہ جب رحیم بابا کو اس بارے میں معلوم ہوگا تو انہیں کتنا افسوس ہوا گا۔

جان لیوا جیت گیا تھا اور میں منزل کے قریب پہنچ کر بازی ہار چکا تھا۔ سب کچھ خاک میں مل چکا تھا۔

اب مجھے خود پر شدید غصہ آ رہا تھا میں اس کی باتوں میں کیوں آیا تھا؟ اگر میں اپنا ورد جاری رکھتا تو یقیناً یہ سب نہ ہوتا..... دراصل وہ خنجر دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا، اور اس پر جان لیوا کی باتوں نے مجھے جوش دلا دیا تھا۔

خود اپنے آپ سے ہی نالاں ہو کر میں قبرستان سے باہر نکل آیا، ذہنی حالت عجیب سی تھی۔ بعض اوقات انسان خود کو بھی نہیں سمجھ پاتا کہ وہ کیا چاہ رہا ہے میرا بھی اس وقت یہی حال تھا۔

میں نے ایک بار پھر پلٹ کر قبرستان میں نگاہ دوڑائی۔ لیکن کالا ہیولہ دور دور تک دکھائی نہیں دیا۔

بے نیل ومرام میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ رات کے اندھیرے کی طرح میرا دل بھی بجھا ہوا تھا چاروں طرف ہو کا سا عالم تھا اور میں کسی سوچ کے بنا ہی آگے قدم بڑھا رہا تھا۔

دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں میں اب ایک گلی میں داخل ہو چکا تھا جس کے دونوں جانب مکانات بنے ہوئے تھے۔ یقیناً اس وقت ان کے مکین بھی خوابوں کی دنیا میں مگن ہوں گے۔

اس گلی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پارک بنا ہوا تھا میں نے رات کا یہ آخری حصہ وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ صبح کے نمودار ہونے پر یہاں سے اسپتال جا سکوں اس وقت تو کوئی سواری بھی ملنا مشکل تھی۔

چنانچہ میں اسی طرف چل پڑا ابھی چند قدم دور ہی چلا تھا کہ اچانک ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"شش۔"

میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی موجود نہ تھا میرا ذہن فوراً ہی جان لیوا کی طرف چلا گیا تھا۔ لیکن ایک بار پھر اسی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"شش..... شش۔"

اس بار میں نے رک کر چاروں طرف دیکھا۔

"اے..... ادھر..... اوپر....." ایک نسوانی دھیمی سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا مکان کی کھڑکی سے ایک عورت جھانک رہی تھی اور یہ شاید مکان کا اوپری حصہ تھا۔ جس کے کمرے کی کھڑکی کے قریب وہ عورت موجود تھی۔ وہاں روشنی ضرور موجود تھی اس کے باوجود میں عورت کے خدوخال دیکھنے سے قاصر تھا۔

"جی بولیں....." میں نے بھی سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"داہنی طرف سے آؤ....." عورت نے کہا۔

"اسی طرف دروازہ ہے ..... وہ کھلا ہوا ہوگا سیڑھیوں سے اوپر آجاؤ..... ذرا جلدی۔"

اس کے ساتھ ہی عورت کا سر غائب ہوگیا۔ میں شش و پنج کا شکار ہوگیا وہ کون تھی؟ مجھے کیوں بلا رہی تھی؟

بہرحال میں بھی اب کوئی بزدل اور ڈرپوک انسان نہیں تھا، جب قبرستان کے ہولناک سناٹے میں رات گزار دی تو پھر ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کے لئے کیا رہ گیا تھا۔

ہوسکتا تھا کہ اس عورت کو کوئی پریشانی لاحق ہو میں نے اس کے بتائے ہوئے راستے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

واقعی ایک کھلے دروازے سے سیڑھیاں اوپر جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں اندر داخل ہوگیا..... سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو ملگجی سی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ سامنے موجود ایک دروازے کی درز سے یہ روشنی کمرے سے باہر نکلنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اسی وقت دروازہ پوری طرح کھل گیا اور وہی چہرہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا جسے میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا۔

میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود آہستہ سے بولی۔

"اندر آجاؤ۔"

ساتھ ہی اس نے زبردستی میرا ہاتھ تھاما اور کمرے میں داخل ہوکر جھٹ سے دروازہ بند کردیا، میں بھی اب اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوا حیرت سے اس کی شکل تک رہا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خوش شکل اور خوش لباس میں یہ عورت رات کے اس پہر جاگ کر کھڑکی میں کھڑی ہوئی کیا کر رہی تھی۔

کمرے میں آرائش کا سامان بھی کافی نفاست سے سجا ہوا تھا۔ گویا اس گھر کے مکین کافی نفاست پسند رہے ہوں گے۔

وہ عورت تولنے والی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر وہ بولی۔

"کون ہو تم..... اور اتنی رات میں گلی کے اندر چہل قدمی کیوں کر رہے تھے۔"

"اگر میں یہی سوال آپ سے کروں؟"

"کیا مطلب؟"

"آپ اتنی رات میں کھڑکی میں کیا کر رہی تھیں۔"

"یہ تین کمروں کا مکان ہے۔" اس نے چاروں طرف گردن گھماتے ہوئے کہا۔

"اس میں کوئی انسان اگر اکیلا ہو تو کیا وہ رہ سکتا ہے۔"

"تو..... آپ اکیلی ہیں؟"

"ہاں....."

"تو آپ اکیلی کیوں رہتی ہیں؟"

"میرا شوہر اس شہر میں نہیں رہتا۔" اس نے بتایا۔

"وہ دوسرے شہر میں کئی سالوں سے نوکری کر رہے ہیں۔ انہیں نہ جانے یہ کہتے ہوئے کتنا عرصہ بیت گیا کہ چند ماہ میں ٹرانسفر ہوجائے گا۔ بس ہماری زندگی کی گاڑی اس طرح چل رہی ہے کہ دو ماہ میں صرف چند دنوں کے لئے ان کی شکل دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب۔"

اس کا لہجہ شکست آمیز تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے برسوں سے جانتی ہو۔ اور اپنے حالات پر بے تکلفی سے گفتگو کرنا چاہتی ہو۔

"تو کیا اس شہر میں نوکریوں کی قلت ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ویسی نوکری یہاں نہیں ملے گی۔" اس نے جواب دیا۔

"اور مجھے ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے وہاں اپنی دوسری دنیا بسا رکھی ہے۔"

"دوسری دنیا۔"

"ہاں..... وہ وہاں یقیناً دوسری شادی رچائے بیٹھے ہیں۔ اور مجھے یہاں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ بس جب موڈ کا ذائقہ بدلنا ہوتا ہے تو مجھے چکھنے کے لئے یہاں چلے آتے ہیں۔ ہونہہ۔"

اس کی بے باکی پر میں دنگ رہ گیا..... لیکن اس کا دھیان کسی اور ہی طرف تھا پھر وہ خود ہی بولی۔

"نام کیا ہے تمہارا۔"

"شکیل۔"

"ہوں..... میں نورین ہوں۔ دراصل میں رات بھر جاگتی ہوں اور پھر دن کے نمودار ہوتے ہی بستر میں گھس جاتی ہوں۔ پھر دوسرے دن شام کے وقت میری نیند کھلتی ہے اور اب ہی میرے معمولات میں شامل ہوچکا ہے۔ یعنی رات میں جاگنا اور دن کے وقت سونا۔"

"تو مس نورین۔ آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟" میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

یہ سن کر اس نے بھرپور انداز میں مجھے دیکھا اور بولی۔

"ایک تنہا عورت کو مرد کی ضرورت کیوں ہوتی ہے۔"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں بتادوں گی۔" وہ دلکش انداز میں مسکرائی اور پھر فوراً ہی سنجیدہ ہوکر بولی۔

"تم یہ بتاؤ کہ تم اس وقت یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"میں..... میں قبرستان سے آرہا ہوں۔"

"قبرستان ..... کیا مطلب؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے۔

"قبرستان کا کیا مطلب بتاؤں؟" میں نے الٹا سوال کیا۔

"ارے..... تم تو بالکل بدھو ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"چلہ کھینچ رہا تھا۔" میں نے سچ کہہ دیا۔

"زیادہ باتیں مت بناؤ۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"صاف صاف کہو کس چکر میں گھوم رہے تھے؟"

"اور کیا صاف صاف بتاؤں؟ جو تھا بتادیا۔" میں نے کندھے اچکائے۔

"چلو میں بتاتی ہوں....." اس نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"آؤ تو۔"

یہ کہہ کر اس نے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر لے آئی میں نے دیکھا کہ یہ بیڈ روم تھا جس میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی کے ساتھ ساتھ ایک مسحور کن سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"ارے واہ....." میرے منہ سے نکلا۔

"میں تو پریشان تھا کہ باقی رات کس طرح گزرے گی اور قدرت نے گرما گرم بستر کا بھی انتظام کردیا۔"

"میں یہاں تمہیں سلانے کے لئے لائی ہوں؟" اس نے غصے سے مجھے گھورا۔

"تو پھر.....؟" میں حیران تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر ایک شدید قسم کی نازیبا حرکت کی اور میں بری طرح بوکھلا اٹھا۔

"یہ..... یہ کیا.....؟"

میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ عورت کے چہرے پر غصہ مزید رنگ جمانے لگا اور وہ بھنا کر بولی۔

"تم تو کسی لڑکی کی طرح گھبرا رہے ہو..... کیسے مرد ہو؟"

"میں..... میں بس ایسا ہی ہوں۔" میں نے ہکلا کر کہا۔

"برائے مہربانی مجھ پر رحم کھاؤ اور یا تو مجھے تھوڑی دیر کے لئے یہاں آرام کرنے دو یا پھر ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اپنے گھر سے نکال دو۔ لیکن تم مجھے جس مقصد کے لئے یہاں لائی ہو میں اس کے لئے کسی بھی طور پر راضی نہ ہوسکوں گا۔"

"میں شور مچادوں گی....." اس نے دھمکی دی۔

"اگر تم نے میری پیاس نہ بجھائی تو میں پورے محلے کو جگا کر اکٹھا کرلوں گی اور سب سے کہوں گی کہ تم زبردستی میرے گھر میں گھس آئے ہو۔"

"چلو تو پھر تم شور ہی مچاڈالو۔" یہ کہہ کر میں اطمینان سے بیڈ پر ڈھیر ہوگیا۔

"میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ محلے والوں کا کیا ردعمل ہوگا۔ کیونکہ تم نے آج مجھے بلایا ہے اور اب تک نہ جانے کتنے مجھ جیسے یہاں آکر تمہارے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل چکے ہوں گے..... بولو؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

یہ سن کر وہ سناٹے میں آگئی..... کافی دیر تک اسی حالت میں رہنے کے بعد اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولی۔

"تم..... تم بہت چالاک ہو..... ٹھیک ہے۔ تم نے بالکل سچ کہا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں اب اس موضوع کو دوبارہ مت چھیڑنا کیا تم یہاں صبح تک کا وقت گزارنا چاہتے ہو"

"ہاں..... سوچا تو یہی ہے....." میں نے سر ہلایا۔

"کیونکہ اس وقت اسپتال کی سواری ملنا مشکل ہے مجھے کم از کم پو پھٹنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"اسپتال جا کر کیا کرو گے۔"

"میرے ایک عزیز ایڈمٹ ہیں۔ ان کے پاس جانا ہے۔"

"ہوں....." اس نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"کیا تم کھانا کھاؤ گے؟"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس مہربانی اور میزبانی کا کوئی مقصد ہے؟"

"ہاں....." وہ بولی۔

"کیا.....؟"

"صرف انسانیت۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اسی کے ناطے پوچھ رہی ہوں۔"

"اسی ناطے سے اپنا نام بھی بتادو۔"

"نورین....."

"میں شکیل ہوں۔"

"اچھا..... کہو..... کھانا کھاؤ گے۔" اس نے پھر پوچھا۔

"کیونکہ مجھے بھوک لگی ہے اگر تم کھاؤ گے

ے ساتھ ہی کھالوں گی۔"

"اچھا..... لے آؤ۔"

"تو پھر دوسرے کمرے میں چلو۔" وہ اٹھ بولی۔

"میں کچن میں جارہی ہوں کھانا کھانے کے تم یہاں سوجانا میں دوسرے کمرے میں سوجاؤں گی۔"

"یعنی میں تمہارے بیڈ پر سوجاؤں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں....." وہ آہستہ سے بولی۔

"تم میرے مہمان بھی ہو اور ایک اچھے انسان بھی۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک۔"

اس نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا، پھر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

میں اسی کے متعلق سوچتا رہا دوسرے کمرے میں چلا آیا جلد ہی وہ میرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی۔

میں بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا نہ جانے کیوں وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔

کھانا بے حد لذیذ تھا برتن سمیٹتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اب تم میرے کمرے میں سوجاؤ..... صبح جب اٹھنے لگو تو مجھے جگا دینا، میں تمہارے لئے ناشتہ بنادوں گی۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"ہاں کہو۔"

"تم مجھ پر مہربان بھی ہو اور ناراض بھی۔ یہ کچھ سی بات نہیں ہے؟"

"میں ناراض ہر گز نہیں ہوں۔" وہ قدرے مسکرا بولی۔

"دراصل تمہاری صرف چند باتوں نے مجھے ی ہی نظروں سے گرادیا ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے۔"

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔"

"سب کچھ تو بول دیا تم نے..... اب باقی کیا رہ گیا ہے؟ جو عورت اپنی عزت کو بچانے کا ڈرامہ بھی نہ کرسکے تو پھر اس کی کیا وقعت ہوگی؟"

"اوہ..... تو تم نے میری اس بات کو محسوس کیا ہے۔" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں شکیل۔" اس کے لہجے میں دکھ بھرا ہوا تھا۔ میں نے اپنے شوہر کی بے توجہی اور بے وفائی کا بدلہ لینے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا تھا میں اقرار کرتی ہوں کہ میں اس کی عدم موجودگی میں یہاں کئی مردوں کے ذریعے اپنی جسمانی تسکین کا اہتمام کرچکی ہوں لیکن تمہارے الفاظ نے گویا میرے منہ پر طمانچہ دے مارا ہے۔ اور مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ اس حیوانی جبلت کی بنا پر میری اپنی عمت دو کوڑی کی بھی نہیں رہی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد میں اپنے شوہر کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکی البتہ میں اب عورت ذات کے نام پر ایک بدنما داغ ضرور بن گئی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی پھر وہ جلدی سے برتن سمیٹ کر کچن کی طرف لپکی۔

میں بھی بے اختیار اس کے پیچھے لپکا تھا وہ جب کچن میں داخل ہوئی تو میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ چونک کر پلٹی اور میری طرف غور سے دیکھنے لگی، اس کے گالوں پر موٹے موٹے آنسو ڈھلکے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کے گالوں سے آنسو پونچھ ڈالے اور بولا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں، میں نہیں جانتا تھا کہ میری باتوں کا تم پر اتنا اثر ہوگا۔"

"مجھے اور بھی گناہ گار مت کرو۔" اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"معافی تو میں تم سے مانگتی ہوں کہ میں نے تمہیں یہاں دعوت گناہ کی نیت سے بلایا تھا کیونکہ میں اپنی ہوس کی بھوک مٹانا چاہتی تھی لیکن تم نے میری

اس بھوک کو ختم کردیا۔''

''میں......میں سمجھا نہیں۔''

''آج کے بعد میں کسی غیر مرد کو اپنے نزدیک نہیں آنے دوں گی اور اپنی عزت اور ساکھ کو بحال کرنے کی کوشش کروں گی۔''

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے مس نورین۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔

''اگر میری باتوں نے تمہیں کوئی اچھا راستہ دکھایا ہے تو یہ خود تمہارے دل کے اچھا ہونے کا ثبوت ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔''

''چھوڑو اس بات کو...... یہ بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو؟ کیا کرتے ہو......؟ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔''

''کچھ نہیں بس پڑھائی کرتا ہوں۔'' میں طویل سانس لے کر بولا۔

''خوب......کس کلاس کے امتحان دے رہے ہو۔''

''ابھی کلاس کا تعین نہیں ہوا۔'' میں کچھ سوچ کر بولا۔

''جب ہوگا تو ضرور آگاہ کروں گا۔''

''تمہاری بہت سی باتیں میرے سر سے گزر گئی ہیں البتہ میں نے اتنا ضرور محسوس کیا ہے کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپا رہے ہو۔''

میں خاموش ہی رہا، اب نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں...... یہ دیکھ کر رباہ نے مجھے اپنے کمرے میں بھیج دیا حالانکہ میں منع کرتا رہا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔

دوسرے دن صبح میری آنکھ جلد ہی کھل گئی، نورین دوسرے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی کچھ سوچ کر میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور پھر دبے پاؤں وہاں سے نکل آیا۔

ایک ہوٹل پر جلدی جلدی ناشتہ کرنے کے بعد میں اسپتال روانہ ہوگیا۔ راستے میں مجھے کئی بار رباہ کا خیال آیا تھا وہ بے چاری نیند سے جاگنے پر ضرور میرے لئے تشویش اور افسوس میں مبتلا ہو جاتی لیکن میں مجبور تھا فی الحال تو مجھے ہر صورت میں رحیم بابا کے روبرو پہنچنا تھا۔

میری کہانی سن کر رحیم بابا کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے ان کے جسم سے خون نچوڑ لیا ہو، میں نے صاف طور پر ان کے تاثرات کو دیکھا تھا اور پھر مجھ سے رہا نہ گیا۔

''کیا ہوا رحیم بابا؟ آپ اس قدر کیوں پریشان ہوگئے؟''

''بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' ان کی آواز مجھے کسی کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کیا تم یہ جانتے ہو کہ تمہاری چالیس دن کی سر توڑ محنت رائیگاں چلی گئی؟''

''جی ہاں......'' میں نے طویل سانس لی۔

''لیکن ہر انسان ٹھوکر کھا کر ہی سیکھتا ہے آپ جلد صحت یاب ہو جائیں، میں وہ چلہ دوبارہ اول دن سے شروع کرنے کو تیار ہوں...... آپ پریشان نہ ہوں۔''

''میں اس بات سے ہرگز پریشان نہیں ہوں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''تو پھر......؟ کیا بات ہے رحیم بابا۔''

''تمہارے دشمن نے کوئی چال نہ کھیلی ہو...... ایسا نہ ہو کہ تم کسی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ۔''

''کیسی مشکل۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں خود نہیں جانتا......'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بس......خدا خیر ہی کرے۔''

''سب خیر ہی ہوگی رحیم بابا۔ آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔

جواباً وہ خاموش ہی رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر نے ان کا تفصیلی معائنہ کیا اور دوائیں مستقل جاری رکھنے کی ہدایت دیتے ہوئے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔

دہشت سے بھرپور پراسرار کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

خوفناک کہانیاں کراچی

قیمت -/70 روپے

نیا شمارہ شائع ہوگیا ہے۔

جس میں شامل ہے۔

ملک کے مشہور و معروف رائٹر ایم۔ الیاس کی قسط وار کہانی ''**پراسرار ہمزاد**'' اور ایم اے راحت کی قسط وار کہانی ''**کنارہ**'' اس کے علاوہ سچ پر مبنی خوفناک، دہشت ناک، لمحہ لمحہ دل کی دھڑکنیں تیز کرتی کہانیاں۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ رنگ دھنک۔ پراسرار دنیا۔ کھٹی میٹھی باتیں۔ اور بھی بہت کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں۔

ابھی اپنے کسی بھی قریبی بک اسٹال یا ہاکر سے نام لے کر طلب فرمائیں۔

اپنی قیمتی رائے ہمیں ضرور ارسال کریں۔

ماہنامہ خوفناک کہانیاں

نورانی آرکیڈ۔ رتن تلاؤ نمبر ۳ کراچی

Ph: 32744697-32771975

Email.Khofnakkahaniya@gmail.com

اسی اثناء میں قاسم ماموں بھی آپہنچے۔ اب گھر جانے کی ٹھہری تو قاسم ماموں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

"میں کل آؤں گا ماموں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں کل سے ہی گھر سے غائب ہوں، ذرا ماں جی کو بھی اپنی شکل دکھادوں۔"

"ویسے تو میں خود بھی ان سے مل آیا ہوں۔" قاسم ماموں نے بتایا۔

"اگر ممکن ہو تو تم آج رات انہیں بھی اپنے ساتھ ہی لے آؤ۔ رات کا کھانا بھی وہیں کھالینا۔"

"اچھا تو پھر میں کل ہی ان کے ساتھ آؤں گا۔" میں نے حامی بھری۔

"کافی تھکا ہوا ہوں۔ آج تو اپنے ہی گھر میں سوؤں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے..... میں کل تم دونوں کا انتظار کروں گا۔" ماموں نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جو اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

میں بہت زیادہ ہی تھکا ہوا تھا، اس لئے گہری نیند سے جاگنے کی وجہ فوری طور پر میری سمجھ میں نہ آسکی۔

لیکن پھر جلد ہی "دھاڑ..... دھاڑ" کی آوازوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی دروازے پر زور زور سے دستک دے رہا ہے۔

میرے ساتھ ساتھ ماں جی کی آنکھ بھی کھل گئی۔

"ارے..... یہ کون کم بخت ہے۔" وہ بڑبڑا کر اٹھنے لگیں۔

"اتنی رات گئے کون آیا ہے؟"

"میں دیکھتا ہوں ماں جی۔" میں جلدی سے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھہرو..... میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ نہ جانے کون ہوگا۔"

"آپ لیٹی رہیں میں پوچھ کر ہی دروازہ کھولوں گا۔" میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

جلد ہی میں دروازے پر کھڑا تھا دستک کی آوازیں اب بھی پرشور انداز میں گونج رہی تھیں۔

"کون ہے بھئی؟" میں بھنا کر بولا۔

"اتنی رات گئے کیوں لوگوں کی نیند خراب کرنے پر تلے ہو؟"

"یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔" باہر سے ایک بارعب آواز آئی۔

"ہم رات میں ہی اپنا کام کرتے ہیں۔"

"کیا کام.....؟ کون ہو تم.....؟" میں جی کڑا کر کے بولا۔

"پولیس....." وہی آواز آئی۔

"دروازہ کھولو..... ہمیں قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔"

"قاتل.....؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"بھائی..... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے..... یہاں کوئی قاتل نہیں رہتا۔"

"تم شکیل آقال ہو۔" پوچھا گیا۔

"ہاں....."

"تو پھر شرافت سے دروازہ کھول دو۔" باہر سے غرا کر کہا گیا۔

"تمہارے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں تم نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا۔"

☆.....☆.....☆

یہ سن کر پہلے تو میں ساکت رہ گیا اور پھر غصے سے مجھ پر یلغار کردی، میں نے اسی عالم میں کھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

عین اسی وقت ماں جی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"کون ہے بیٹا؟ تم تو وہیں رک گئے..... بتاؤ۔"

"میں آکر بتاتا ہوں ماں جی۔" میں نے بلند آواز میں انہیں جواب دیا اور پھر سامنے متوجہ ہوگیا۔

میرے مقابل پولیس کی وردیوں میں تین اہلکار کھڑے ہوئے تھے۔

پھر ان میں سے ایک آگے بڑھا اور میری طرف غور سے دیکھ کر بولا۔

"ہم قاتل کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"کس کے قاتل کو.....؟" میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"سکندر آقال کے قاتل کو۔" اس نے ایک ایک لفظ گویا چباتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی تیز نظریں میرا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

یہ سن کر میں مزید حیرت کا شکار ہوگیا اور بولا

"لیکن سکندر آقال تو میرے والد کا نام تھا اور انہیں انتقال کئے ہوئے سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ہاں..... تقریباً سات سال۔"

"اب تم خود اندازہ لگاؤ۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اتنے سالوں سے قاتل آزاد گھوم رہا ہے۔ اسے تو اب تک جیل کی سلاخوں کے عقب میں سڑ جانا چاہئے تھا۔"

"یہ تو آپ لوگوں کا کام تھا۔" میں جل کر بولا۔

"خیر..... اب آپ یہ بتائیں کہ اتنے سالوں بعد اور پھر اتنی رات گئے آپ لوگوں کو میرے والد کے قاتل کا خیال کیسے آیا؟"

"قاتل اور آلہ مقتول کے بارے میں سراغ ہی آج ملا ہے برخوردار۔" اس نے اپنے دانتوں کی نمائش کی۔

"کہاں ہیں دونوں.....؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"اسی حویلی میں۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔

"اور ہم ابھی اور اسی وقت حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

یہ ایک نئی مصیبت نازل ہوئی تھی، ماں جی کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ سنبھالنا بھی مشکل ہوگیا۔

بہرحال دروازے پر کھڑے رہنا یوں بھی مناسب نہیں تھا، چنانچہ میں انہیں گھر میں لے آیا تھا۔

اور اب وہ حویلی کی تلاشی لینے پر مصر تھے۔ ماں جی کبھی ہراساں ہوجاتیں اور کبھی شدید غصے کے عالم میں منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگیں۔

مجبوری ہی ٹھہری، ان وردی والوں کے حکم کی تعمیل تو کرنی ہی تھی، چنانچہ جلد ہی وہ کمروں میں پھیل گئے ظالموں نے کچن باتھ روم اور اسٹور کو بھی نہ چھوڑا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی تو ان کے چہروں پر شکست کے آثار تھے۔

"کیا ہوا.....؟"

میرا انداز طنزیہ تھا۔ "مل گیا قاتل.....؟"

"قاتل تو ہمارے ہاتھ میں ہے۔" اس نے مجھے گھورا۔

"ہمیں تو فی الحال آلہ قتل کی تلاش ہے۔"

"اس کے بارے میں، میں خود بتا دیتا ہوں۔" میں سنجیدگی سے بولا۔

"وہ اسی دن سے آپ کے تھکے والوں کے قبضے میں ہے، کہ جس دن ابا جی کو قتل کیا گیا تھا۔"

"یہی تو اس کہانی کا مین پوائنٹ ہے بیٹا جی۔" پولیس والے نے سر ہلا کر کہا۔

"کیونکہ وہ اصل خنجر نہیں تھا..... جس خنجر سے انہیں قتل کیا گیا تھا، وہ آج تک اسی حویلی میں موجود ہے۔"

"اوہ..... اچھا....." میں نے چونک کر کہا۔

"اتنے سالوں بعد ایک بالکل نئی خبر سننے کو ملی ہے۔ کمال ہے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی چہک رہے ہو۔" پولیس والے نے ایک بار پھر مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔

"خیر..... یہ بتاؤ کہ ان کا قتل کہاں ہوا تھا۔"

"حویلی کے دوسرے حصے میں۔"

"اوہ....." وہ چونکا۔

"تو پھر آلہ قتل بھی وہیں ہوگا۔ ادھر کا راستہ دکھاؤ..... چلو..... جلدی کرو۔"

"آخر معاملہ کیا ہے.....؟" میں الجھ کر بولا۔

"اتنے عرصے بعد آپ لوگوں کو اچانک کیسے اس کیس کا خیال آ گیا.....؟ کیا بات ہے؟"

"ہمیں کچھ اطلاعات ملی ہیں۔" ایک پولیس والے کے منہ سے نکل گیا۔

مجھ سے باتیں کرنے والے اسے گھور کر دیکھا اور وہ گڑبڑا گیا پھر وہی پولیس والا مجھ سے مخاطب ہوا۔

"تم خواہ مخواہ باتیں مت بناؤ۔ ہمیں وہ حصہ دکھادو۔"

"اچھا..... آپ لوگ چلیں میرے ساتھ۔"

میں انہیں دوسرے حصے میں لے آیا..... یہ وہی جگہ تھی جہاں ابا جی کو درگور کیا گیا تھا اور ابھی کچھ دنوں قبل ہی اسے کرائے داروں نے خالی کیا تھا۔

برسوں پہلے کا منظر اچانک ہی میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، جب ایک چمک دار خنجر لہرایا تھا اور..... چشم زدن میں ہی ابا جی کی موت واقع ہوگئی تھی۔

اس وقت جان لیوا خنجر کے ساتھ ساتھ میری ماں کو اپنا آلہ کار بنایا تھا اور گزشتہ رات وہ اسی خنجر کے ساتھ قبرستان میں میرے روبرو نمودار ہوا تھا۔

اور آج..... ان پولیس والوں کی ٹولی میرے ابا جی کے قاتل کا سراغ لگانے آئی تھی۔

میں شدید الجھن کا شکار ہو چکا تھا، نہ جانے یہ سب کیا تھا۔ مردے کیوں اکھیڑے جا رہے تھے۔

"ہوں.....!" اسی پولیس والے نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"کیا اتنے عرصے یہاں کوئی نہیں رہا؟"

"کرائے دار تھے جناب....." میں نے جواب دیا۔

"کچھ دنوں قبل ہی خالی کر کے گئے ہیں۔"

"اچھا....." اس نے سر ہلایا۔

"کیا اور بھی کمرے ہیں؟"

"جی ہاں..... ساتھ ہی دو چھوٹے کمرے بھی ہیں۔"

پولیس والے نے خالی ہال نما کمرے میں نظریں دوڑائیں اور بولا۔

"ٹھیک ہے..... دوسرے کمرے میں چلو۔"

میں انہیں اس کمرے میں لایا، جہاں ابا جی نے الو پال رکھے تھے یہ کمرہ بھی اب سامان سے مستثنیٰ تھا۔

لیکن جیسے ہی میں نے لائٹ جلائی، کمرے کے فرش پر ایک چیز نمایاں پڑی ہوئی دکھائی۔

یہ یقیناً وہی خنجر تھا..... جواب بھی خون آلود تھا لیکن اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اب اس کی دھار کا رنگ کالا ہو چکا تھا۔

ہاں.....! یہ وہی خنجر تھا..... میں حیرت کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

پولیس والے نے فاتحانہ انداز میں مڑ کر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"لو بھئی..... آلہ قتل تو مل گیا۔"

"لیکن..... لیکن....." میں نے بولنا چاہا۔

"یہ جگہ تو کرائے پر اٹھی ہوئی تھی اور....."

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"یہ خنجر ان ہی کے سامان کے نیچے دب گیا ہوگا، اور جب سامان اٹھا تو کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی ہوگی۔ اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور جھک کر احتیاط سے اس پر خنجر لپیٹ لیا۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"چلو بھئی..... اس پر انگلیوں کے نشانات موجود ہوں گے۔ اور پھر قاتل بھی ہماری گرفت میں ہوگا۔ سنولڑکے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا کیونکہ قتل کی لسٹ میں تمہارا نام بھی شامل ہے اس خنجر کے دستے سے فنگر پرنٹ لئے جائیں گے اگر تم نے اس دوران ادھر ادھر ہونے کی کوشش کی تو تم خود اپنے لئے گڑھا کھودو گے..... ہاں۔"

"میں کیوں کہیں جاؤں گا۔" میں نے منہ بنایا۔

آخری جملے اس نے مجھ سے ہی مخاطب ہو کر کہے تھے۔

"اگر تم نے اپنے باپ کو قتل کیا ہوگا تو یقیناً بھاگ نکلو گے۔" اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کیونکہ اس وقت جیل کی کال کوٹھری تمہارا مقدر ہو چکی ہوگی اور تمہیں بھاگنے کے علاوہ کوئی راستہ سجھائی نہیں دے گا۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" میں طیش میں آ کر بولا۔

"کوئی اپنے سگے باپ کا بھی خون کرتا ہے؟"

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔" اس نے جواب دیا۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"شیر زمان..... دلاور..... چلو۔ یہاں کام ختم ہو چکا ہے۔"

میں اپنی سوچ میں گم صم کمرے میں داخل ہوا تو ماں جی نے چھوٹتے ہی مجھ سے پوچھا۔

"یہ لوگ یہاں کیوں آئے تھے بیٹا؟"

دراصل پولیس کی کارروائی کے دوران وہ باتھ روم میں تھیں..... اور اسی وجہ سے انہیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

یوں بھی اس حصے میں پولیس والوں نے بس خانہ پری کے انداز میں تلاشی لی تھی۔ اب مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے انہیں خنجر کے متعلق نہ صرف یہ کہ مکمل معلومات فراہم کی تھی بلکہ انہیں اس جگہ کے متعلق بھی نشان دہی کی تھی جہاں وہ خنجر اس وقت موجود تھا۔

"میں کیا بتاؤں ماں جی۔" میں نے طویل سانس لی۔

"نہ جانے کس نے انہیں ابا جی کے قتل کے کیس کے لئے اکسایا ہے۔ وہ اسی سلسلے میں یہاں آئے تھے۔"

"ایں....." وہ چونک اٹھیں۔

"یہ کیا بات ہوئی.....؟ اتنے سالوں بعد انہیں خیال آ رہا ہے۔؟ چاہے خود قاتل بھی اب تک مرکھب ہو گیا ہو۔"

"میری عقل تو خود حیران ہے۔" میں بڑبڑایا۔

"بے وجہ تنگ کرنے والی بات ہے۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"تم پریشان مت ہو۔"

"لیکن ماں جی۔ وہ بے وجہ نہیں آئے تھے۔" میں کچھ سوچ کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

جواباً میں نے انہیں اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ کر دیا، ان کی حیرت کا کیا پوچھنا کافی دیر بعد وہ بولیں۔

"لیکن وہ خنجر تو اسی وقت انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ پھر یہ موا یہاں سے کیسے نکل آیا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"میرا دل کچھ گھبرا سا رہا ہے شکیل۔" وہ بولیں۔

"تم ایسا کرو کہ قاسم کو اس بات کی اطلاع کر دو۔ نہ جانے کیوں میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ..... کچھ ہونے والا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں، میں خالی خالی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

یہ بھی محض اتفاق تھا کہ قاسم ماموں اسی دن شہر سے باہر نکلے تھے۔

البتہ رحیم بابا نے کافی تشویش کے عالم میں میری بات سنی اور بولے۔

"ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ ورنہ اس خنجر کا وہاں کیا کام بہت احتیاط کی ضرورت ہے مجھے تمہاری بہت فکر ہے۔ کوئی بھی بات ہو تو فوراً ہی مجھے خبر دینے کی کوشش کرنا..... اگر ممکن ہو تو گھر کے فون نمبر پر مجھے بتا دینا ان پولیس والوں کی آمد خالی از علت ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

کافی دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد میں گھر کی

طرف روانہ ہوگیا، جیسے ہی گلی میں داخل ہوا تو ایک پولیس کی موبائل کو گھر کے سامنے موجود پایا میرا دل دھڑک اٹھا۔

"یا مالک..... یہ کیا ماجرا ہے۔" میرے دل سے سرگوشی اٹھی۔

گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا سامنے صحن میں وہی جانے پہچانے پولیس والے بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔

ایک طرف ماں جی بھی موجود تھیں اور ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"آ گیا میرا بیٹا۔" اماں جی فوراً ہی میری طرف لپکیں۔

"اب بتاؤ تم لوگ کہ کیوں بار بار ہمارے گھر میں گھسے آ رہے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"آج کے بعد نہیں آئیں گے ماں جی۔" وہ جیسے خلوص سے بولا تھا۔

"کیونکہ ہمیں اسی کا انتظار تھا۔"

"کیوں.....؟" اماں جی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ تمہارا سگا خون ہے۔" اسی پولیس نے والے نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال پوچھا۔

"تمہیں شرم آنی چاہئے ایسی بات کرتے ہوئے۔" اماں جی کو غصہ آ گیا۔

"یہ میرے ہی جگر کا ٹکڑا ہے۔"

"ہوں....." اس نے گردن ہلائی۔

"تو پھر سن لو، تمہارے اس جگر کے ٹکڑے نے ہی تمہارا سہاگ اجاڑا ہے۔"

"کیا.....؟" اماں جی چیخ اٹھیں۔

"یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"جس خنجر سے سکندر آقال کو قتل کیا گیا تھا، اس پر شکیل کی انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے اور ہم اسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

میں نہیں جانتا کہ پولیس کی موبائل میں بیٹھنے کے بعد جب میں وہاں سے روانہ ہوا، تو میری اماں جی پر کیا گزری ہوگی۔ ان کے کیا احساسات ہوں گے۔ البتہ میں اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ ایک ماں کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے کہ جب اس کی اولاد کسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے۔ مجھے یقین تھا کہ ان کا دل مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہوگا۔ لیکن میں انہیں صرف دلاسہ ہی دے سکتا تھا۔

میری اپنی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی، اس اچانک ہی پڑنے والی افتاد نے میرا ذہن کسی حد تک ماؤف کر دیا تھا۔

یہ سب کیا تھا.....؟ کیوں تھا.....؟ میرا ذہن سمجھنے سے قاصر تھا..... اور نہ ہی مجھے اتنی مہلت ملی تھی کہ میں کچھ سوچ اور سمجھ سکتا۔

میں نے کبھی جیل کی شکل نہیں دیکھی تھی، لیکن حالات نے آج مجھے یہ جگہ بھی دکھا دی تھی۔

چند کاغذی کارروائیوں کے بعد مجھے ایک کوٹھری کی سلاخوں کے عقب میں دھکیل دیا گیا جہاں چار افراد اور بھی موجود تھے۔

ان کے جسموں پر قیدیوں کا مخصوص لباس تھا۔ ان میں تین افراد نسبتاً جواں عمر تھے، البتہ چوتھا فرد کافی ادھیڑ عمر کا تھا۔

"نیا مہمان.....؟" اسی ادھیڑ عمر نے بلند آواز میں کہا تھا۔

دروازہ لاک کر دیا گیا تھا، میں نے گھوم کر دیکھا، مجھے یہاں لانے والے واپس جا چکے تھے۔

میں نے متوحش نظروں سے ان چاروں کو دیکھا، جو اپنے چہروں سے ہی کافی بدمعاش اور خوں خوار دکھائی دے رہے تھے۔

مجھے اپنے پاؤں لرزتے ہوئے محسوس ہوئے، دل کی دھڑکنیں کانوں میں گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

"اوہ خدایا....." میں نے دل میں سوچا۔

"یہ میں کہاں آ پھنسا..... یہ لوگ..... یہ لوگ تو وحشی درندے لگ رہے ہیں۔"

"ادھر آؤ....." دفعتاً ادھیڑ عمر نے بڑے پیار سے مجھے پکارا۔

"ڈرو نہیں اور نہ ہی ہماری شکلوں سے وحشت کھاؤ۔ اگر کچھ عرصہ ان دیواروں کے پیچھے رہ گئے تو تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ گے..... ہاں۔"

"کیا بات ہے رانا استاد۔" ایک جوان قیدی نے نعرہ لگا کر اسے داد دی۔

"آ جا لڑکے....." ایک اور قیدی نے ہانک لگائی۔

"رانا استاد بلا رہے ہیں وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جن سے رانا استاد مخاطب ہوں اب دیر مت کر آ جا۔"

یوں کام چلنے والا نہیں تھا، مجھے کسی طور بھی خود کو سنبھالنا تھا، اگر حالات کی ستم ظریفی کے آگے میں بالکل ہی کمزور اور نڈھال پڑ گیا، تو ان صعوبتوں سے مقابلہ کون کرے گا۔

چنانچہ میں نے دل کڑا کیا اور ان لوگوں کے قریب جا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو لڑکے..... کیا نام ہے تمہارا.....؟" رانا استاد نے مجھ پر نظریں جما دیں۔

"میں آقال ہوں۔"

"اوہ..... نام تو بہت زبردست ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"کس جرم میں اندر ہوئے ہو.....؟"

"میرا خیال ہے کہ اپنے باپ کے جرم میں۔" میں نے حوصلہ جمع کرتے ہوئے جواب دیا اب میں کافی حد تک خود پر قابو پا چکا تھا۔

شاید قبرستان جیسے ماحول میں اتنے دن گزارنے کے بعد میری قوت ارادی کافی مضبوط ہو گئی تھی۔ ورنہ اس کال کوٹھری میں ان چاروں کے درمیان میں بیٹھ جانا اتنا آسان ہرگز نہیں تھا اور وہ بھی مجھ جیسے انسان کے لئے جس نے کبھی جیل کی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔

"خیال سے تمہاری کیا مراد ہے؟" رانا استاد نے مجھے گھورا۔

دوسرے قیدی بھی میری شکل تکنے لگے۔

"کیونکہ میں نے اپنے باپ کو قتل نہیں کیا۔" میں طویل سانس لے کر بولا۔

"اوہ..... اگر تم بے گناہ ہو، تو پھر ان لوگوں نے تمہیں یہاں کیوں ڈال دیا؟ کورٹ نے تمہارے وارنٹ کیسے بھیج دیئے۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"کیا واقعی تم نے قتل نہیں کیا؟" رانا استاد نے غور سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں۔"

"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ویسے مجھے خود بھی یقین ہے کہ تم قاتل نہیں ہو سکتے..... خیر..... کیا تمہارا کوئی وکیل ہے؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے تو گھر سے اٹھا کر یہاں لایا گیا اور کوئی مہلت دیئے بغیر ہی حوالات میں ڈال دیا گیا۔"

"اوہ....." رانا استاد کے منہ سے نکلا۔

"ایک شریف انسان کے ساتھ یہ زیادتی۔"

"میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" میرے انداز میں بے چارگی تھی۔

"بہرحال تمہیں دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔" ایک اور قیدی نے کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا وہ کافی لمبا تڑنگا تھا اور اس کے مٹیالی گال پر کسی چاقو کا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جواب پرانا ہونے کے بعد کالے رنگ کی ایک لمبی سی لکیر کی صورت میں ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

"یہ تو واقعی زیادتی والی بات ہے۔" تیسرے قیدی نے زبان کھولی۔

"اس کا جرم ثابت کئے بغیر اور کورٹ کی کارروائی کے بغیر اسے جیل میں کیوں ڈال دیا گیا۔"

اس بات کا کسی کے پاس جواب نہیں تھا، بہرحال ان کے رویوں سے مجھے کافی حوصلہ ہو گیا تھا۔

میں جانتا تھا کہ جلد ہی قاسم ماموں یا پھر رحیم بابا میری طرف دوڑے آئیں گے ہو سکتا تھا کہ دوسرے شہر

میں ہونے کے باوجود قاسم ماموں کو اس سانحہ کی اطلاع مل گئی ہو۔

رات مجھے اسی تنگ وتاریک کوٹھری میں کاٹنا تھی...... اور یہی سوچ سوچ کر مجھے ہول آرہا تھا۔

ابھی رات ہونے میں کافی دیر باقی تھی اور ابھی سے مچھروں نے یلغار کردی تھی۔

ایک قیدی نے کہا۔

’’تم پریشان نہ ہو۔ اگر تم بے گناہ ہو، تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں یہاں نہیں روک سکتی۔ ہم لوگوں کی اور بات ہے۔ ہم نے تو اپنی جرائم کی کتاب کے سارے صفحے بھر ڈالے ہیں۔‘‘

’’آپ لوگوں نے کیا کیا ہے......؟‘‘ میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

یہ سن کر رانا استاد مسکرایا اور بولا۔

’’خون خرابہ کرنا ہمارا مشغلہ ہے۔ کل ہم چاروں کی پیشی ہے۔ پھر کورٹ کا جج ہماری قسمت کا فیصلہ کرے گا۔‘‘

پھر مجھ میں اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ میں رانا استاد سے خون خرابے کا خلاصہ معلوم کرسکوں، یوں بھی ان لوگوں سے تعلقات بڑھانا کچھ اچھا نہیں تھا۔

رات ہوئی تو جیل کا کھانا میرے سامنے تھا...... وہ چاروں مربھکوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

رانا استاد نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

’’تم بھی آجاؤ۔ ورنہ بھوک کے مارے رات کو نیند نہیں آئے گی۔‘‘

’’مجھے بھوک نہیں ہے۔‘‘

’’خود پر ظلم مت کرو...... آجاؤ۔‘‘

پھر ان لوگوں کے بے حد اصرار پر میں نے چند لقمے لے لئے۔ اف! یہ کھانا یہ لوگ کیسے کھا رہے تھے جیل کی دال میں روٹی ڈبونا ایسا لگ رہا تھا جیسے روٹی کو پانی میں ڈبو دیا گیا ہو۔

کھانے سے فارغ ہوکر انہوں نے مجھے ایک طرف لیٹ جانے کا اشارہ کیا اور پھر خود اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔

میری نگاہیں بار بار جیل کے دروازے کی طرف اٹھ رہی تھی میری امید مجھے بار بار ڈھارس دلا رہی تھی۔

لیکن ابھی تک مجھے کسی اپنے کی کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تھی چاروں طرف عجیب سا سکوت طاری ہوتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

اسی وقت مجھے اماں جی کا خیال آیا، وہ نہ جانے کس حال میں ہوں گی......؟ اور کیا کر رہی ہوں گی۔

میں نڈھال سا ہوکر ایک کونے میں ڈھیر ہوگیا۔ ذہنی تھکان اتنی تھی کہ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر جیسے کانٹوں پر بھی نیند آجاتی ہے بالکل اسی طرح میں اس سنگلاخ فرش پر بھی دنیا ومافیا سے بے خبر ہوگیا۔

☆......☆......☆

رات کے نہ جانے کس پہر اچانک ہی میری آنکھ کھلی اور میں ہڑبڑا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی میں اسی جگہ پر موجود تھا۔

چاروں قیدی بھی ایک طرف بے سدھ پڑے ہوئے دکھائی دیئے...... رانا استاد کے خراٹے بھی گونج رہے تھے۔

میں اس طرح کیوں جاگا تھا۔ یہ بات جاننے کے لئے میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر حیرت زدہ رہ گیا۔

حوالات کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اردگرد کے ماحول پر سناٹا طاری تھا۔

’’یہ...... یہ دروازہ کس نے کھولا......؟‘‘ میرے ذہن میں سوال گونجا۔

لیکن میں خود سے پوچھ رہا تھا تو جواب کیا ملتا...... اب میں نے ادھر ادھر دیکھا اور آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کوئی آہٹ پیدا کئے بغیر میں دبے قدموں سے باہر نکل آیا۔

یہ ایک طویل راہداری تھی، جس میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی میں نے اس ناکافی روشنی میں دیکھا کہ اسی طرح کی

...یں پہ یکیں دونوں طرف لائن سے بنی ہوئی تھیں۔

میں نے سوچے سمجھے بغیر قدم آگے بڑھا دیئے۔ ان کوٹھریوں میں بھی یقیناً کئی قیدی موجود رہے ہوں گے لیکن اس وقت سب ہی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

میں آگے بڑھتا رہا، لیکن جیسے ہی کونے پر پہنچا تو ٹھٹک کر وہیں میرے قدم جم سے گئے۔

یہاں کرسیوں پر دو پہرے دار موجود تھے ان کے ہاتھوں میں بھاری گنیں موجود تھیں جو انہوں نے دامن پر لٹکائی ہوئی تھیں اور خود سر جھکائے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کے درمیان سے گزرنے کے بعد سامنے ہی باہر نکلنے کا راستہ موجود تھا۔

یقیناً دونوں ہی نیند میں دھت تھے۔ اگر میں ان کے قریب سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تو میں باہر نکل سکتا تھا۔

میرے جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی قدرت نے مجھے یہاں سے نکل کر بھاگنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

جو ہوتا وہ بعد میں دیکھا جاتا فی الحال میں نے یہاں سے فرار ہونے کی ٹھان لی تھی۔

میں نے پہرے داروں کی طرف غور سے دیکھا۔ کچھ سوچ کر میں جھکا اور پھر فرش پر پڑا ہوا ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر ان پہرے داروں کی طرف اچھال دیا اور خود پیچھے سرک گیا۔

پتھر کی آواز گونجی تھی، میں نے اس کا ردعمل جاننے کا انتظار کیا لیکن جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ پہرے داروں کی نیند گہری تھی۔ ان کی یہ غیر ذمہ دارانہ ڈیوٹی اس وقت میرے لئے آزادی کا پروانہ بنتے جارہی تھی۔

میں نے آؤ دیکھا اور نہ تاؤ...... میں آگے بڑھا دبے قدموں سے ان دونوں کے درمیان سے نکلتا چلا گیا۔

جلد ہی میں ایک کھلے میدان میں کھڑا تھا، میں نے بے ساختہ گھوم کر دیکھا یہ یقیناً جیل کی دیواریں تھیں جن سے میں با آسانی باہر نکل آیا تھا۔

یہ اتفاق بھی بے حد عجیب تھا کہ سارا عملہ اتنی غفلت کا شکار تھا۔ لیکن میں قدرت کے فراہم کردہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا چکا تھا۔

رات کافی تاریک دکھائی دے رہی تھی شاید آسمان ابر آلود تھا۔ اور چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔

اس میدان سے پرے گھنے درختوں کا سلسلہ تھا میں نے ایک بار پھر گھوم کر دیکھا اور اسی طرف قدم بڑھا دیئے۔

چاروں طرف سناٹا تھا گہرا آمیز خاموشی تھی میں رات کی ان خاصیوں کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جلد ہی میں ایک چوڑے روڈ پر نکل آیا اور پھر بری طرح چونک اٹھا روڈ کے کنارے پر ایک کار موجود تھی جس کی زرد ہیڈلائٹس متواتر جل بجھ رہی تھیں۔

میں وہیں رک گیا اور ایک درخت کی آڑ سے اس کار کو دیکھنے لگا جس میں شاید کوئی موجود بھی تھا۔

’’کیا کیا جائے؟‘‘ میں نے دل میں سوچا۔

’’کیوں نا یہاں سے نکلنے کے لئے اسی کار کا سہارا لیا جائے...... لیکن...... یہ ہے کون......؟‘‘

اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھے آواز دی ہو۔

میں نے اسے اپنا وہم خیال کیا تھا، لیکن وہی آواز دوبارہ میرے کانوں سے ٹکرائی۔

’’شکیل...... شکیل آقال۔‘‘

میں نے دم سادھ لیا، میرا نہ صرف نام لیا جارہا تھا بلکہ میری نسبت کو بھی با آواز بلند پکارا جارہا تھا۔ یہ...... یہ کون ہوسکتا ہے......؟ میں نے تیزی سے اپنے ذہن کو گردش دی تھی لیکن میں آواز کو پہچاننے میں کامیاب نہ ہوسکا تھا۔

دفعتاً کار کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی

باہر نکل آیا جلد ہی وہ گھوم کر سامنے آ گیا اور نپے تلے قدموں سے میری طرف بڑھنے لگا۔

لحظہ بہ لحظہ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا اور میں شدید قسم کی شش و پنج کا شکار تھا۔

”ڈرو نہیں شکیل......“ یہ اسی کی آواز تھی۔

”تم مجھے نہیں جانتے، لیکن میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں...... سامنے آؤ۔“

میں وہیں جم کر کھڑا رہا نہ جانے یہ کون تھا اور کس ارادے سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔

”جلدی آؤ شکیل......“ اس کی آواز مضطرب تھی۔

”کیونکہ وقت بہت کم ہے...... اگر جیل کے باسیوں کو ہوش آ گیا تو وہ تمہاری تلاش میں کتوں کی طرح چاروں طرف سونگھتے پھریں گے اور پھر ہمیں دشواری کا سامنا ہوگا۔“

یہ سن کر میں بے اختیاری کے عالم میں درخت کی آڑ سے نکل آیا۔

”آپ...... آپ کون ہیں؟“

”مجھے اپنا ہمدرد سمجھو۔“ اس نے جواب دیا۔

”یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے قاسم ماموں کا شناسا ہوں اور ان ہی کی ایما پر تمہیں اس قید سے نکالنے آیا ہوں۔“

”لیکن جیل سے تو میں خود نکل کر آیا ہوں۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”آپ تو یہاں کھڑے ہیں۔“

”یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی پہلے یہاں سے نکلو عقل مند۔“ اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔

میں نے بے چارگی کے سے عالم میں قدم آگے بڑھا دیئے اس وقت صورت حال کے پیش نظر اس اجنبی پر بھروسہ کرنا میری مجبوری تھی۔ ورنہ اس جنگل بیابان میں رات گزارنا کافی مشکل تھا۔

چنانچہ میں خود کو تقدیر کے حوالے کرتے ہوئے کار میں بیٹھ گیا، اجنبی نے جلدی سے گھوم کر دوری طرف کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

فوراً ہی ”زووں“ کی آواز کے ساتھ کار آگے بڑھ گئی۔ یہ سڑک درختوں کے درمیان سے نکلنے کے بعد ایک شاہراہ کی طرف گھوم گئی تھی۔

رات کافی ہونے کی وجہ سے روڈ پر اکا دکا ہی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

اجنبی کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور وہ بڑی مہارت سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں......؟“ مجھ سے رہا نہ گیا۔

”اور آپ نے اب تک اپنا تعارف بھی نہیں کروایا۔“

یہ سن کر اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ابھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ کار کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ وہ کافی دلکش خدوخال کا مالک تھا۔

اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

”میں تمہیں ایک محفوظ ترین مقام پر لے جانا چاہتا ہوں تاکہ تم دشمنوں کے شر سے محفوظ رہو۔ کیونکہ اس بات سے تم بھی واقف ہو کہ بہت جلد تمہاری تلاش کا کام شروع ہو جائے گا۔“

”آپ نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔“ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں اپنے محسن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکا۔“

”بے صبری کا مظاہرہ مت کرو۔“ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

”آرام سے بیٹھ کر بات ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ تم اب بھوکے بھی ہو گے۔“

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا، بھوک کا احساس ہوا تو مجھے اپنا کلیجہ بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

”میں جانتا ہوں۔“ اس نے سر ہلایا۔ بھلا جیل

[والے تما]م کیسے کھا لیتے۔

”خیر...... ذرا اور صبر کرو۔“

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا جلد ہی ایک صاف ستھرے علاقے میں کار داخل ہو چکی تھی۔ یہاں کافی خوب صورت بنگلے بنے ہوئے تھے۔

اجنبی نے ایک بنگلے کے سامنے کار روک دی اس نے ہارن دیا اور بنگلے کا دروازہ خود بہ خود کھلتا چلا گیا۔

کار اندر داخل ہو گئی۔

یہ بنگلہ اندر سے بھی بہت خوب صورت تھا، گیٹ سے ایک روش ذیلی عمارت تک جا رہی تھی، اسی روش کے بائیں جانب ایک صاف ستھرا باغیچہ دکھائی دے رہا تھا۔

اجنبی نے کار کو پورچ میں روک دیا، پھر میری طرف گھوم کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم اندر پہنچو۔ میں آتا ہوں۔“

”اندر کہاں......؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ارے گھر میں...... اور کہاں......“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”میرا ملازم شابو تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں اسے تمہارے بارے میں ہدایات دے دی تھیں، جاؤ۔“

یہ سن کر میں کار سے اتر آیا، سامنے ہی بڑا سا دروازہ تھا، میں نے مڑ کر دیکھا اجنبی اب کار کو بیک کر رہا تھا۔

میں دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ گھر میں سناٹا چھایا تھا، مجھے یوں لگا جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

میرے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی، عین اسی وقت کسی جانب سے ایک ملازم ٹائپ کا نوجوان نمودار ہوا اور میری طرف لپکا تھا۔

”آپ شکیل بابو ہو......؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں......“

”میں شابو ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”صاحب کا ملازم۔“

”اوہ...... اچھا......“

”ہاں...... آپ آئیں میرے ساتھ۔“

اب میں اس کے ساتھ ہو لیا، برآمدے سے گزرنے کے بعد وہ مجھے ایک کشادہ کمرے میں لے آیا جہاں ضرورت زندگی کی ہر چیز موجود تھی۔ یقیناً یہ کسی کی آرام گاہ تھی۔ کیونکہ یہاں ایک طرف بیڈ بھی موجود تھا۔

”یہ سامنے الماری ہے۔“ شابو نے ہاتھ سے اشارہ کیا اس میں آپ کے سائز کے کپڑے موجود ہوں گے وہاں کونے میں باتھ روم موجود ہے آپ نہا دھو کر تر و تازہ ہو جائیں...... جب تک صاحب بھی آ جائیں گے پھر آپ دونوں کھانا کھا لیجیے گا۔ میں دسترخوان لگانے کی تیاری کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ بہت سپاٹ سا چہرہ تھا اس کا، ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو۔ میں نے کندھے اچکائے اور پھر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

شابو کا کہا ٹھیک ثابت ہوا۔ اس الماری میں میرے ناپ کے کپڑے موجود تھے۔ میں نے ایک جوڑا منتخب کیا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

جلد ہی میں باتھ روم میں شاور کے نیچے کھڑا تھا۔ ایک انتہائی فرحت بخش احساس کے ساتھ میں ٹھنڈے پانی سے نہاتا رہا۔

باتھ روم سے باہر نکلا ہی تھا کہ میری نظر بیڈ پر پڑی اور میں حیرت سے اچھل پڑا۔

سامنے ایک انتہائی خوب صورت لڑکی بیڈ پر نیم دراز ہو کر کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔

اس کی آنکھوں پر موٹے عدسوں کا چشمہ لگا ہوا تھا وہ مطالعے میں اتنی غرق تھی کہ اسے میرے وجود کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

جب میں نے اس کے قریب جا کر کنکھارا تو اس نے میری طرف دیکھا اور کتاب اس کی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے ملے جلے آثار نمودار ہوگئے پھر اس نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔

"تم..... تم کون ہو۔؟ اور یہاں کیا کررہے ہو.....؟"

"اگر میں بھی آپ سے یہی سوال کروں.....؟"

"کیا مطلب.....؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ آپ یہاں کیا کررہی ہیں۔؟ مجھے تو شابو یہاں لے کر آیا ہے۔"

"اوہ..... شابو کی یہ مجال۔" اس نے دانت پیسے اور ساتھ ہی وہ پاؤں پٹخ کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی اس کم بخت کو مزا چکھاتی ہوں وہ تمہیں میرے کمرے میں کیوں لایا ہے۔"

اس وقت میں نے اس کے جسم پر نظر ڈالی اور میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی کیونکہ میں اسی وقت غور کرسکا تھا کہ اس نے کافی باریک کپڑے زیب تن کررکھے تھے جن سے اس کا سفید و شفاف جسم جھلک رہا تھا۔

اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، تو میں گڑبڑا سا گیا، میں نے اپنی نظریں فوراً ہی پھیر لیں۔

وہ یک بیک مسکرا اٹھی اور بولی۔

"تم نے میرے غصے کو ٹھنڈا کردیا..... خیر..... یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"میرا نام شکیل ہے۔" میں نے اپنا تعارف کروایا۔

"اور مجھے غالباً آپ کے والد صاحب یہاں لے کر آئے ہیں۔"

"والد صاحب.....؟" وہ چونکی۔

"میرے والد صاحب تمہیں یہاں کیسے لاسکتے ہیں۔"

"کیوں؟ کیا انہیں کسی کو یہاں لے کر آنا منع ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ فوراً بولی۔

"میرے والد تو عرصہ دراز سے ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"ارے....." اب میں چونکا تھا۔

"تو پھر وہ کون صاحب تھے۔؟ انہوں نے خود کو قاسم ماموں کا دوست کہا تھا؟"

"اور یہ قاسم کون صاحب ہیں؟"

"میرے سگے ماموں ہیں....." میں نے بتایا۔

"ان ہی کا حوالہ دینے پر میں ان صاحب کے ساتھ کار میں بیٹھ کر یہاں چلا آیا۔

"ہوں....." اس نے سر ہلایا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی تمہیں تمہارے ماموں کا حوالہ دے کر چاہے تو جہنم میں بھی لے جائے..... کیوں.....؟"

میں نے چند لمحے توقف کیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"تم تو مجھے ڈانٹ رہی ہو۔ میں نے راستے میں ان کا نام پوچھا تھا، لیکن انہوں نے کہا تھا کہ گھر پر جاکر آرام سے بات ہوگی.....! لیکن مجھے یہاں چھوڑ کر وہ خود غائب ہی ہوگئے۔"

عین اسی وقت شابو نامی ملازم دروازے میں نمودار ہوا اور اعلان کرنے والے انداز میں بولا۔

"کھانا تیار ہے۔" اور لذیذ قسم کے کھانوں سے میز سجادی ہے۔" لڑکی نے گھوم کر شابو کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بہت خوب شابو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس مہمان کو یہاں کون لے کر آیا ہے.....؟"

شابو نے میری طرف دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"ان کا دشمن انہیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔ اور اب اس کے آنے کا وقت بھی ہورہا ہے۔"

میں نے حیرت سے اس کا جملہ سنا، عین اسی وقت باہر سے گھنٹی بجنے کی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی..... یقیناً یہ کال بیل بجنے کی آواز تھی۔

"لو بی بی..... وہ آگیا۔" شابو کے منہ سے نکلا۔

(جاری ہے)

موت کا پیغام

خلیل جبار

نوجوان آہستہ آہستہ چلا جارہا تھا کہ اچانک ایک حسینہ ظاہر ہوئی اور پھر اسے دیکھتے ہی نوجوان پر خوف سوار ہوگیا اور وہ بھاگا تو حسینہ کی آواز سنائی دی۔ آج تو بچ گیا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ رات کے پہر کسی جانور پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے، سبق آموز کہانی

دھم سے کوئی چیز گرنے کی آواز پر جمال کی آنکھ کھل گئی وہ اس وقت گہری نیند میں تھا۔ اس نے چارپائی پر لیٹے لیٹے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ اس وقت صحن میں سویا ہوا تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ گاؤں میں گرمیاں آتے ہی گاؤں کے لوگ کھلے صحن میں سونا شروع کردیتے ہیں۔ صحن میں سونے کا ایک فائدہ ہوتا ہے کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے پر نیند بہت اچھی آجاتی ہے اور سونے والا صبح ہی بیدار ہوتا ہے۔

جمال کے بھائی اور والد ابھی کمرے میں سو رہے تھے۔ گرمیوں کے دنوں میں سب ہی باہر سونے لگتے تھے۔ اس نے بھی چند دن ہوئے تھے جو باہر سونا شروع کیا تھا۔ اس کے ساتھ روزانہ ہی ایسا ہورہا تھا کہ کسی شے کے گرنے کی آواز آتی تھی اور وہ اٹھ جاتا تھا مگر کچھ نظر نہ

آنے پر وہ دوبارہ سوجاتا تھا۔ آج وہ اس راز کو جاننے کی غرض سے چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نیم کے درخت کے پاس کھڑی بکری نے جمال کے اٹھ جانے پر "میں..... میں..... کرنا شروع کردیا۔

"بس چپ کر۔" جمال نے غصے سے بکری کو ایسے کہا جیسے وہ اس کی بات سمجھتی ہو۔

بکری نے ایک دو بار میں..... میں..... کرکے خاموشی اختیار کرلی۔ جمال نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے واپس چارپائی کا رخ کیا۔ اس کی چارپائی کے نیچے ایک کالے رنگ کی بلی بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں بلب کی طرح چمک رہی تھیں۔ جمال کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ غرائی۔ بلی کے غرانے پر جمال کو غصہ آ گیا۔ اس نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے مارنے کو جیسے ہی گھمایا تو وہ تیزی سے بھاگ گئی۔ اس کے بھاگ جانے پر جمال پھر سے چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔

"یہ کم بخت بلی ہی ہے جو میری روز نیند خراب کرنے آجاتی ہے۔" وہ غصے سے بڑبڑایا۔

"کل اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ یہ رات میں آنا بھول جائے گی۔"

جمال کو چارپائی پر لیٹے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پھر سے دھم کی آواز آئی وہ سمجھ گیا کہ یہ کالی بلی ہے وہ آواز پیدا کئے بنا چارپائی سے اٹھا بلی کے منہ کا رخ بکری کی طرف تھا۔ اس لئے وہ جمال کو چارپائی سے اٹھتا دیکھ نہ سکی۔ وہ ڈنڈا اٹھا کر بلی کی جانب بڑھا۔ اس وقت بکری نے جمال کو دیکھ کر میں..... میں..... کرنا شروع کردیا۔ اس کے میں..... میں کرنے پر بلی نے پلٹ کر دیکھا۔ جمال کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر بلی نے ایک چھلانگ لگائی اور دیوار کی منڈیر پر جا کر بیٹھ گئی۔ جمال غصے سے ڈنڈا مارنے کو بلی کی جانب لپکا۔ بلی ہوشیار تھی۔ وہ پڑوس کے گھر میں کود گئی۔ جمال غصے سے پیر زمین پر پٹختے ہوئے اپنی چارپائی کی جانب بڑھ گیا۔ چارپائی پر لیٹتے ہی اس کی جلد ہی آنکھ لگ گئی۔

ابھی اس کی آنکھ لگے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بکری کی میں..... میں..... کرنے پر جمال کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے غصے سے بکری کی طرف دیکھا۔ کالی بلی بکری کی پیٹھ پر کھڑی تھی۔ کالی بلی کو دیکھ کر جمال کے غصے میں شدت آئی اور وہ تیزی سے چارپائی سے اٹھا اور ڈنڈا اٹھا کر بکری کی طرف بڑھا۔ کالی بلی ہوشیار تھی۔ جمال کو اپنی جانب آتا دیکھ کر دیوار کی منڈیر پر گئی اور پڑوس میں کود گئی۔

جمال غصے سے دیوار کی منڈیر کو دیکھتا ہوا واپس آ گیا۔ آج رات بلی نے جمال کو تنگ کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ اس لئے جب بھی جمال کی آنکھ لگتی بلی کود کر آ جاتی۔ بکری بلی کو دیکھتے ہی میں..... میں..... کرنے لگتی اور جمال کی آنکھ کھل جاتی۔ اس کے جاگنے پر بلی بھاگ جاتی۔ گاؤں کے لوگوں کو رات میں جلدی سونے کی عادت تھی۔ جمال بھی جلدی سونے والوں میں تھا۔ اس لئے بلی کے بار بار نیند خراب کرنے پر اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ کالی بلی کو مار مار کر ادھ موا کردیتا۔ غصے میں جمال نے بکری کو لات ماری اور کہا۔

"آج تیرا بھی دماغ خراب ہوگیا ہے کیا زندگی میں تو نے کالی بلی نہیں دیکھی ہے جو اس بلی کو دیکھتے ہی میں..... میں کررہی ہے۔"

بکری لات پڑنے پر سہم گئی تھی۔ اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ جمال اسے لات بھی مار سکتا ہے۔ لات پڑنے پر بکری نے ایک بار پھر میں..... میں..... کی آواز نکالی۔

"چپ کر ورنہ اس ڈنڈے سے مار مار کر تیرا بھس نکال دوں گا۔" جمال نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے بکری کو دیکھا۔ بکری کی سمجھ میں بات آ گئی تھی اس لئے وہ خاموش ہوگئی۔

بکری بظاہر خاموش ہوگئی تھی۔ جمال آگے آنے والے واقعات سے بے خبر تھا کہ اس کی زندگی میں کیا ہونے والا ہے۔ یہ واقعات آغاز تھے۔ وہ بلی کون تھی اور کیوں ان کے گھر میں آنے لگی تھی۔ اس کے کیا مقصد

سے جمال بے خبر تھا۔

رات بھر جمال چین کی نیند نہ سو سکا۔ کئی بار اس کی اور پھر آنکھ لگ گئی۔ صبح ہونے پر جب وہ بیدار ن کا ذہن بوجھل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کے دائیں میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا جو شام گئے تک رہا۔ نے اس درد کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا۔

رات میں جب جمال سونے کے لئے لیٹا اور فوراً گیا تو اس نے خواب میں دیکھا۔

وہ ایک صحرا میں اکیلا چلا جارہا ہے۔ دور دور تک کا نام و نشان نہیں ہے۔ وہ حیران ہو رہا ہے کہ یہاں آ گیا ہے اور کیوں آ گیا ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں آ رہا ہے۔ کچھ فاصلے پر وہ دیکھتا ہے کہ وہ کالی بلی جو گھر میں آ رہی ہے وہ ایک جانب بیٹھی ہے اور اس ں جمال کی جانب ہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اس قسم کی چمک ہے۔ ایک لمحے کو وہ سہم جاتا ہے ہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کس بات پر سہم گیا ہے۔

اچانک ایک خوبرو دوشیزہ ظاہر ہوتی ہے اور بلی کو دیکھ کر اس کی جانب لپکتی ہے۔ وہ دوشیزہ بلی کو اپنے میں تھام لیتی ہے اور بلی کو اپنے آپ سے چمٹاتے جمال سے مخاطب ہوتی ہے۔

"یہ میری خاص بلی ہے۔ اسے کسی قسم کی تکلیف ونی چاہئے۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اور نے بھی میری بلی کے ساتھ برا کیا تو یہ میرا اس کے کا پیغام ہے۔"

"تم کون ہو؟" جمال نے پوچھا۔

"یہ بات تم کیوں پوچھ رہے ہو۔" اس نے الٹا لیا۔

"میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ یہ بلی دو دن سے کررہی ہے۔"

"میری بلی کو تمہاری بکری کا دودھ پسند آ گیا جب بھی تمہاری بکری کا دودھ پینے آئے اسے سے مت روکنا۔ اسے اجازت ہے جہاں ئے جہاں سے جو چیز پسند آ جائے یہ کھائے گی کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اگر کسی نے روکنے کی کوشش کی تو وہ پھر اپنے انجام سے باخبر رہے۔" اس نے کہا۔

جمال ابھی اس سے کچھ پوچھنے والا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے پر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ پیاس کی شدت محسوس ہونے پر وہ بستر سے اٹھا۔ پانی پی کر پھر سو گیا۔ رات بھر وہ سکون کی نیند سوتا رہا۔ صبح ہونے تک بلی نے جمال کو تنگ نہیں کیا۔ صبح بیدار ہونے پر جمال نے رات کے خواب کو معمول کا خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا۔

پورا ہفتہ سکون کا گزرا۔ بلی پھر نہیں آئی۔ وہ مطمئن ہوگیا کہ اب بلی آ کر تنگ نہیں کرے گی لیکن یہ جمال کی خوش فہمی تھی۔ ایک رات وہ بلی پھر آ گئی۔ بلی نے نہ جانے بکری کے ساتھ کیا کردیا تھا۔ وہ خاموش تھی اور بلی مزے سے اس کے تھن سے منہ لگا کر دودھ پی رہی تھی۔ جمال کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ وہ حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ بکری اتنی خاموش کیوں ہے۔ جمال بغیر آہٹ پیدا کئے بلی کی جانب بڑھا اور ڈنڈا زور سے بلی پر دے مارا۔ بلی ڈنڈا لگنے پر چیخی۔ تیزی سے ڈنڈا لگتے ہی اس نے دیوار پر چھلانگ لگادی۔ اس سے قبل کہ وہ اس کے پاس جاتا۔ وہ پڑوس میں اتر گئی۔ بلی کو زبردست چوٹ لگی تھی پھر بھی بلی نے اتنی پھرتی دکھائی کہ جمال حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ ضرور کوئی خاص بلی تھی عام بلی اتنی زبردست چوٹ کھا کر زمین سے اٹھ نہیں سکتی۔

جمال حیرت میں ڈوبا بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

"معاملہ کچھ گڑبڑ لگ رہا ہے۔" جمال نے خود کلامی کی۔

اسے کچھ دیر ہوش رہا لیکن پھر آنکھ لگ گئی۔

دوپہر کے وقت جمال کو کھیت میں ابا کو کھانا دینے جانا تھا۔ جب وہ کھانا دے کر گھر کو لوٹ رہا تھا۔ اس نے ایک سانپ کی پھنکار سنی۔ وہ چونکا ادھر ادھر نظر دوڑائیں مگر کہیں بھی سانپ نظر نہ آیا۔ اس نے اپنا وہم جان کر جیسے ہی آگے بڑھنا چاہا تو اس کی نظر سامنے درخت پر پڑ گئی۔ وہاں ایک کالا ناگ درخت کی شاخ سے لپٹا اس کی جانب

متوجہ تھا۔

ویسے بھی کھیتوں میں سانپوں کا نکل آنا عام سی بات تھی۔ جمال نے اتنا موٹا سانپ اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سانپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے سانپ سے بچنا بھی ضرور تھا۔ ایک لمحے میں سانپ جمال کو ڈس سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے آہستہ آہستہ الٹے قدموں پیچھے کی جانب سرکنے لگا۔ اور پھر وہ پلٹ کر وہاں سے بھاگ لیا۔

جمال نے دوسرے راستے سے گھر جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ سانپ آگے بھی مل سکتا ہے۔ ابھی جمال کھیتوں سے نکل بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اسے سامنے وہی سانپ پھر نظر آیا۔ اس بار وہ زمین پر کنڈلی مارے بیٹھا پھن پھیلائے ہوئے تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ڈسنے کو تیار ہے۔ بس جمال کے اس نزدیک جانے کی دیر تھی۔ سانپ کو اپنے اتنا نزدیک دیکھ کر خوف سے جمال کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ اس کو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سانپ وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ جمال نے گھبرا کر مخالف سمت دوڑ لگادی۔ سانپ نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑنے کا تہیہ کرلیا تھا اس لئے وہ بھی تیزی سے رینگتا ہوا اس کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔ جمال سانپ سے تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ اس لئے وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس کی سانسیں پھول گئی تھیں۔ خوف کی حالت میں جمال سے زیادہ تیز دوڑا نہیں جا رہا تھا۔ جمال کسی لمحے بھی زمین پر گر پڑتا اور سانپ آسانی سے ڈس سکتا تھا۔

دوڑتے دوڑتے وہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ سانپ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ جمال زمین پر لیٹا ہوا تھا اور سانپ رینگتے ہوئے اس کے پاس پہنچ کر زمین پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ پھن پھیلائے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جمال نے اپنی سانسیں روک لی تھیں۔ وہ خود کو مردہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا۔ سانپ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے سینے پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ موت اس کے بہت نزدیک آ گئی تھی۔ سانپ کے ڈس لینے پر وہ گھر پہنچے بنا ہی راستے میں اس کا دم توڑ دینا یقینی تھا۔ سانپ اس کے سینے پر ضرور بیٹھا تھا لیکن ڈس نہیں رہا تھا اس بات پر جمال حیران تھا کہ جب اس نے آموں کے کھیتوں سے اس کا پیچھا کیا ہے۔ پھر وہ اسے ڈس کیوں نہیں رہا ہے۔

سانپ کی نظریں جمال کے چہرے کی طرف لگی تھیں۔ وہ سانپ جمال کو انتہائی زہریلا اور خطرناک سانپ لگ رہا تھا۔ اس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس نے سانپ سے مزاحمت کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ کب تک اس حالت میں رہتا ذرا سا ہلنے پر وہ جمال کو ڈس لیتا۔

جمال نے بغیر حرکت کیے ایک ہاتھ سے لکڑی اٹھائی۔ اور سانپ کو ماردی۔ سانپ اس حملے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے وہ جمال کے جسم پر سے زمین پر گر پڑا۔ جمال ایک جھٹکے سے اٹھا۔ اور لکڑی کے وار سے سانپ کو مارنے کی کوشش کی۔ مگر سانپ اس سے زیادہ ہوشیار نکلا وہ زمین پر اگی گھاس میں غائب ہوگیا۔ سانپ کے غائب ہوجانے پر جمال نے سکون کا سانس لیا۔ اچانک اس کی نظر سامنے سے آتے ہوئے پیش امام صاحب پر پڑی۔ انہوں نے بھی جمال کو گھبرایا ہوا دیکھ کر چونکے۔

"کیا بات ہے جمال بیٹے کیوں پریشان ہو؟"

"وہ جی ادھر ایک سانپ......"

"کھیتوں میں سانپ ہوتے ہی ہیں اس میں ا پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔"

"یہ سانپ کئی دن سے مجھے پریشان کررہا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے جمال نے اپنے ساتھ گزرنے والے پراسرار واقعات سنا دیئے۔

"ایسا لگتا ہے کہ کوئی آسیبی قوت تمہیں پریشان کررہی ہے۔ اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ تم کل عصر کی نماز کے بعد مجھ سے آ کر ملنا۔" پیش امام صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں کل آ جاؤں گا۔" جمال نے کہا

دوسرے دن جب جمال پیش امام صاحب کے پاس جارہا تھا۔ ایک گلی سے گزرتے ہوئے ایک گھر میں لگے درخت سے کوئی چیز اس کے گلے میں آ کر گری جمال کی خوف کے مارے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ جمال کے گلے میں گرنے والی چیز ایک کالی رسی تھی۔ اس نے غصے سے کالی رسی کو ایک طرف پھینکا اور آگے بڑھ گیا۔ پیش

ب اپنے آستانے میں موجود تھے۔ وہ جمال کو رائے۔

"جمال بیٹے میں نے پڑھائی کر کے معلوم کرلیا ارے ساتھ یہ واقعات کیوں پیش آ رہے ہیں۔"

"مجھے اس آسیبی قوت سے نجات تو مل جائے ں۔"

"ہاں وہ بہت ضدی ہے۔ وہ تمہیں ڈرا، ڈرا کر اہتی ہے۔"

"میں یہ اندازہ لگا چکا ہوں کیونکہ اسے کئی بار ایسے ملے وہ مجھے مارنا چاہتی تو مار سکتی تھی مگر اس نے ارنے کے بجائے ڈرانے کو اہمیت دی۔"

"میں یہ نقش دے رہا ہوں اسے پانی میں گھول کر نا اور یہ دوسرا نقش اپنے جسم پر مسل کر جلا دینا۔ کل تمہیں میرے پاس آنا ہے۔" پیش امام صاحب اسے دو تعویذ دیئے۔

جمال نے ان تعویذ کو سنبھال کر جیب میں رکھ ر آ کر جمال نے ویسا ہی کیا۔ جیسا اسے کہا گیا تھا۔

آدھی رات کے وقت جب جمال گہری نیند میں یا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک صحرا تھا جو جمال پہلے اب میں دیکھ چکا تھا۔ وہی دوشیزہ اپنی بلی کے ساتھ یں جمال کو نظر آئی۔ اسے دیکھ کر جمال کو نہ جانے خوف سا محسوس ہوا۔

"مجھے دیکھ کر تمہیں کیوں خوف آ رہا ہے؟" ہ نے کہا۔

"یہ بات میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ یں دیکھ کر میں کیوں خوف زدہ ہوگیا ہوں۔" جمال ہا۔

"تم نے کام ہی ایسا کیا ہے میری بلی کو جو بھی ہے۔ پھر وہ پچھتاتا ہے۔ ڈر اور خوف میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تم بھی اس طرح ڈرتے زدہ ہوتے ہوئے اگلے جہان میں پہنچ جاؤگے۔" ہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی ہو۔ پیش امام

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی و ہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائیے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں، بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیٹس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیٹس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر منشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

صاحب تمہیں ایسا سبق سکھائیں گے کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔"

"وہ میرا کیا بگاڑے گا خود کو بچالے اس کے لئے یہی کافی ہوگا۔" دوشیزہ نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"ہنس لو چند دن بعد تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ پیش امام صاحب کیا چیز ہیں۔ پتا نہیں کتنے شریر جنات کو اپنے علم سے جلا کر بھسم کرچکے ہیں پھر تم ان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہو۔"

"کان کھول کر سن لے میں کیا کچھ کرسکتی ہوں اس کا تجھے اندازہ نہیں، دیکھ جس بکری کا دودھ پینے پر تو نے میری اس معصوم بلی کو مارا ہے وہ کس طرح تڑپ رہی ہے۔" دوشیزہ نے کہا۔

جمال کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ وہ کسی صحرا میں نہیں اپنی چارپائی پر ہی تھا اس کی بکری بری طرح تڑپ رہی تھی۔ وہ جیسے ہی بکری کے پاس گیا۔ بکری نے جان دے دی۔ بکری کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا ہے۔

دوشیزہ نے خواب میں ایک طرح سے جمال کو دھمکی دے دی تھی۔

صبح ہونے پر جمال پیش امام صاحب کے پاس پہنچا اور رات کا خواب اور بکری کے مرنے کے بارے میں بتادیا۔

پیش امام صاحب اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئے تھے اور پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"وہ اس بات میں خوش نہیں ہے کہ میں تمہارا علاج کروں، تم فکر نہ کرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"وہ مجھے کسی قسم کا نقصان تو نہیں پہنچائے گی؟" جمال نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں چند کیل دے رہا ہوں انہیں اپنے گھر کے کونوں میں ٹھونک دینا وہ تمہارے گھر میں داخل ہی نہیں ہوسکے گی۔" پیش امام صاحب نے چند کیلیں دیتے ہوئے کہا۔

جمال نے گھر آکر وہ کیلیں کونوں میں ٹھونک دیں۔ اس نے اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ ہونے والے پراسرار واقعات نہیں بتائے تھے۔ مگر اب کیل ٹھونکنے انہیں بتانا پڑ گیا کہ وہ کس مقصد کے تحت گھر میں کیلیں ٹھونک رہا ہے۔ گھر والے بھی اس کے ساتھ بیتنے والے پراسرار واقعہ کو سن کر خوف زدہ ہوگئے تھے۔ وہ ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ بکری کو کسی زہریلے جانور نے کاٹا تھا جس سے وہ مرگئی ہے۔ جمال نے انہیں تسلی دی کہ وہ گھبرائیں نہیں اس آسیب کے بچاؤ کے لئے پیش امام صاحب پڑھائی کررہے ہیں۔

عصر کا وقت تھا۔ جمال کھیتوں میں سے گزر رہا تھا کہ اسے پائل کی دل موہنی جھنکار سنائی دی۔ جب اس نے آواز کی سمت دیکھا کہ ایک خوب صورت دوشیزہ اس کی طرف آتی دکھائی دی۔ اس نے گاؤں میں اس دوشیزہ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ کون ہے اور اس کی طرف کیوں چلی آرہی ہے۔

"جمال میں کب سے تمہارا انتظار کررہی ہوں اور تم اب آرہے ہو۔" وہ نزدیک آنے پر بولی۔

"تم کون ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں تمہیں بہت چاہتی ہوں ہمت ہی نہیں پڑتی تھی تم سے اظہار محبت کرسکوں آج ہمت کرکے نہ صرف سامنے آگئی ہوں اور تم سے اظہار محبت بھی کردیا۔" وہ بولی۔

"تم کون ہو؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔" جمال نے کہا۔

"میں پاس کے گاؤں میں رہتی ہوں۔ ماسٹر دیا محمد کی بیٹی ہوں، آؤ میرے ساتھ چلو۔" وہ جمال کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"مم..... مگر کہاں؟"

"ہم زیادہ دور نہیں جائیں گے، قریب ہی کھیت میں کچھ دیر وقت گزاریں گے۔" وہ دوشیزہ جمال کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔

جمال کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے اور کیوں اس سے اظہار محبت کرکے اپنے ساتھ لے جا

رہی تھی۔ جمال اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تھا مگر وہ زبردستی لے جارہی تھی۔ جمال کے دل میں گھبراہٹ ہونے لگی اور وہ اس دوشیزہ سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا تھا کچھ فاصلے تک اس کا پیچھا کرتے ہوئے اور گاؤں کی آبادی قریب آنے پر وہ چلائی۔

"جمال تیری قسمت اچھی تھی جو تو بچ گیا ورنہ میرے جال میں پھنس کر ہمیشہ کے لئے اس جہان سے گیا تھا۔"

دوشیزہ کی یہ بات سن کر جمال سمجھ گیا۔ یہ وہی ہے جو اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ گاؤں میں پہنچ کر جمال نے پیش امام صاحب کے آستانے کا رخ کیا۔ اس کی پھولی ہوئی سانسیں دیکھ کر وہ سمجھ گئے ضرور جمال کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔

"کیا پھر کوئی سانپ کھیتوں میں مل گیا تھا۔"

"آج سانپ نہیں بلکہ وہ دوشیزہ خود مل گئی تھی۔" کہتے ہوئے جمال نے پوری تفصیل بتادی۔

"ہوں تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ میں اس نمٹتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے پیش امام صاحب نے پانی کا برتن لے کر کچھ عمل شروع کیا۔

پیش امام صاحب کو یہ عمل کرتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ دو بھیانک شکل کی عورتیں ظاہر ہوگئیں۔

"تم کیوں جمال کو تنگ کررہی ہو؟" پیش امام صاحب غصے سے بولے۔

"ایک میری چھوٹی بہن ہے مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ جمال کی بکری کا دودھ میری بہن کو پسند آگیا تھا رات کے وقت بلی کی صورت میں جا کر بکری کا دودھ پی کر آنے لگی تھی۔

جمال میری بہن کا دشمن بن گیا یہ میری بہن کو جینے نہیں دے رہا تھا بلکہ اس نے میری بہن کو مارا ہے بات کسی طرح مجھے گوارا نہیں کہ کوئی میری بہن کو مارے۔ اس سے قبل میں کئی انسانوں کو اس بات پر موت کے گھاٹ اتار چکی ہوں کہ انہوں نے میری بہن کو بلی کی شکل میں مارا تھا۔

"تم جمال کا پیچھا چھوڑ دو۔"

"ایسا ممکن نہیں ہے میں یہ فیصلہ کرچکی ہوں کہ جمال کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے پہلے میں اسے ڈرا ڈرا کر مارنا چاہتی تھی لیکن تمہارے درمیان میں آجانے پر اب جیسے ہی مجھے موقع ملا جمال کو جان سے ماردوں گی۔" وہ عورت غصے سے بولی۔

"میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں اس کے بعد میں تمہیں جلا کر بھسم کردوں گا۔" پیش امام صاحب نے کہا۔

"میں جو فیصلہ کرلیتی ہوں اس سے پیچھے نہیں ہٹتی۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" یہ کہتے ہوئے پیش امام نے دو مٹی کے پتلے نکالے اور ان پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور ان دونوں پتلوں کو انگیٹھی کی دہکتی آگ میں ڈال دیئے۔ پتلوں کا آگ میں گرنا تھا کہ ان دونوں بہنوں کے جسم میں آگ لگ گئی۔ وہ زور زور سے چیخنے چلانے لگی تھیں۔ وہ توبہ کرنے لگی تھیں۔

"اب وقت گزر چکا ہے۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے اب تمہیں جلنا ہی پڑے گا۔" پیش امام صاحب نے کہا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں عورتیں جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوچکی تھیں۔

"جمال بیٹے ان کی راکھ کو دریا میں بہادو، تمہاری ان سے جان چھوٹ گئی ہے۔" پیش امام صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

جمال نے ساری راکھ ایک تھیلی میں لے جا کر دریا کے پانی میں بہادی۔ اس کے بعد کسی نے بھی جمال کو تنگ نہیں کیا۔ اسے ہمیشہ کے لئے ان آسیبی قوتوں سے نجات مل گئی تھی۔

جمال اور اس کے گھر والے اب خوش تھے کہ اب وہ آسیبی قوتیں انہیں تنگ نہیں کریں گی۔

پراسرار بیل

محمد حنیف شاکر-ننکانہ صاحب

دلکش دلنشین اور حسن کی شاہکار حسینہ نے جیسے ہی پیار سے نوجوان کے کان میں سوئی چبھوئی تو چشم زدن میں نوجوان ایک بیل کے وجود میں ڈھل گیا اور پھر وقت ضرورت جب اس کے کان سے سوئی نکل جاتی تو نوجوان.....

خوف ودہشت کے سمندر میں غوطہ زن.....ناقابل فراموش دہشت ناک.....کہانی

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے پھر بنگال کا جادو جو پوری دنیا میں مشہور ہے تو پھر بنگال کے جادو کا ایک کرشمہ آپ سب بھی ملاحظہ کریں۔ ''بیٹا حنیف.....''

''جی ابو جی آپ کو تو معلوم ہے کہ میں دمہ کے مرض میں مبتلا ہوں کسی وقت بھی دورہ پڑ سکتا ہے لہٰذا تمہارے تایا محمد اسماعیل بیمار ہیں جاؤ جا کر ان کی تیمار داری ہی کر آؤ۔''

''ابو جی اپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ سے تو تین بڑے بھائی ہیں یعنی میرے تین تایا ہیں جن کو میں جانتا ہوں جن کے ہاں ہمارا اور ان کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ چوتھے تایا جی کہاں سے آ ٹپکے اور کہاں رہتے ہیں اور میں ان کی تیمار داری کہاں پر کرنے جاؤں۔''

''ارے بیٹا تم نے تو ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کر دیئے یہ میری ہی غلطی ہے کہ میں پہلے تم کو ساری انفارمیشن یعنی تمام معلومات بتا دیتا تو پھر وہاں تم کو جانے کا کہتا..... بیٹا جب تم کلاس چہارم میں پڑھتے تھے تو تم بہت بیمار ہو گئے تھے ادھر ادھر کافی ڈاکٹروں اور حکیموں سے لاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا تو بے چارگی میں تم کو اپنے بڑے بھائی عبدالغفور کے گھر جنڈاوالی گاؤں میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ میرا بھتیجا اور تمہارا تایا زاد بھائی غلام مرتضی حکیم تھا، تم وہاں ان کے پاس دو ماہ تک زیر علاج رہے جب اللہ تعالیٰ نے تم کو صحت عطا کی تب تم واپس گھر آئے، کیا تم اپنے اس تایا کو بھول گئے۔''

''نہیں ابو مجھے یاد ہے لیکن وہ تو آپ کے سوتیلے بھائی ہیں۔''

''ہاں بیٹا محمد اسماعیل بھی عبدالغفور سے بڑے اور وہ بھی میرے سوتیلے بھائی ہیں میرے تین سوتیلے اور تین ہی سگے بھائی ہیں۔''

''ابو جی جب بھائی ہیں تو پھر سوتیلے کیسے ہوئے۔''

''بیٹا وہ اس طرح کہ ہماری سب کی والدہ ایک ہیں کیونکہ تمہاری دادی کے جب پہلے خاوند فوت ہو گئے تو پھر ان کا نکاح ہمارے والد سے کیا گیا لہٰذا چھوڑو ان باتوں کو یہ تو پھر کسی دن کریں گے میں تم کو راستہ بتا دیتا ہوں تم ننکانہ صاحب سے جڑانوالہ۔ جڑانوالہ سے کھرڑیانوالہ کی بس پر بیٹھ کر راستے میں گھیانوالہ گاؤں اتر جانا۔ اسی گاؤں میں تمہارے تایا جان رہتے ہیں یہ اس وقت کی بات جب میں اپنی زندگی کی گیارہویں بہار میں قدم رکھ چکا تھا۔ ہاں بیٹا تیمار داری کرنے کے

سیدھا گھر واپس آنا آتے جاتے بڑی ہوشیاری سے کسی سے بھی کوئی چیز لے کر نہ کھانا۔''

اور میں اللہ کا نام لے کر روانہ ہو گیا۔ ابو کے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہوئے مطلوبہ گاؤں انوالہ پہنچ گیا۔ اگلا مرحلہ گھر ڈھونڈنے کا تھا ادھر لوگوں سے پوچھتے ہوئے مطلوبہ گھر کے دروازے کو دستک دی۔ کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو سامنے سانولے رنگ کی نوجوان لڑکی کھڑی پوچھ رہی ''جی فرمایئے۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنا اس نے سوال کئے۔

اس کے اس طرح سوال کرنے سے میں کچھ سا ہو گیا پھر بھی تھوڑی سی ہمت کر کے کہا۔ ''کیا یہ اسماعیل کا گھر ہے؟''

''جی میرے دادا کا نام محمد اسماعیل ہے آپ کو دادا ابو سے کیا کام ہے؟''

''دیکھئے مجھے کام وام کچھ نہیں میں ان کا بھتیجا اور ننکانہ صاحب سے آیا ہوں۔''

''اچھا آپ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ دروازہ بند کرتے ہوئے غائب ہو گئی..... میں کھڑا سوچوں میں گم ہو گیا کہ میں کہاں آ گیا اور کیوں آیا لڑکی جو رشتہ میں میری بھتیجی لگتی تھی اس نے مجھے اندر بلانے کی بجائے دروازہ بند کر کے چلی گئی حالانکہ میں نے اسے بتایا بھی کہ میں ان کے دادا ابو کا بھتیجا ہوں۔

کافی دیر تک وہاں کھڑا میں دل میں ایسے ہی تانے بانے بننے میں مشغول تھا کہ دروازہ پھر کھلا وہی لڑکی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''سوری چاچو جی اندر آ جائیں آپ کو اتنی دیر دروازے پر انتظار کی کوفت اٹھانا پڑی اس کے لئے میں شرمندہ ہوں اور ایک بار پھر اپنے چاچو سے معذرت خواہ ہوں آئی ایم ویری سوری۔''

میں اپنی اس بھتیجی کے پیچھے چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو سامنے صحن میں نیم کے درخت کے سائے میں تایا ابو چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے میں نے ان کو سلام کیا اور ابو کے سلام کا پیغام دیا اور کہا۔ ''تایا ابو میں آپ کی تیمار داری کے لئے آیا ہوں اب آپ کی طبیعت کیسی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے اور شفاء کاملہ عطا فرمائے۔''

''آمین تایا ابو نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔'' جیتے رہو بیٹا خدا تمہاری عمر دراز کرے، نیک

بنائے اور ہمیشہ خوش رکھے۔ بیٹا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تو پہلے سے بہت بہتر ہوں اللہ تعالیٰ مزید بہتر کرے گا۔"

میں تایا ابو سے دعائیں لیتا ہوا تایا جی کے پاس پڑی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "ننھی بیٹا۔

"جی دادا ابو" اپنے چاچو کے لئے شربت بنا کر لاؤ اور پھر کھانے پینے کا بندوبست بھی کرو۔"

"جی دادا ابو ابھی شربت لائی۔"

میں گھر میں ادھر ادھر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا کہ ننھی جو کمرے میں سامنے شربت بنانے میں مشغول تھی اور ایک چھوٹی سی چھ سات سال کی خوبصورت بچی کھیل رہی تھی گھر میں کوئی بھی ان کے سوا نظر نہیں آ رہا تھا۔ تایا جان جو کہ اب بہت ضعیف اور بیمار بھی تھے لیکن اب بھی وہ بہت ہی ہوشیار لگتے تھے، میرا پورے گھر میں یوں نظریں دوڑانا انہوں نے دیکھ لیا تھا کہنے لگے۔ "بیٹا حنیف گو میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن اس دنیا داری میں اب بھی مجھ سے زیادہ کوئی چاق و چوبند نہ ہوگا۔ میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ دیکھا ہے کہ سنو گے تو حیرت زدہ ہونے کے ساتھ دنگ بھی رہ جاؤ گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہ دیکھ رہے ہو کہ دو بچیوں کے سوا اور کوئی گھر میں نظر نہیں آ رہا یعنی ان بچیوں کے ماں باپ کہاں ہیں؟ تم ابھی چھوٹے ہو پھر پہلی بار آئے ہو اس لئے پوچھنے کی جرائت وہمت نہیں کر رہے جب کہ میں تمہاری آنکھوں میں یہ سوال دیکھ رہا ہوں۔"

اتنے میں ننھی شربت لے آئی جسے میں نے بسم اللہ پڑھ کر پکڑ لیا اور نوش کر لیا۔ "تو بیٹا میں بتاتا ہوں ان بچیوں کے والد ظہر کی نماز پڑھنے مسجد گئے ہوئے ہیں ان کا بڑا بھائی محمد عارف ائیر فورس میں ملازم ہے اور اس کی امی چار سال ہوئے اس فانی دنیا سے کوچ کر گئیں......

میرے تین بیٹے ہیں سب سے بڑا جس کا نام محمد شریف ہے جس کے گھر میں تم اب بیٹھے ہو، دوسرا تمہارا ہم نام محمد حنیف ہے جو مشرق کی جانب چھوٹی سی دیوار کے پار گھر نظر آ رہا ہے یہ اس کا ہے تیسرے بیٹے کا نام احمد علی ہے جو موڑ کھنڈا میں رہائش پذیر ہے۔"

اتنے میں تایا زاد بھائی محمد شریف بھی نماز پڑھ کر آ گئے تایا جان نے ان سے میرا تعارف کرایا تو وہ بھی مجھ سے بہت اچھے طریقے سے بڑے اخلاق سے ملے دیوار کی دوسری طرف سے تایا زاد بھائی محمد حنیف اور بھابی جی نے آواز دیتے ہوئے کہا۔ "بھائی حنیف ادھر ہمارے گھر بھی آنا......" تو تایا جان نے کہا۔ "ہاں یہ آپ کے ہاں بھی آئیں گے رات کو آپ کے مہمان ہوں گے۔ ابھی تو یہ میری تیمارداری کے لیے آئے ہیں کچھ دیر میرے پاس رہنے دو۔

اتنے میں ننھی بھتیجی نے کھانا لگا دیا اور کہا۔ "چاچو جی کھانا کھالیں۔" کھانے سے فارغ ہوا تو تایا جان نے کہا۔ "بیٹا حنیف ادھر میرے پاس آؤ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔" میں جب ان کے قریب ہوا تو انہوں نے لیٹے لیٹے اپنی گردن کی پچھلی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "حنیف بیٹا یہ دیکھو تمہیں میری گردن پر کچھ نظر آ رہا ہے۔" تو میں نے بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تایا جان گردن پر اس وقت رینگتی ہوئی کوئی چیز ایسی نظر نہیں آ رہی جو آپ کو تکلیف پہنچائے البتہ گردن پر بہت بڑا سیاہ رنگ کا نشان ہے جیسے بیل کی گردن پر کولہا پڑا ہوتا ہے ویسا ہی کولہا نما لگ رہا ہے۔"

"ہاں بیٹا یہ کولہا ہی تو ہے جو میں تم کو دکھانا چاہتا ہوں۔"

"کیا تایا ابو آپ اس کی وجہ سے بیمار ہوئے ہیں؟"

"نہیں بیٹا۔" یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ میں یہ سمجھا کہ شائد تایا ابو اسی کے سبب بیمار ہوئے ہیں لیکن میری یہ سوچ جلد ہی ختم ہو گئی۔

جب تایا ابو نے کافی دیر کے بعد اپنی خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹا حنیف۔ جوانی خود ایک ... ہے لیکن کسی پر جوانی ایسی بھی پھوٹ پڑتی ہے کہ د... والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ جوانی سب پر آتی ہے ...

... ورتیں۔ جب جوانی آتی ہے تو بندہ یہ سمجھتا ہے ...ے سوا کوئی اور نہیں۔ ساری طاقت...... سارے ... سارے ہنر...... ساری چالاکی۔ ساری ...ی۔ مجھ میں ہی ہے سب کچھ میں ہی ہمیں ہوں۔ ...یوانی ہوتی ہے جوانی مستانی ہے اگر اس جوانی کو ...اس کے رسول ﷺ کے طریقے پر گزارنا شروع ...ن تو پھر کیا کہنے تو دنیا اور آخرت دونوں ہی سنور ...یں اور اگر شیطانی چکروں میں پڑ جائے تو انسان ... برگی نظر آتی ہے زیادہ تر جوانی میں لوگ رحمان ...ر شیطان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔

شیطان اسے دنیاوی لذتوں کو جاذب نظر بناتا ...تا ہے تو انسان اس دلدل میں پھنستا ہی چلا جاتا ...ڑکیوں کے پیچھے بھاگنا انہیں اپنا بنانے کے ڈھونڈنا انہیں پیار ومحبت کے جھانسے دینا محبت ...۔ زندگی بھر ساتھ نبھانے کے وعدے کرنا۔ خوش ...نے کے گر بتانا جادو، ٹونے، ٹوٹکے اور پھر چلے ...نا۔

بیٹا حنیف جب میں نے بھی جوانی کی دہلیز پر ...ا تو میں بھی کتاب وسنت کے طریقوں سے ہٹ ...نی وطلسماتی کرشموں کے بھنور میں پھنس گیا وہ ...ں، نادانی کے باعث نئی نئی تتلیوں کو اپنے جال ...انے کے لئے نت نئے طریقے استعمال کرنا ...و بن گیا جنہوں نے مجھے روکنا ٹوکنا تھا وہ تھے ...ں بڑا میں ہی تھا تو مجھے کسی کا کوئی ڈر نہ رہا، ...ت اپنے آپ کو ایک بگڑا نواب سمجھتا تھا۔ ...ہلے پہل تو میں اپنی کامیابی کے لئے تعویذات ...ں خرید کر اس میں سے پڑھ پڑھ کر عمل کرنے ...ں کرتا رہا لیکن جب ناکام رہا تو پھر عاملوں ...ے پیچھے بھاگتا رہا کبھی کہاں تو کبھی کہاں جو کچھ ...ماتے تو میں بلا چوں وچرا کئیے دے دیتا لیکن ...ہ ہوتا آخر تنگ آ کر میں نے سوچا جو کچھ ...ی سے کماتا ہوں وہ سب ان جعلی عاملوں کو ...ں کیوں نا میں پاکستان کے اس حصے میں جاؤں جہاں کا جادو بہت مشہور ہے۔

کافی لوگوں سے سن رکھا تھا کہ "بنگال کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔" اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مشرقی پاکستان کے شہر بنگال جا کر جادو سیکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو پھر اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس فن کو سیکھنے کے لئے اپنی بری خصلتوں کو پروان چڑھانے کے لئے ایک دن میں بنگال جا پہنچا۔

کافی روز بنگال میں مجھے پھرتے پھراتے ہو گئے مگر ابھی تک مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نصیب نہ ہوئی ایک دن بنگال کا علاقہ سندر بن سے ملحقہ گاؤں میں جا رہا تھا عصر کا وقت تھا کہ ایک دروازے پر مجھے دو خوبصورت نوجوان لڑکیاں کھڑی نظر آئیں۔ یہی تو میری کمزوری تھی جہاں میں صنف نازک کو دیکھتا تو للچا جاتا ان جیسی کلیوں کو مسلنے کے لئے ہی تو میں بنگال کی گلیوں کی خاک چھان رہا تھا بازاروں میں دربدر پھر رہا تھا۔

میں ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور انہیں یک ٹک دیکھنے لگا۔ کیوں نہ دیکھتا دونوں جوانی کی اس دہلیز پر آ کھڑی ہوئی تھیں جس میں خوبصورتی میں کشمیر کا سارا حسن موجود ہو دونوں کی شکلیں ایک دوسری سے ملتی جلتی حسین وجمیل سرو جیسے قد چناروں کی سی رنگت۔ سیب جیسے سرخ سرخ گال۔ ہرنی کی سی آنکھیں۔ چہروں پر

الف اللہ

اللہ کا نام اعلیٰ طریقے پر لیا جائے گا یا ادنیٰ طور پر اپنا اثر ضرور رکھتا ہے، دنیا میں بعض اشیا ایسی ہیں کہ ان کا نام لینے سے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا نام لیا جائے۔

اور اس میں اثر نہ ہو، خود خالی نام میں بھی برکت ہے خواہ پوری توجہ سے لیا جائے یا کم توجہ سے۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

پھولوں کی سی ملائمت باریک و سنہرے بال خوبصورتی میں اپنی مثال آپ۔

جب مجھے ان کے قریب کھڑے چند منٹ گزر گئے تو ان میں سے ایک بولی۔ ”کیا چاہتے ہو؟“

میں نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ”تمہارے حسن کی خیرات چاہتا ہوں۔“

دوسری بولی۔ ”ہمارے اس حسن کی خیرات تم کو مہنگی بھی پڑسکتی ہے یہاں سے چلتے بنو۔“

”مہنگی پڑتی ہے تو پڑنے دو۔ میں یہاں سے کیسے جاؤں میرے پاؤں میں تو آپ کے حسن نے زنجیریں ڈال دی ہیں۔“ میرا اتنا کہنا تھا کہ ایک لڑکی اندر چلی گئی میں سمجھا شائد اندر سے کسی مرد کو بلانے گئی ہے لیکن یہ کہ دوسری نے وہاں کھڑے کھڑے مجھے آنکھ مار دی۔ ”اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔“ والا مصداق اس کی یہ حرکت دیکھ کر میں تو لٹو ہوگیا۔

اتنے میں دوسری نے جو اندر چلی گئی تھی اس نے تھوڑا سا دروازہ کھولا ہلکی سی اپنے منہ سے سیٹی بجائی میں نے سیٹی کی آواز پر ادھر دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے جھک کر تین بار سلامی پیش کی اور ساتھ ہی مجھے اندر بلانے کا اشارہ کیا۔ میں بھی تو یہی چاہتا تھا جو مجھے کچھ تردد کیے بغیر خود بخود حاصل ہو رہا تھا۔

میں اپنے پاس کھڑی ہوئی دوشیزہ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بجلی کی سی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

تو یہ کیا میں اپنی اصلی انسانی حالت ہی کھو بیٹھا۔ کیونکہ جیسے ہی میں اندر والی لڑکی کے قریب ہوا اسے پیار کرنے لگا تو اس نے جادو کی چھوٹی سی سوئی میرے کان میں چبھوتے ہوئے کہا۔ ”بیل بن جا۔“

جس سے میں فوراً انسان سے بیل کی شکل اختیار کر گیا۔ تو ان دونوں نے میرے گلے میں رسا ڈال کر کھونٹے کے ساتھ باندھ دیا اور پھر میرے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگیں۔ ”اب سناؤ ہمارا حسن تم کو کیسا لگا ابھی تو ہم نے تم کو اپنے حسن کی خیرات بھی دینی ہے۔“ ان کی یہ باتیں سن کر خود بخود میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

”بیٹا حنیف میں وہاں پورے بارہ سال بیل بن کر رہا۔ یہ گردن پر کولہے کا نشان جو تم کو دکھایا ہے وہی بیل بن کر ہل کھینچنے کا ہے۔ وہ بارہ سال کا عرصہ اپنی زمینوں پر مجھ سے ہل چلواتی رہیں۔“

”تایا ابو کیا آپ اس دوران چارہ کھاتے رہے۔“

”نہیں بیٹا روٹی سالن بلکہ زیادہ تر چاول ہی کھایا کرتا تھا۔“

”وہ کیسے؟“

”پہلے روز جب رات کے کھانے کا وقت ہوا تو دونوں بہنیں میرے پاس آ کر کھڑی ہوگئیں۔ کہنے لگیں۔ ”ہماری بات کو غور سے سنو! ہم نے تمہارے ساتھ بہت رعایت کی ہے تم کو گدھا یا کتا نہیں بنایا بیل بنانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم پردیسی ہو ہمارے علاقے کا بالکل نہیں ہو اور پھر تمہیں بھوک بھی لگی ہوئی ہوگی۔“

میں نے سر کو ہلا کر ہاں میں جواب دیا تو وہ بولی۔ ”دیکھو ہمارے ساتھ چالاکی اور ہوشیاری مت کرنا اگر کھانا کھانا چاہتے ہو تو ہم تمہیں انسانی شکل میں واپس لا کر کھانا پیش کر دیں گی۔ اگر تم نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسی ویسی کوئی حرکت کی یا غلطی سے بھاگنے کی کوشش کی تو یہ سوچ تمہارے لئے یہاں سے بھاگنا ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہے لیکن ایسی غلطی کی سزا تم کو ایک بازو اور ایک ٹانگ توڑ کر ہمیشہ کے لئے کتا بنا دیا جائے گا اور اگر خاموشی سے اچھے بچوں کی طرح کھانا کھا کر ہمارے اشاروں پر چلتے رہو گے تو ہر روز صبح، شام دو ٹائم تم کو چند لمحے یہ انسانی شکل دیکھنا نصیب ہو جایا کرے گی اور کھانا بھی ملتا رہے گا۔ ہماری بات سمجھ میں آئی یا نہیں۔“

میں نے سر کو جنبش دی گویا میں نے ان کی بات کو نہ صرف سن لیا بلکہ اس پر عمل کرنے کی بھی سر کو ہلا کر یقین دہانی کرا دی۔ جب انہیں مجھ پر یقین ہوگیا کہ

ہمارے جال میں پھنس چکا ہے اور ہمارے ڈرانے دھمکانے سے خوف زدہ بھی ہے تو ایک نے آگے بڑھ کر جیسے ہی میرے کان سے سوئی نکالی تو میں فوراً اپنی اصلی انسانی شکل میں آ گیا تو دوسری نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔

میں جو پہلے اپنے آپ کو رستم، یا افلاطون اور بہت ہوشیار، چالاک، سمجھتا تھا اب ان حسین و جمیل لڑکیوں کے سامنے بھیگی بلی بن کر بیٹھا، ندامت سے سر کو جھکائے کھانا کھانے میں مشغول رہا، اب تو میں چہرہ اوپر کرنے سے بھی ڈر رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے کھانا ختم کیا تو انہوں نے دوبارہ سوئی میرے کان میں چبھو دی اور مجھے بیل بنا کر دوبارہ اسی جگہ کھونٹے سے باندھ دیا۔ اب یہ روزانہ کا معمول بن گیا تھا۔

صبح، شام دو وقت مجھے انسان بنا کر کھانا کھلایا جاتا اور ہر روز حیوان بنا کر زمینوں پر لے جا کر صبح سے شام تک ہل چلایا جاتا بارہ سال کا عرصہ متواتر اسی طرح گزر گیا۔

میں اپنے دل میں یہ سوچتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ برے کام کا برا ہی انجام ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنی آنکھوں میں بے شمار خواب دیکھتا ہے تمنائیں کرتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے خلوص دل سے کوشش کرتا ہے۔ مگر تقدیر کا ایک ہی جھونکا امیدوں کی کھلے آرزوؤں کے شیشے کو نوچ کر پھینک دیتا ہے تو آنسو بہانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا، ہر انسان کے ہاتھوں مجبور و بس ہو جاتا ہے۔

میں بھی اب بے بس اور مجبور تھا سوچتا اسماعیل اس قید سے رہائی ملنا بہت مشکل بلکہ بہت ہی مشکل ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں کئی روپ دیکھے۔ کبھی نرم و نازک چہروں کے گرد منڈلاتے رہنا پروانوں سے سیکھا۔ آندھیوں نے تیز چلنا بہارش نے آنسو بہانا سکھایا۔ کلیوں نے مسکرانا جہاں بہار نے مجھے جینے کا درس دیا۔ وہاں خزاں نے اجڑنے کا منظر بھی دکھا دیا۔ ادھر ندی کی خاموشی سے بہتے پانی نے مجھے زندگی صبر سے بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا، تو سمندر کے بپھرے طوفانوں نے مصائب کا مقابلہ کرنا بھی بتا دیا۔ اگر کلی نے پھول بن کر کھلنے کی شہادت دی تو پاؤں تلے کچلی پتیوں نے آنے والی موت کا احساس بھی دلا دیا۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوا نے جہاں دو وقت صبح و شام ٹھنڈک اور سکون کا احساس دلایا۔ وہاں چلتی آندھی اور بجلی کی گھن گرج نے آشیاں کے جلنے کی پیشن گوئی بھی کر دی امید کی کرن نظروں سے دور ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ وقت سب زخموں کا مرہم ہے ہر روز صبح و شام چند لمحے انسانی روپ میں اپنے آپ کو دیکھتا۔ لیکن اس عذاب سے چھٹکارا پانا اب میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ میں خدا کے آگے بھی التجا کرنے یعنی دعا کرنے سے بھی ڈرتا تھا کہ کس منہ سے میں رب ذوالجلال سے عرض کروں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا کر، میں نے اب تک کوئی نیک کام تو کیا نہیں تھا۔ برائیوں اور گناہوں کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا اب تو ان آنکھوں میں آنسو بھی نہیں آتے تھے آنسو ایسے ہی حاصل نہیں ہوتے انہیں حاصل کرنے کے لئے دل پر بہت گہری چوٹ کھانی پڑتی ہے۔ ایک ایسی زبردست چوٹ سے غبار آنسوؤں کی صورت میں نکلتا ہے۔ جو دنیا کے تمام خزانوں سے قیمتی ہوتا ہے اور کوئی موتی ان کی خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے دل پر بھی ایک بہت بڑی چوٹ لگ چکی تھی لیکن آنسو بھی مجھ سے ایسے روٹھ گئے تھے کہ آنکھوں میں آنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔“

”بیٹا حنیف بارہ سال گزرنے کے بعد شائد میرے صبر نے رنگ دکھایا یا نجانے ان لڑکیوں کو مجھ پر کیسے رحم آ گیا۔ ویسے تو حسن عورت کا جادو ہے تو سیرت اس کی خوبصورتی۔ حیا عورت کا زیور ہے تو محبت اس کا ضمیر فرض کی تکمیل اس کی منزل ہے۔ انکساری عورت کی شان ہے تو رحم عورت کی فطرت ہے شائد اسی فطرت

کے پیش نظر۔

ایک صبح کھانا کھلانے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ ”جاؤ ہمیں تم پر رحم آ گیا ہے۔ یہاں سے فوراً دو گیارہ ہو جاؤ۔“

میں نے ان کی اس رحم دلی کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ شرم صرف نگاہوں کی نہیں ہوتی..... بلکہ دل اور زبان کی بھی ہوتی ہے جو پہلے میں نے اتار دی تو بدلے میں تم نے بھی اس کا خوب مزہ اٹھایا۔“

”اچھا تو پھر اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو..... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارے چنگل سے آزاد ہو رہے ہو۔“

”مجھے اس خوشی سے کوئی سروکار نہیں جس مقصد کی خاطر میں یہاں بنگال میں آیا تھا اس کو پائے بغیر میں اب کیسے چلا جاؤں؟“

”کون سا مقصد لے کر تم یہاں آئے تھے اور وہ تم کو بنگال میں کہاں سے ملے گا۔ ہمیں بتاؤ شائد ہم اس سلسلہ میں تمہاری کوئی مدد کر سکیں۔“

”مدد تو تمہیں کرنا ہوگی اور میرا مقصد بنگال میں مجھے ڈھونڈنا نہیں پڑے گا بلکہ آپ دونوں سے ہی حاصل ہوگا۔“ میری بات کو سن کر ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگیں۔

”تمہاری بات کا کیا مطلب ہم سمجھے نہیں۔“

”میری بات کا مطلب یہ ہے کہ میں بنگال میں جادو سیکھنے کے لئے آیا تھا کہ تمہارے چنگل میں پھنس گیا میری تم دونوں بہنوں سے صرف اتنی گزارش ہے کہ تم چاہے جتنے سال اور مجھے بیل بنا کر مجھ سے ہل چلانے کا کام لیتی رہو مگر مجھ پر یہ مہربانی کر دو کہ جس جادو کے ذریعے مجھے صبح و شام انسانی شکل میں لے آئیں اور پھر بیل بناتی رہیں، وہ جادو مجھے بھی سکھا دو، یہی میرا بنگال میں آنے کا مشن تھا اور ہے۔“

”اور وہ جو تم نے ہمارے ساتھ پہلی ملاقات میں گلی میں کھڑے ہو کر ہمارے حسن کے دیوانے ہو گئے تھے وہ اب کہاں ہیں؟“

وہ سب ہوا ہو گئے تم دونوں نے میرے غبار سے ہوا نکال کر خالی کر دیا۔“

”ہم چاہتی ہیں کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔“

”نہیں اب یہاں سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں ساری زندگی بیل بن کر زندگی گزار لوں گا لیکن جادو سیکھے بغیر اس گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھوں گا چاہے مجھے تم جس اذیت سے مرضی گزار لو میں سب کچھ سہہ لوں گا مگر یہاں سے اب جانے والا نہیں ہوں۔“

”ہمیں لگتا ہے کہ تم ہم سے ہی جادو سیکھ کر ہم سے ہی بدلہ لینا چاہتے ہو۔“

”نہیں یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تم لوگ مجھ پر اعتبار کرو میں ایسا کرنا تو درکنار سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”چلو یہ بات ہے تو ہم بھی تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ آج کے بعد تم کو بیل نہیں بنایا جائے گا اور اب تم اس گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہو گے۔“

زندگی کا گلستاں ہے اس میں کھلنے والے پھول" خوشیاں" اور چبھنے والے کانٹے "غم" ہیں اس میں گزرنے والا وقت "پھول" پھولوں کے ساتھ بعض کانٹے بھی اگ آتے ہیں۔ پھول چنچ کر مرجھا جاتے ہیں۔ جب خزاں کے بادل چھا جاتے ہیں تو سب کچھ مٹ جاتا ہے لیکن بہار ایک نیا سرور بھرا پیغام بھی لاتی ہے زندگی محض ایک تجربہ گاہ ہے میں بھی تو اس تجربہ گاہ میں تجربے کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔

جب انہوں نے مجھے اپنے گھر کا فرد بنا لیا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا میں مسلسل مزید دو برس ان کے گھر میں رہا اور ان دو سالوں میں انہوں نے مجھے وہ پیار دیا کہ میں پچھلے بارہ سال کی بیل بن کر کی گئی مشقت کو بھول گیا۔

انہوں نے مجھے جادو سکھا کر بھرپور کر دیا اور مجھے واپس مغربی پاکستان آنے کی اجازت دے دی میں واپس اپنے گاؤں آ گیا میرے سر پر وہی عاشقی معشوقی والا بھوت سوار تھا۔ جس کے لئے میں مسلسل

بڑھ پندرہ سال گھر سے بے گھر ہوا۔ تکلیفیں، مصیبتیں، مشکلیں برداشت کیں اب اس میں ماہر ہو چکا تھا۔ جادو سیکھ چکا تھا۔

جادوگر معاشرے میں ہر طرح کی گندگی اور فساد پھیلاتا ہے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ کسی بھی مخلوق کی ایذا رسانی یا انتہائی گھٹیا کارستانی کا ارتکاب کرنے میں تردد نہیں کرتا اسی طرح کھیتی باڑی اور چوپایوں کو ہلاک و برباد کر دینا۔ آگ لگا دینا۔ تجارتی سامانوں کو تلف کر دینا۔ میاں بیوی کے درمیان تفریق ڈال دینا۔ انہیں بانجھ بنا دینا جنسی طاقت کو کمزور کرنے یا سرے سے ختم کر دینے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا۔ حاملہ عورت کا حمل ضائع کر دینا لوگوں کو جنون اور حیرانگی میں مبتلا کر دینا۔ پیار و محبت یا بغض و نفرت کے لئے خاص پاؤڈر تیار کرنا اور شادی سے پہلے منگنی یا عقد کو ختم کرا دینا جادوگر کے پسندیدہ اعمال میں شامل ہے۔ حنیف بیٹا یہ سب فعل مجھ میں پائے جاتے تھے۔

جادوگر اسی انداز سے جراثیم پھیلاتا رہتا ہے جو معاشرے کی ہڈیوں میں لگ کر اسے کمزور کر دیتا ہے میں یہ سب بری حرکتیں کر کے بہت خوشی محسوس کرتا تھا بلکہ مجھ میں ایک بہت ہی گھٹیا حرکت یہ پائی جاتی تھی کہ میں نوجوان کنواری لڑکیوں کو جادو کے ذریعے کسی کو فاختہ، کسی کو کبوتر، کسی کو چڑیا وغیرہ بنا کر اپنی مخصوص جگہ پر لے جا کر انہیں اصلی روپ میں لا کر برے فعل کا مرتکب ہوتا تھا اور ساتھ ہی انہیں ڈرا دھمکا کر اس برے گندے و قبیح فعل کو آئندہ بھی جاری رکھنے کے لئے آمادہ کر لیتا تھا میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا میں کوئی دن بھی خالی نہیں جانے دیتا تھا گناہوں کی دلدل میں ایسا پھنس چکا تھا کہ کبھی ماضی میں جھانک کر بھی نہ دیکھا۔

میرا ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہوتی تھی میرا اول گناہ در گناہ کر کے سیاہ ہو چکا تھا واپسی کی امید کم ہی تھی بندہ تو درکنار میں تو حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکا تھا بیل بن کر بارہ سالہ مشقت کا بدلہ میں نئی نئی اٹھتی

اعترافات

شادی کے بعد ایک نیک شخص نے اپنی دلہن سے کہا۔

”آج سے تم ہی میری زینت ہو۔ عزت ہو اور تمنا ہو۔“

نئی دلہن نے شرما کر مگر وثوق بھرے لہجے میں کہا۔

میرے لئے بھی آج سے آپ عارف، عابد اور شفیق ہوں گے۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

ہوئی کلیوں کو مسل کر بہت ہی خوشی محسوس کرتا تھا پھر ایک روز ایسا بھی آیا جس نے مجھے یکسر بدل دیا یعنی میری کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔

گو وہ دن میرے لئے قیامت سے کم نہ تھا مگر میں اب سوچتا ہوں کہ اچھا ہی ہوا مجھے تکلیف تو بہت ہوئی کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے اس تکلیف نے مجھے راہ راست پر ڈال دیا برائی کو چھوڑ کر صراط مستقیم پر چلا دیا شیطان سے ہٹا کر رحمان کی طرف راغب کر دیا۔

وہ یوں کہ گاؤں کے نمبردار کی بیٹی جو بہت ہی خوبصورت تھی میں کافی عرصہ سے اس کی تاک میں تھا ایک دن سر بازار مل گئی تو میں نے فوراً آگے بڑھ کر جادو کی سوئی اس کے بازو میں چبھوتے ہوئے کہا ”مینا بن جا۔“ تو وہ اسی وقت مینا بن گئی میں اسے پکڑ کر اپنے مخصوص اڈے پر لے گیا اسے خوب ڈرایا دھمکایا پھر سوئی نکالتے ہوئے اسے انسانی حالت میں لا کر عزت لوٹنے کی کوشش کی لیکن اس نے بھرپور مزاحمت کی اور میری ایک نہ چلنے دی جب میں اپنے ارادے میں ناکام ہو گیا تو سوئی چبھوتے ہوئے دوبارہ سے بکری بنا دیا اور اسے لیے گھر آ کر باندھ دیا۔

ادھر اس کے گھر والے بہت پریشان اسے تلاش کرتے رہے مگر ان کو نہ ملنا تھی اور نہ ملی۔

میں اگلی صبح اسے پھر اپنی مخصوص جگہ پر لے گیا ور اسے کہا اگر میری بات مان لیتی تو یہ ذلت تو تمہیں نہ اٹھانا پڑتی خود بھی بکری کی صورت میں پڑی ہو اور پھر تمہارے گھر والے بھی تمہارے لیئے پریشان ہیں اور تم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو چکے ہیں اب بھی اگر میری بات نہیں مانو گی تو اسی طرح یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

''اس نے یہ سنتے ہی میرے پاؤں پر سر رکھ دیا۔

میں نے جادو کی سوئی نکال دی تو وہ فوراً انسانی شکل میں واپس آ گئی میں نے اپنی گندی و قبیح خواہش کو پورا کیا اور اسے وارننگ دی کہ اپنے گھر والوں کو اس بارے میں مت بتانا ورنہ تمہاری خیر نہیں ہوگی اور ساتھ ہی اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

جب وہ گھر پہنچی تو گھر والوں کے پوچھنے پر اس نے من وعن سارا واقعہ بیان کر دیا پھر کیا تھا اس کے گھر والوں نے مجھے آ کر پکڑ لیا مجھے مارتے ہوئے اور گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے آئے تھوڑی دیر میں پورا گاؤں اکٹھا ہو گیا۔ جن لوگوں کو میری کالی کرتوت کا معلوم ہوا وہ گھر والوں کے ساتھ مل کر مارنے میں شامل ہو چکے تھے اور جن کو معلوم نہیں تھا وہ لوگ مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے اسے چھوڑ دو مر جائے گا کچھ کہہ رہے تھے اسے گاؤں بدر کر دیا جائے پھر مجھے کچھ معلوم نہیں رہا۔

میں کب بے ہوش ہوا کتنی چوٹیں آئیں کتنے زخم لگے انہوں نے تو مجھے اپنی طرف سے مار کر پھینک دیا مگر خدا کی طرف سے جو مجھے زندگی ملی تھی اس کے ختم ہونے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے گاؤں کے خدا ترس لوگوں نے اٹھا کر ہسپتال پہنچا دیا کچھ روز ہسپتال میں رہا ٹھیک ہونے پر ہسپتال سے ڈسچارج ہوا باہر آ کر سوچنے لگا۔

اسماعیل تم نے اپنی زندگی میں بہت دکھ بھی اٹھائے اور خوب عیش وعشرت بھی کر لی اگر تم ان کی مار پیٹ سے مر جاتے تو خدا کے سامنے کیا منہ لے کر جاتے، دوزخ کا بنجارہ ہی تو بننا تھا اسماعیل تجھے نئی زندگی ملی ہے ہوش کے ناخن لے اب بھی وقت ہے سنبھل جا اللہ بڑا کارساز ہے اس سے معافی مانگ لے وہ ضرور معاف کر دے گا۔

میں نے سچی توبہ کرنے کا تہیہ کر لیا میرے قدم گاؤں جانے کے بجائے لاری اڈے کی طرف بڑھ گئے فیصل آباد والی بس پر سوار ہو گیا راستے میں جب کنڈیکٹر نے کرایہ مانگا تو جیب میں ہاتھ ڈالا تو یہ کیا جیب خالی تب میں پریشان ہو گیا کہ اب کیا کروں اور کنڈیکٹر کو کیا کہوں اس نے میری پریشانی کو بھانپ لیا اور کہا۔ ''کیا ہوا کسی نے پیسے نکال لیے۔'' میں نے سر ہلا دیا تو وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

خداوند قدوس نے عزت رکھ لی، فیصل آباد پہنچ کر میں سیدھا مدرسہ دارلعلوم جامعہ نظامیہ چلا گیا وہاں مہتمم اعلیٰ سے ملا اور ان سے داخلہ کی استدعا کی انہوں نے مجھے داخلہ دے دیا میں نے سابقہ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ سے معافی مانگی۔

سچی توبہ کی دن رات محنت کی اور ایک دن بڑا عالم بن گیا جس گاؤں میں آج تم آئے ہو، یہاں گاؤں والوں کو مسجد کے لئے پیش امام کی ضرورت تھی تو یہ گاؤں والوں نے مجھے پیش امام بنا دیا اور میں نے امامت شروع کر دی یہاں آ کر ہی شادی ہوئی میں تہجد پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔

''بیٹا حنیف یہ تھی میری رام کہانی تم بھی میرے لئے دعا کرنا کہ خدا مجھے معاف کر دے اور اپنے ابو یعنی میرے بھائی کو بھی کہنا کہ میرے لئے دعا کریں۔''

اب قارئین سے التجا ہے کہ میرے تایا ابو کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جو کہ رحمٰن رحیم اور کریم ہے، وہ ان کو معاف کرتے ہوئے مغفرت فرما دے۔

حویلی کا راز

شازفاطمہ-راولپنڈی

اچانک روح کسی سسکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ جب تک ہمارے وجود کو مذہب اسلام کے مطابق نماز جنازہ پڑھا کر دفن نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہماری روح بھٹکتی رہے گی اور پھر.....

ایک روح کا عجیب وغریب شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں پر.....سکتہ طاری کر دے گا

وہ جون کی ایک تپتی دوپہر تھی سورج اپنے پورے جن سے چمک رہا تھا ایسی گرمی میں نے پہلے کبھی نہیں بھی تھی انسان تو انسان چرند پرند بھی اپنے گھونسلوں میں کے بیٹھے تھے، ہوا کا کوئی نام ونشان نہ تھا درخت بھی ایسے اکت کھڑے تھے جیسے ہوا کا کبھی ادھر سے گزر ہی نہ ہوا ہو م کا جھلسا دینے والی اس گرمی میں کالج سے واپس اپنے اؤں کو جانے والا کچا راستہ جو کہ بہت سارے خطرناک ثبات سے مشہور تھا لیکن گاؤں کو جانے والا واحد شارٹ ٹ راستہ تھا میں اسی راستے سے گھر واپس جا رہا تھا ارے آیا میں نے اپنا تعارف کروانا تو بھول گیا میرا نام سانول ہے میں F.S.C پارٹ ون کا اسٹوڈنٹ ہوں اور روزانہ گاؤں سے شہر کالج جاتا ہوں، میرے گھر میں ہم چار بھائی اور امی ابو ہیں ویسے تو میرا دوست انیس بھی میرے ساتھ کالج جاتا ہے لیکن آج طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے وہ کالج نہیں جا سکا تھا اور مجھے اکیلا جانا پڑا۔

کالج سے چھٹی پر مجھے بس اسٹاپ پر پہنچنے میں دیر ہو گئی اور دوسری بس تھوڑی لیٹ آئی تو میں اپنے بس اسٹاپ پر اترا اور کچے راستے سے گھر جانے کا فیصلہ کیا اگر دوسرے راستے سے میں جاتا تو دیر ہو جاتی اور امی پریشان ہونے لگتیں اس لئے میں نے اس راستے کا انتخاب کیا۔

چلتے چلتے میرے ذہن میں اس راستے کے بارے میں بہت سے خیالات آ رہے تھے کیونکہ میں نے لوگوں

سے بہت کچھ سن رکھا تھا، کیونکہ وہ علاقہ آسیبی تھا۔

کوئی بھی صبح سویرے اس طرف کا رخ نہ کرتا میں تو قہر برساتی دھوپ میں ادھر آنکلا تھا راستے کے برابر میں ایک طرف بہت بڑا قبرستان تھا جو کہ اپنی تمام تر ہولناکیاں لیے میرے سامنے موجود تھا اس طرف دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے دور دور تک کسی بھی ذی روح کا نام ونشان نہ تھا۔

اللہ کا نام لے کر میں قبرستان سے آگے بڑھنے لگا قبرستان سے ذرا ہٹ کر ایک بہت بڑی پرانی حویلی موجود تھی میں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ یہ اپنے وقت میں تمام حویلیوں میں زبردست حویلی تھی اور یہ حویلی انسان کو اپنے اندر اپنی خوبصورتی میں ضم کرلیتی اتنی بوسیدہ اور پرانی ہو جانے کے بعد بھی اس میں ایک عجیب سی کشش تھی۔

میں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ جو کوئی بھی اس حویلی میں جاتا تو وہ کبھی بھی زندہ واپس نہ آتا اور جو کوئی بچ جاتا تو اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور دل چاہا کہ اڑ کر اس علاقے سے دور ہو جاؤں؟ اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ جو کوئی بھی اس حویلی کے پاس سے گزرتا ہے اسے رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں آتی ہیں۔

خیر میں ان باتوں کو نظر انداز کر دیا کرتا تھا اور ان باتوں کو ماننے سے انکار کر دیتا میں کوئی بزدل لڑکا تھوڑی تھا میں نے اپنی تمام تر ہمت یکجا کی اور سوچا کہ اگر یہاں سے گزرنے سے آوازیں آتی ہیں تو آج مجھے بھی پتہ چل جائے گا۔

اور میں جب حویلی کے قریب سے گزرنے لگا تو بیچ میں کسی عورت اور بہت ساری بچیوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں تو میں پوری قوت سے وہاں سے دوڑا اور جب میں نے پیچھے مڑ کر حویلی کی طرف دیکھا تو ایک عورت حویلی کی چھت پر موجود مجھے غصے سے گھور رہی تھی اس کی سرخ انگارہ آنکھوں کی میں تاب نہ لاسکا اور سرپٹ بھاگا لیکن مجھے اپنے پیچھے کسی کے دوڑنے کا احساس ہوا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کیونکہ بہت ساری چھوٹی بچیاں میرے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

مجھے یاد آیا امی نے کہا تھا کہ "جب بھی کبھی مصیبت میں ہو تو ہمیشہ اللہ کو یاد کرنا۔

میں نے آیت الکرسی کا ورد کرنا شروع کیا اور وہاں سے بھاگتا چلا آیا اور اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر سانس لیا گھر میں داخل ہوا تو امی سامنے پریشان بیٹھیں تھیں مجھے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی۔

میں نے جب ٹائم دیکھا تو دن کے 4 بج رہے تھے میں نے امی سے کہا کہ "بس چھوٹ گئی تھی اور دوسری بس لیٹ آئی اس وجہ سے لیٹ ہوگیا۔" میں اس بات پر حیران تھا کہ میں 2 بجے اسٹاپ پر اترا اور مجھے یہاں آتے دو گھنٹے لگ گئے، امی کو میں نے اس بارے میں کچھ نہ بتایا کہ کچے راستے سے آتے ہوئے میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔

میں نے کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنے لگا اور اس بارے میں سوچنے لگا کہ آخر اس حویلی کا راز کیا ہے؟ وہ عورت اور وہ بچیاں کون تھیں؟

دوسرے دن اتوار تھا ناشتہ کرنے کے بعد میں باہر گارڈن میں جا کر بیٹھ گیا اور اسی بات کو سوچنے لگا کہ "آخر اس راز کا پتہ میں کیسے لگاؤں۔" تبھی میرا چھوٹا بھائی ساحل میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "میرے دوست کرکٹ کے لیے بلانے آئے ہیں۔" تو میں نے ساحل سے کہا کہ "ان سے کہہ دو کہ میں کچھ دیر تک آتا ہوں۔" ان کے ساتھ چلا گیا ساحل میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا اور مجھ سے تین سال چھوٹا تھا میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ Garden کی صفائی کرتے ہوئے مالی بابا کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے سوچوں میں گم دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔ "سانول بیٹا کس بات نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے؟"

میں نے پہلے سوچا کہ ان کو بتا دوں کہ نہیں پر خیال آیا کہ اگر انہوں نے بابا جان کو بتا دیا تو میری الٹی شامت آجائے گی کہ میں وہاں سے کیوں گھر واپس آیا۔ میں نے مالی بابا سے کہا کہ "کچھ نہیں۔"

لیکن وہ اصرار کرنے لگے ان کے اصرار پر میں نے

وعدہ کیا اور میں نے ان کو پورا واقعہ سنا دیا۔ جو اس دن ے ساتھ پیش آیا تھا تو وہ پریشان ہوگئے اور کہنے لگے تم خوش قسمت ہو جو بچ کر واپس آگئے ورنہ اس جگہ نے جانے والا کوئی بھی اس حویلی کے سحر سے بچ نہیں اس لیے بھول کر بھی آئندہ کبھی اس راستے سے نہ آنا۔" اتنا کہہ کر وہ چلے گئے۔

لیکن میرا سسپنس اور بڑھ گیا۔ اب مجھے کسی نہ کسی ح اس حویلی کا راز جاننا تھا جس نے سب لوگوں پر اپنا طاری کر رکھا تھا میرے گاؤں کے لوگ بہت سیدھے ھے اور شریف ہیں ایسی باتوں پر جلد یقین کر لیتے ہیں۔

میرا گاؤں شہر گجرات کا ایک خوبصورت گاؤں ہے ھلول پور کے نام سے جانا جاتا ہے۔

خیر میں Play Ground کی طرف چل پڑا ں گیا تو سب میرا انتظار کر رہے تھے مجھے دیکھتے ہی ے کھیل شروع کیا۔ لیکن کھیل کے دوران بھی میں سوچوں میں ہی گم تھا جن کو میرے دوستوں اور بھائی بھی محسوس کیا، کرکٹ ختم ہونے کے بعد انہوں نے سے پوچھا۔ "آخر میں کن سوچوں میں گم ہوں۔" میں ان سب کو سارے واقعہ کے بارے میں بتا دیا تو وہ ان ہوگئے ساحل مجھے ڈانٹنے لگا کہ "بھائی اگر آپ کو ہو جاتا تو؟"

میں نے کہا۔ "میرے بھائی تم سب کی اور امی کی میرے ساتھ ہیں تو کیا ہو سکتا ہے۔" پھر میں نے سے کہا کہ "میں اس حویلی کا راز جاننا چاہتا ہوں کہ اس ایسا کیا ہوا تھا جو راتوں رات حویلی اجاڑ اور سنسان اور اس حویلی کے سارے لوگ ایک رات میں ہی گئے اور صبح ان سب کی لاشیں اس حویلی سے ملیں، ان کی بہو کی لاش نہ ملی۔

گاؤں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کی بہو سب کو مار تمام قیمتی چیزیں جیسے زیورات لے کر یہاں سے فرار پولیس نے کافی چھان بین کی لیکن اس کے بارے بھی نہ پتہ چلنے پر اس کیس کو خارج کر دیا گیا۔

لیکن مجھے جو عورت اس دن چھت پر نظر آئی وہ کون تھی اور اس کی آنکھوں میں اتنی نفرت اور وہ بچیاں کون تھیں یہ باتیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ اور مجھے اس حویلی میں جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

میں اس حویلی کا سارا راز جاننا چاہتا تھا میں نے اپنی یہ خواہش جب دوستوں پر عیاں کی تو وہ بھی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے، میں نے ان سے کہا کہ "آج رات 11 بجے جب سب سو جائیں تو ہم گھر سے نکلیں گے اور گلی کے نکڑ پر ملیں گے سب نے حامی بھر لی اور پھر ہم اپنے اپنے گھر واپس آگئے اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

جب سب گھر والے سو گئے تو میں اور ساحل رات گیارہ بجے پچھلے دروازے سے گھر سے نکلے اور گلی کی نکڑ پر پہنچے جہاں شہریار، انیس، اجمل اور ریحان پہلے سے موجود تھے۔

چاند پورے آب وتاب سے چمک رہا تھا جس سے ہمیں رات میں چلتے ہوئے دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ اور پھر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے موسم نے اپنے تیور بدلنے شروع کر دیئے آسمان پر ستاروں کی جگہ گہرے کالے بادلوں نے لے لی چاند کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا اور کبھی ہلکا نظر آنے لگتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی شروع ہوگئی۔

پھر جیسے تیسے ہم حویلی کے گیٹ پر پہنچے گیٹ پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا جسے اس وقت توڑنا ہمارے لئے ناممکن تھا، ہم نے حویلی کی دیواروں کا جائزہ لیا جو زیادہ اونچی نہ تھیں، اور ہم نے دیوار پھلانگ کر حویلی میں جانے کا فیصلہ کیا پھر دیوار پھلانگ کر ہم حویلی کے اندر داخل ہوئے تو حویلی کی خوبصورتی ہم پر عیاں ہوئی حویلی واقعی اپنے وقت کی شاندار حویلیوں میں سے ایک تھی اور اعلیٰ طرز وتعمیر کی مثال تھی۔

ہم نے وہاں پر ایک کمرے کا انتخاب کیا حویلی کے اس کمرے میں اپنی تمام تر ضروریات کی چیزیں رکھیں اور پھر حویلی کو دیکھنا شروع کیا، حویلی میں گھومتے ہمیں ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ ہمارے ساتھ پیش نہ آیا تو ہم تھک کر بیٹھ گئے۔

ابھی ہمیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ہمیں باہر کسی

کے چلنے کی آواز آئی اور جب باہر نکل کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا، ہم واپس اپنے کمرے میں آئے تو رونے کی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت ساری عورتیں بین کر رہی ہوں، کانوں کو پھاڑ دینے والی آوازوں سے ہم نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

ساحل یہ دیکھ کر رونے لگا تو میں نے اسے حوصلہ دیا اور آیت الکرسی کا ورد کرنے کو کہا ہم سب نے مل کر آیت الکرسی پڑھنا شروع کردی تو تھوڑی دیر میں آوازیں تھم گئیں۔ لیکن میرے دوست اور ساحل بہت زیادہ ڈر گئے تھے، میں نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا کہ ”ڈر اللہ کی ذات کا ہونا چاہیے۔“

تھوڑی دیر میں حویلی کے در و دیوار بری طرح سے ہلنے لگے جیسے زلزلہ آگیا ہو چیزیں ادھر سے ادھر گرنے لگیں اور ہم ایک جگہ پر ساکت بیٹھے رہے اور آیت الکرسی کا ورد کرتے رہے۔

شہریار بولا کہ ”آخر یہ سب کون کر رہا ہے اور جو بھی ہے وہ سامنے کیوں نہیں آتا۔“

میں نے کہا کہ ”دوستو! یہاں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا ہمیں باہر نکل کر اس نادیدہ قوت کا سامنا کرنا ہوگا اور اس بند حویلی کا راز جاننا ہوگا۔“ ہم کمرے سے باہر نکلے ہم سب ہال میں پہنچے سب کمروں میں دیکھا لیکن کوئی بھی وہاں ہمارے علاوہ موجود نہ تھا، اتنے میں حویلی کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بجنے لگے، زور زور سے۔

آخر میں نے ہمت کو یکجا کیا اور پوچھا۔ ”کون ہو تم اور کیا چاہتی ہو کیوں تم نے سب گاؤں والوں کو خوف میں مبتلا کر رکھا ہے اور لوگوں کی جانیں لے رہی ہو۔“

تو زور زور سے کسی کے چلنے کی آوازیں آنے لگیں میں نے اسے سامنے آنے کا کہا تو جیسے طوفان چلنے لگا جب تھما تو ہمارے سامنے ایک 25 سالہ لڑکی موجود تھی وہ بے حد خوبصورت تھی لیکن اس کی آنکھوں میں نفرت تھی غصہ تھا لیکن کس بات پر یہ وہی جانتی تھی۔

اسے دیکھ کر میرے دوست دہشت سے چلانے لگے میں نے انہیں خاموش رہنے کا کہا کیونکہ اس نے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا، میں نے ہمت کر کر کے اس سے پوچھا کہ ”آخر تم یہ سب کیوں کر رہی ہو اور تم کون ہو اور کیا ہوا تھا برسوں پہلے اس حویلی میں۔“

تو اس نے بتانا شروع کیا کہ۔ ”میں اپنے ماں باپ کی ایک ہی بیٹی تھی میرے ماں باپ بہت غریب تھے لیکن پھر بھی مجھے کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہ دیتے میں اپنے گاؤں کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی ایک دن اس حویلی کا بڑا بیٹا نواب حسن کسی کام سے ہمارے گاؤں میں آیا۔ میں کنوئیں سے پانی بھر کر گھر آرہی تھی تو اس نے مجھے دیکھ لیا اور پہلی بار دیکھتے ہی اسے مجھ سے محبت ہوگئی اور پھر روز روز وہ کسی نہ کسی بہانے سے ہمارے گاؤں آتا مجھے بھی وہ اچھا لگنے لگا۔ اس نے مجھ سے اپنے پیار کا اظہار کیا جسے میں نے بھی خوشی سے قبول کرلیا۔

میرے چھوٹی سے غریب خانے میں نوابوں کے گھر سے جب رشتہ آیا تو سارے گاؤں والے دیکھتے رہ گئے میرے ماں باپ کی مانوں جیسے دلی مراد پوری ہوگئی ہو ان کا خواب تھا کہ ان کی بیٹی جہاں بھی جائے راج کرے میں بھی بہت خوش تھی اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے میں نواب حسن کے ساتھ اپنی خوشگوار زندگی کے خواب سجانے لگی اور اس دن کا انتظار کرنے لگی جب دلہن بن کر اس کی دہلیز پر قدم رکھتی۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جس دن میرے ہاتھوں میں مہندی لگی میں نے دلہن کا جوڑا پہنا اور اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر پیا گھر آ گئی میں بہت خوش تھی کیونکہ میرے سارے خواب پورے ہوگئے تھے میں نے جو چاہا تھا مجھے وہ مل گیا لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ میری یہ خوشی بس دو دن کی ہے شادی کے بعد ایک ماہ تک مجھے نئی بہو کی خوشی دی گئی میرے وارے نیارے ہو رہے تھے، حسن بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے میری ساس، سسر اور نند بھی میرے خوب طرف داری کرتیں میں نے تھوڑے ہی دنوں میں میں نے گھر کے سارے نظام کو سنبھال لیا۔

اور پھر کچھ ہی دنوں میں مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی، جب مجھے یہ پتہ چلا کہ میں ماں بننے والی ہوں سب گھر والے بہت خوش تھے مجھے بیڈ سے نیچے

نہ رکھنے دیتے، اس حویلی کی میں اکلوتی بہو تھی مجھے طرح سے خوش رکھا جاتا ڈاکٹر چیک اپ کے لیے گھر قسم قسم کے کھانے میرے لئے لگائے جاتے میں یہ دیکھ کر خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت بہو سمجھتی اور قسمت پر رشک کرتی لیکن میں اس حویلی کی اصلیت کو کہاں جانتی تھی کہ اس کے در و دیوار میں کیا کیا راز نصب ہیں انکشاف مجھے اس دن ہوگا۔

میں اپنے کمرے میں ہر وقت بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی تھی سوچا کچھ دیر باغ میں چلی جاتی ہوں کچھ اچھا محسوس ہوا۔

جیسے ہی میں اپنے کمرے سے باہر نکلی مجھے اپنے ساتھ والے کمرے سے باتوں کی آواز آئی، میرا ساتھ والا کمرہ امی، ابا کا تھا میں نے ان کے کمرے سے حسن کی آواز کسی جوامی کے ساتھ بات کر رہے تھے میں نے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی تو جو میں نے سنا وہ سن کے میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حسن کی امی کہہ رہی تھیں کہ ”حسن کہرانی کے گھر بھی بیٹی ہوئی تو۔“

حسن نے کہا۔ ”اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلی بیویوں کے ساتھ ہوا اگر اس کے ہاں بھی بیٹی پیدا ہوئی تو پہلی دو بیویوں کی طرح اس کا بھی وہی حشر ہوگا۔“

”ہمیں اپنے خاندان کو چلانے کے لیے وارث چاہیے بیٹی نہیں۔“ یہ آواز بابا کی تھی۔

میں ان کی یہ باتیں سن کر ڈر گئی میرے سارے خواب چکنا چور ہوگئے جو کچھ سوچا تھا وہ سب ایک خواب رہ گیا یہ سوچ کر کہ مجھ سے پہلے بھی حسن نے تین شادیاں کی تھیں اور ان تینوں کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوئیں، ان کے ساتھ ساتھ ان کی ماؤں کے ساتھ بھی کیا ہوا یہ میں نہیں جانتی تھی اور میرے ساتھ کیا ہوگا اگر میری بیٹی ہوئی تو یہ مجھے بھی مار دیں گے میں نے ان حقیقت عیاں نہیں ہونے دی کہ ان کی درندگی کا راز پر عیاں ہوگیا ہے اور چپ رہی۔

اور پھر ایک دن میرے گھر بھی بیٹی کی ولادت ہوئی تو گھر والوں نے کوئی بھی ایسا ظاہر نہ کیا کہ انہیں خوشی نہیں ہے، میری بیٹی کو قبول کیا سب نے پیار دیا میری بیٹی کا نام ماہ رخ تھا، ماہ رخ دو سال کی ہوئی تو میں پھر امید سے ہوئی میری پھر بیٹی ہوئی اس دن میری ساس نے میری طرف دیکھا بھی نہ اور بچی کو بھی نہ اٹھایا حسن اور اوہ دونوں کمرے سے چلے گئے اور پھر رات کو واپس آئے حسن بہت غصے میں تھے اور ہوش میں بھی نہیں تھے آتے ہی انہوں نے مجھے مارنا شروع کردیا اور میری دونوں بیٹیوں کو بھی مارا طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے میں بے ہوش ہوگئی۔

جب ہوش آیا تو میری بیٹیاں میرے پاس نہیں تھیں میں نہیں جانتی تھی ان درندوں نے میری بیٹیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، میرے پوچھنے پر بتایا کہ ان کے ساتھ وہی ہوا جو پہلے والی بیٹیوں کے ساتھ ہوا اور میری ساس نے کہا کہ۔ ”اب تمہارے ساتھ وہ ہوگا جو باقی تین بہوؤں کے ساتھ ہوا تھا۔“ ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ ”تمہاری موت ایسے ہوگی کہ کسی کو پتہ بھی چلے گا جیسے پہلے والیوں کا پتہ نہ چلا۔“

مجھے ایک پرانے کمرے میں لے جا کر تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی میں چیختی رہی چلاتی رہی لیکن ان ظالموں کو مجھ پر رحم نہ آیا تب سے آج تک میری روح اس حویلی میں بھٹک رہی ہے۔

میرے مرنے کے کچھ دنوں بعد ہی، میں نے ایک رات اس حویلی کے مکینوں کو موت کی نیند سلا دی، اور اس طرح میں نے اپنا اور دوسری عورتوں اور بچیوں کا انتقام لے لیا۔“

میں نے اس سے پوچھا کہ ”اگر تم نے انتقام لے لیا تو پھر تمہیں چلے جانا چاہیے تھا اور کیوں تم یہاں پر لوگوں کو مارتی ہو اور یہ بچیاں کون ہیں۔؟“

اس نے کہا ”یہ وہی بچیاں ہیں جنہیں اس دنیا میں آنے کے بعد مار دیا جاتا تھا اور پھر ان کی مذہب کے مطابق تدفین نہیں کی جاتی تھی بلکہ سب کو باہر باغ میں گڑھا کھود کر دفن کردیا جاتا تھا۔ باقی تین عورتوں کی ان بچیوں کی اور میری روح تب تک بھٹکتی رہے گی جب تک ہماری مذہب اسلام کے مطابق تدفین نہیں ہوتی اور جن لوگوں کو یہاں مارا گیا وہ

میں نے یا ان معصوم بچیوں نے نہیں مارا ہم خود یہاں مدد کے لیے یہاں سے گزرنے والوں کے پیچھے جاتے ہیں لیکن سب ہی ڈر کر بھاگ جاتے ہیں اور بہت سے اپنا ذہنی توازن کھودیتے ہیں یہاں پر جن لوگوں کی موت ہوئی ہے وہ اصل میں حویلی کے قیمتی زیورات خزانہ اور سامان چوری کرنے کی غرض سے آتے ہیں اور اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں وہ سب ہی نشہ کرنے والے اور بدکردار ہوتے ہیں ان کو ان کے انجام تک پہنچانے کا مجھے کوئی دکھ نہیں ہوتا۔

خیر اس حویلی کو آسیب زدہ قرار دیا گیا اور یہاں آنے پر سب کو منع کیا گیا کوئی بھول کر بھی یہاں سے نہ گزرتا پھر ایک دن تم یہاں سے گزرے تو مجھے کچھ امید ہوئی لیکن تم بھی دیگر لوگوں کی طرح ڈر کر بھاگ گئے، ہم سب کو بس ہمارے مذہب کے مطابق کفن دفن اور نماز جناہ پڑھایا جائے تو ہماری روحوں کو سکون ملے گا اور ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔

بس یہی ہے اس بند حویلی کا راز جسے لوگوں نے پتہ نہیں کیا کیا نام دے رکھا ہے۔"

رانی کی کہانی سن کر ہم سب کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور سوچا کہ ایسے بھی لوگ اس دنیا میں ہیں جو عورت کی عزت نہیں کرتے جو بیٹے کو بیٹی پر فوقیت دیتے ہیں، یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ عورت کسی بھی روپ میں کیوں نہ ہو، بہن، بیٹی، ماں اور بہو، ہر روپ میں عزت کی حقدار ہے، اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو رحمت بنایا ہے اور یہ جس گھر میں ہوتی ہے اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے ہمارے پیارے نبی حضرت محمدﷺ بھی چار بیٹیوں کے باپ تھے، اسلام نے سب سے زیادہ عزت اور درجات عورت کے بلند کیے ہیں جو لوگ عورت کی عزت نہیں کرتے وہ انسان کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔

میں نے رانی سے وعدہ کیا کہ "اسلام کے مطابق کفن دفن اور نماز جنازہ پڑھایا جائے گا، تم گھبراؤ نہیں جو کچھ بھی ہوگا تمہاری خواہش کے مطابق ہوگا۔" میں نے کہا۔

جب ہم حویلی سے باہر نکلے تو اذان فجر ہو رہی تھی نماز ادا کر کے گھر آئے تو امی بابا ہمیں گھر میں نہ پا کر پریشان تھے اور ہم کو دیکھ کر پوچھا کہ "ہم رات بھر کہاں تھے۔"

خیر میں نے ان کو رانی اور حویلی کے باقی سب لوگوں کا سارا واقعہ سنایا امی رونے لگیں اور کہنے لگیں۔ "رانی اور باقی ساری بچیوں کی تدفین ہم کریں گے۔"

دن نکلتے ہی سارے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے جب حویلی کا واقعہ اور وہاں پر اپنی گزری ہوئی رات کی روداد سنائی تو سب گاؤں والوں کی آنکھیں بھر آئیں اتنے بڑے ظلم کے بارے میں سن کر سارے تڑپ اٹھے اور پھر سارے گاؤں والوں نے مل کر باغ کی مٹی کو کھودنا شروع کیا تو بے شمار ہڈیوں کے ڈھانچے ملے رانی کو جس کمرے میں جلایا گیا تھا وہاں سے رانی کی جلی ہوئی ہڈیاں ملیں جسے دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں۔ دوسرے دن بچیوں اور رانی کی تدفین ہوئی نماز جنازہ ادا کیا گیا اور ان کی روح کی تسکین کے لیے فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کی گئی، ان کو اجتماعی طور پر دفناتے ہوئے تمام گاؤں والوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

رانی کی روح نے میرا اور میرے دوستوں کا شکریہ ادا کیا اور آسمان کی طرف پرواز کر گئی، رانی کی روح کو سکون مل گیا تھا۔

اب بھی وہ حویلی ویسے کی ویسی ہے لیکن اب وہاں سے رونے کی آوازیں نہیں آتیں اب وہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے لیکن اب ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ رانی کی روح جو بے چین تھی اس نے اپنا انتقام لے کر برسوں سے بھٹک رہی تھی اب اس کی روح کو سکون مل گیا تھا۔ میں جب بھی اکیلا ہوتا ہوں اور اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ایسے بھی لوگ اس دنیا میں موجود ہیں جو عورت کی عزت نہیں کرتے اور بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دیتے ہیں، خدارا کوئی ان کو سمجھائے کہ بیٹی اللہ کی رحمت ہے اور کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے وہ عورت ہی ہے جو کہ بیوی، بہن اور ماں ہے۔

کم بخت عشق

احسان الحق

اچانک لڑکی نے اپنے ریوالور کا ٹریگر دبادیا تو سنسناتی ہوئی گولی نکلی اور سامنے موجود نوجوان کی کھوپڑی میں گھستی چلی گئی تو نوجوان لڑکھڑاتا ہوا زمین بوس ہوگیا۔وہاں پر کھڑے لوگ ھکا بکا رہ گئے۔

سبک رفتاری سے ذہن پر خوف کی دھند طاری کرتی رائٹر کی سوچ کی شاہکار کہانی

ان دونوں کو اُس کی طلب تھی۔ وہ دونوں اُس کے عاشق تھے۔ اُس کو پانے کے لئے دونوں کے مابین شرط لگ گئی۔ زندگی اور موت کی شرط!۔۔۔اور پھر کھیل شروع ہوا۔ کون جیتا اور کون ہارا۔۔۔

دلچسپ روداد کے ساتھ، دلچسپ انجام۔

"چلو مان لیا کہ تمہیں روزی پسند ہے۔" سیاہ رنگ کی چمڑے کی جیکٹ اور گہری نیلی جینز میں ملبوس کاؤبوائے ہیٹ پہنے مرد نے اپنے سامنے بیٹھے جوان سے کہا: "اور یہ بھی مان لیا کہ تم اُس سے شادی کرو گے۔۔۔" ابھی وہ اپنی بات کو طول دیتا کہ کھلنڈرے نوجوان نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم سے کس نے کہا ہے کہ مَیں اُس سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، وہاٹ ناؤنسنس!"

کھلنڈرے کی بات سن کر کاؤبوائے ہیٹ

والے مرد کو جھٹکا سا لگا۔

"تو کیا تم روزی سے شادی نہیں کرو گے؟"

"دیکھو جم! مَیں ٹائم پاس کرنے کا خوگر ہوں، مجھے شادی وادی کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا۔ تم تو جانتے ہو کہ جوانی میں سٹریس بہت رہتا ہے۔ ویسے بھی مَیں نے ابھی تک اپنی منزل کا تعین نہیں کیا۔ اِسی لئے مَیں اِس کلب کا ممبر ہوں، علاقہ آزاد میں نہ پولیس کا جھمیلا اور نہ ہی کسی اور طرح کے قانون کا راج! یہ ہوتی ہے مکمل آزادی! کیوں کیا کہتے ہو اب؟" کھلنڈرے نے کاؤ بوائے جمی کی طرف آنکھ مارتے ہوئے دریافت کیا۔

وہ دونوں اِس وقت علاقہ غیر میں ایک بار کلب میں بیٹھے تھے جہاں اور بھی بہت سارے مشٹنڈے ہلا گلا مچا رہے تھے۔ سب شراب کے نشے میں دھت تھے۔ تین بلیئرڈ کی میزوں پر جوا کھیلا جا رہا تھا۔ وہاں چیخ و پکار اور ایک اودھم سا مچا ہوا تھا۔ سب ڈشکرے تھے۔ سب کے بازوؤں پر ٹیٹوؤں سے عجیب قسم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اکثر ٹرک ڈرائیورز اور بائیکرز تھے۔

"ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ روزی ایسی لڑکی نہیں ہے جیسا تم اُسے سمجھ رہے ہو۔" جم نے روزی کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا!۔۔۔ لگتا ہے، تم روزی کے متعلق کافی کچھ جانتے ہو۔ کہیں تمہارا تعلق پولیس کے محکمے سے تو نہیں؟" کھلنڈرے نے اِس مرتبہ سنجیدگی سے جم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو جم نے کرسی پر اپنی کروٹ لی اور منہ بگاڑتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ایسا ہوتا تو مَیں اِس کلب کا بھولے سے بھی رُخ نہ کرتا۔ مَیں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ اِس علاقے میں پولیس والوں کے لئے قانوناً No Entry ہے۔ اور اگر بھولے سے کوئی پولیس کا آدمی یہاں قدم بھی رکھ دے تو زندہ واپس نہیں جاتا۔" کھلنڈرے جوان نے جم کی بات سن کر اپنے بائیں جانب سے آتی جسم مٹکاتی برہنہ لڑکی کو سیٹی مارتے ہوئے کہا۔ "جم کی بات پر دو بیئر ہو جائیں۔" لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ وہ باہم کس نوعیت کی گفتگو کر رہے تھے لیکن اُس نے اپنی ادائے دلربانہ دیتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے ہوائی بوسہ دینے کا اشارہ کیا اور بار ٹینڈر کی جانب مڑ گئی۔ بیچ راہ کتنے ہی حرام زادوں نے اُس کے جسم کے ممنوعہ حصوں سے اپنے غلیظ ہاتھوں کو مس کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اُن سے بچتے ہوئے گزر گئی۔

ایسی بیسیوں لڑکیاں اِس کلب کی رونق دوبالا کرنے کی غرض سے اجرت پر رکھی گئی تھیں۔ مشٹنڈے آوارہ لوگ آتے لیکن سوائے سیٹی مارنے اور اُنہیں فقرہ کسنے یا ہاتھ سے مس کرنے کے، اُن کی جانب درندگی کے سے کسی فعل کے مرتکب نہ ہوتے۔ کیونکہ یہاں سب کو معلوم تھا کہ ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی آٹھ فٹے باکسرز اُس کے منہ پر گھونسہ بازی کرتے ہوئے پورے شہر کا نقشہ کھینچ چکے ہوتے۔ کلب چاہے آوارہ و آزاد ذہن لوگوں کا تھا لیکن یہاں بھی کچھ قوانین و ضوابط رائج تھے۔

"تو گویا تم روزی سے محض دل لگی کر رہے ہو؟" جم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"بلی (BILLY) صرف وقت کی قدر کرتا ہے اور وقت گزارنے کے لئے بلی کو ایک سہارے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اب! جو چاہے میرا سہارا بن جائے۔ اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بلی نامی کھلنڈرے جوان نے سینہ تان کر کہا۔

"تمہاری تو اپنی عمر ابھی بیس کے گھیرے میں ہے، بلی! ابھی سے ایسی اُٹھان تو آگے چل کر کیا ہوگا؟" جم نے بلی کی جانب اس مرتبہ عجیب حقارت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو بلی نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"تم بھی پینتالیس سے کم کے نہیں، جم۔ تو تمہیں روزی میں اتنی دلچسپی کیسی؟ وہ تو تمہاری بیٹیوں جیسی ہے۔"

"مجھے اُس سے پیار ہے، سچا پیار۔ میں اُسے خراب نہیں کر سکتا اور نہ کبھی اُسے خراب ہوتا دیکھ سکتا ہوں۔ مجھے اُس سے عشق ہے۔"

"آہا۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کے بیچ میں روزی آ چکی ہے۔"

"یونہی سمجھ لو!" جم نے کاندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ اِسی دوران وہی برہنہ لڑکی بیئر کے دونوں مگ میز پر رکھتے ہوئے جم کی جانب دیکھ کر ایک مخصوص انداز میں مسکرائی۔ جم نے اُس کا مسکراہٹ سے سر ہلاتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ اسی اثنا میں بلی نے لڑکی کے کولہے پر ایک ہولا سا تھپڑ رسید کر دیا۔

"آؤچ۔۔۔ Naughty boy" لڑکی نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور بلی کو شرارت سے ایک آنکھ مارتے ہوئے واپس چل دی۔ جم نے بھنویں سکیڑتے ہوئے ناک چڑھایا اور بلی کی حرکت کو نظر انداز کرتے ہوئے بیئر کا پیگ بلی کے سامنے ہوا میں لہراتے ہوئے بولا:

"آج کی اس پہلی ملاقات کے نام!۔۔۔ چیئرز!"

"چیئرز!" بلی نے بھی جم کی تقلید کرتے ہوئے اپنا مگ ہوا میں لہراتے ہوئے بھرپور جوش میں کہا۔

"کیا آج روزی یہاں آئے گی؟" جم نے آہستگی سے بلی سے دریافت کیا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تم روزی پر کچھ زیادہ ہی فریفتہ ہو، لیکن یاد رکھنا کہ وہ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی ہے اور اُسے تم جیسے عمر رسیدہ مرد قطعی پسند نہیں۔" بلی کی بات میں طعنہ تھا۔

"اور یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" جم نے اُس کی بات سے محظوظ ہونے کا ناٹک کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ میں آج تک بیسیوں لڑکیوں کے ساتھ حسین راتیں بتا چکا ہوں۔ روزی میرے لیے کوئی پہلی لڑکی نہیں ہے۔ اب تک درجنوں میرے دام میں پھنس چکی ہیں۔ سب ہی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ مرد انہیں پسند کرتے تو میرے ساتھ کیوں شب بیداری کرتیں۔"

"تمہاری منطق بھی عجیب ہے، دوست!" جم نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی اُسے کچا چبا جائے گا۔

"اس میں کیا عجیب ہے! ایڈونچر ہی۔۔۔ ایڈونچر! اور اس ایڈونچر کو تم جیسے عمر رسیدہ لوگ کیا سمجھیں۔" بلی کے انداز میں جم کے لئے ہنوز طنز تھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے میرے دوست! تم ایڈونچر پسند ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں؟ میں جوان ہوں اس لئے چست ہوں، میرا وجود کسرتی ہے، میرے پاس آگے آنے کو ایک بھرپور زندگی پڑی ہے۔ میری اداؤں میں جوش و ولولہ ہے۔ حسیناؤں کو اور کیا چاہئے؟"

"اور اگر مَیں یہ کہوں کہ تم میرے ساتھ اس ایڈونچر کا مقابلہ کرو جو میں تمہیں کروانا چاہتا ہوں تو کیا تم رضامند ہو جاؤ گے؟"

"کیسا ایڈونچر؟" بلی نے چونکتے ہوئے کہا۔

"زندگی اور موت کا ایڈونچر، پل پل خوف اور ڈر کا ایڈونچر!" جم نے اپنا چہرہ اُس کی جانب بڑھا کر کہا۔ بلی اب مشکوک نگاہوں سے جم کی جانب گھورنے لگ گیا تھا۔ وہ جم کے چہرے پر اس کے کہے جملے کے معنی ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جم نے اس کی صورت پر بدلتے رنگ دیکھ کر اب ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ بلی اُس کی ہنسی پر سٹپٹا سا گیا۔

"دیکھا نا! ڈر گئے!؟!" جم نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے بلی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اپنی صورت آئینے میں دیکھو! سپید پڑی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے رگوں سے کسی نے پورا خون چوس لیا ہو۔" اور یہ کہہ کر جم نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ بلی اس کے اس استہزا پر لال سرخ ہو گیا تھا۔ اُسے جم کی یہ حرکت بالکل بھی نہ بھائی تھی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے کسی نے بھرے مجمعے میں اُس کی ہتک کر دی ہو۔

"میں بالکل بھی کسی سے نہیں ڈرتا، یہ تمہاری غلط فہمی ہے، جم۔" بلی قریباً چیختے ہوئے بولا تھا۔

"اوکے اوکے، جسٹ ریلیکس!" جم نے اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"تم کسی ایڈونچر کے متعلق بات کر رہے تھے۔ اب جلدی سے بتاؤ کہ وہ ایڈونچر کیا ہے؟" بلی نے بچگانہ ہوتے ہوئے جم سے دریافت کیا۔ اس وقت اُس کا

خون کھول رہا تھا۔

جم نے اپنی جیکٹ کی بغلی جیب سے ایک ریوالور نکال کر میز کے درمیان میں رکھ دیا۔ بلی ریوالور کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورنے لگا جس پر جم نے کہنا شروع کیا۔

"اس میں پوری چھ گولیاں ہیں۔ ہم پانچ گولیاں نکال دیتے ہیں۔ ایک رہنے دیں گے۔ گراری کو گھما کر شفل کرلیں گے اور پھر باری باری دونوں اپنی کنپٹی پر پستول رکھتے ہوئے ایک مرتبہ ٹریگر دبا دیں گے۔ اگر گولی نہ چلی تو اگلے کی باری، یہاں تک کہ گولی چل جائے اور ہم میں سے ایک ابدی نیند سو جائے۔ جو زندہ بچ گیا، سو روزی اُسی کی ہو جائے گی۔ کیا کہتے ہو؟"

بلی کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "شفل مَیں کروں گا!"

جم نے رضامندی کے سے انداز میں کاندھا اچکایا۔ "جیسی تمہاری مرضی!" اور پھر اپنی نشست سے اُٹھ کر با آواز بلند پورے ہال سے مخاطب ہوا۔

"خواتین و حضرات! ذرا توجہ فرمایئے!" ہال نما کمرے میں جیسے سب کو فوری سانپ سونگھ گیا تھا، سب کی نگاہیں جم کی میز کی جانب لگ گئیں اور پھر جم نے اس کھیل کی بابت اعلان کیا کہ سب ان کے گرد دائروی صورت میں گھیرا ڈال کر براہ راست یہ زندگی اور موت کا کھیل دیکھیں۔ جم نے آخر میں یہ بھی اعلان کیا کہ اس موت کے کھیل میں اگر وہ زندہ بچ گیا تو سب کو ایک ایک فل وہسکی کی بوتل مفت میں تحفتاً بطور خوشی دے گا۔ سارے حاضرین محفل نے جوش میں تالیاں بجائیں اور خوشی سے اپنے سر اثبات میں ہلائے۔

"پہلے تم ٹریگر دباؤ گے، جم۔ کیونکہ پستول تمہارا ہے۔" بلی نے ایک کھنکھارا بھرتے ہوئے اپنے خشک گلے میں سے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"اوہ یس! کیوں نہیں۔ مَیں تیار ہوں!" جم نے پر جوش انداز میں جواب دیا اور پھر بلی نے پانچ گولیاں ریوالور سے باہر نکال کر جم کے ہاتھ میں تھما دیں جنہیں جم نے اپنی سیاہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد بلی نے ایک گولی کو ایک مرتبہ ریوالور کی گراری ہلاتے ہوئے شفل کیا اور "کھٹاک" کی آواز کے ساتھ گراری بند کر دی۔ "لو! پہلے تمہاری باری!" ریوالور جم کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بلی نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

جم نے بائیں ہاتھ سے ریوالور تھاما اور اپنی کنپٹی پر لگا لیا۔ حاضرین محفل سکتے کے عالم میں جم کو گھور رہے تھے۔

"کم آن جم! اب خود کیوں ڈر رہے ہو؟" بلی نے جم کو طنزیہ لہجے میں للکارا۔

"ڈرنا کیا ہے، اپنا عشق روزی کے نام!" اور یہ کہتے ہوئے اُس نے ٹریگر دبا دیا۔ "کلک" کی ایک آواز اُبھری اور راؤنڈ خالی گیا۔ بلی کی آنکھیں باہر کو اُبل رہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب اُس کی باری تھی اور عین ممکن ہے کہ اگلے راؤنڈ میں گراری کے اندر گولی موجود ہو لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے ہر حال میں اپنی باری کرنا تھی۔ اُسے ہر حال میں زندگی اور موت کی اس صورت حال سے گزرنا تھا۔

جم نے ریوالور میز کے درمیان رکھتے ہوئے بلی کو مخاطب کرتے کہا: "لو اب تمہاری باری آ گئی!"

بلی نے کانپتے ہاتھوں سے ریوالور کو تھامتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی کنپٹی پر لگا لیا، اس کے ماتھے پر پسینے کے بیشمار قطرے اُبھرے تھے۔ سب کی نظریں اب اُس پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا بلی؟ کیا تم روزی کو پانا نہیں چاہتے؟ کیا اب تمہیں روزی نہیں چاہیے؟" جم نے بلی کو جوش دلانے کے سے انداز میں کہا تو بلی اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے کانپتے ہوئے لہجے میں منمنایا۔ "ر۔۔ روزی۔۔۔ م۔۔ م۔۔ میرا۔۔۔ عشق!" اور یہ کہہ کر اُس نے ٹریگر دبا دیا۔ گراری گھومی اور اُس میں سے "کلک" کی سی آواز اُبھری جس کا مطلب یہ تھا کہ راؤنڈ بلی کی دفعہ بھی خالی گیا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ گولی فائر نہیں ہوئی بلی نے آستین سے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا اور سرخ کھا جانے والی نگاہوں سے جم کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیں اس! روزی میرے ہی بستر کی زینت بنے گی۔ لو اب تم جاؤ جہنم میں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے ریوالور میز کے درمیان میں رکھ دیا اور دیوانہ وار قہقہے مارنے لگ گیا۔ ایسے جیسے اُس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔۔۔ اس یقین کا دورہ۔۔۔ جیسے اس مرتبہ گولی لازماً چلے گی اور جم کی زندگی کا خاتمہ کر ڈالے گی۔

اُن کے گرد مجمع خاموش تھا۔ سب تجسس کے مارے اس سنسنی خیز کھیل کو دیکھ رہے تھے۔ سب وحشی نما آزاد منش تھے۔ اُن کے خیالات کی سوئیاں محض ایک سوچ پر ٹکی ہوئی تھیں کہ آناً فاناً گولی چلے گی اور ایک جھٹکے سے اِن دونوں عاشقوں میں سے ایک کے بھیجے کے پرخچے اُڑا لے جائے گی۔

جم، بلی کی جانب نفرت اور حقارت سے آنکھیں سکیڑتے ہوئے تکے جا رہا تھا۔ بائیں ہاتھ سے ریوالور اُٹھا کر اُس نے اپنی ران پر رکھا ہوا تھا اور وہ بلی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ ذرا سا آگے کو ہوا اور کچھ لمحات کے بعد اُس نے ریوالور اپنے سر پر عین کنپٹی کی جانب رکھتے ہوئے فوری ٹریگر دبا دیا۔ "کلک" کی آواز اُبھری اور راؤنڈ خالی گیا۔

بلی کے دیوانہ وار قہقہے جو کچھ دیر قبل پورے ہال میں بلند ہوئے جاتے تھے اچانک رک گئے اور وہ مردار سی صورت بنائے جم کی طرف دیکھنے لگا۔ جم دوبارہ سے آگے کو ہوا اور بلی سے مخاطب ہوا۔

"میں روزی سے تم سے زیادہ عشق کرتا ہوں۔ روزی میری ہی ہے۔ کیا سمجھے، بلی؟" اور پھر کرسی پر ٹیک لگا کر بائیں ہاتھ سے ریوالور دوبارہ میز پر رکھ دیا۔ "لو اب تمہاری دوبارہ باری ہے، بلی۔"

بلی کا چہرہ روہانسا ہوا جاتا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اُس نے ریوالور اُٹھایا۔ مجمعے کی توجہ اُس کی جانب مبذول ہو گئی تھی۔ ہر دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔ بلی نے مردار سی نگاہیں مجمعے کی جانب ڈالیں جیسے آخری مرتبہ سب کو دیکھ رہا ہو۔ اور پھر اپنے دماغ میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اُس نے ریوالور کا رُخ اچانک جم کی جانب موڑ دیا۔

اس غیر متوقع حرکت پر مجمعے میں ایک ساتھ آوازیں بلند ہوئیں۔ "واؤ۔۔۔ واؤ۔۔۔ مین ایسا مت کرو، یہ ایک شغل ہے۔ بس ایک شغل!" پارٹینڈر اور اس کی ہمنشین برہنہ لڑکیاں بھی یہ کہے جا رہی تھیں۔

"خاموش رہو! تم سب خاموش!" بلی زور سے چیخا تھا۔

اِسی اثناء میں اچانک بار کا دروازہ کھلا اور روزی بار میں داخل ہوئی۔ صورت حال کو بھانپتے ہوئے اُس نے چیخ کر کہا:

"یہ سب کیا چل رہا ہے یہاں، بلی؟" روزی کی آواز سنتے ہی بلی نے حلق سے تھوک نگلتے ہوئے روزی سے کہا۔ "آج مَیں اِس خبیث انسان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، روزی۔"

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں، بلی!" روزی نے چیختے ہوئے کہا اور بلی نے روزی کی طرف دیکھا۔ روزی کے ہاتھ میں بھی ایک ریوالور تھا جس کا رخ بلی کی جانب تھا۔ روزی نے اپنے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا تھا۔ نشانہ بلی کی کھوپڑی تھی۔ گولی سیدھی بلی کی کنپٹی میں گھس گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا میز پر سے ٹکرا کر سیدھا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

سب ہکا بکا اس منظر کو تکتے رہ گئے۔ جم نے کرسی سے اُٹھ کر روزی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹیک اٹ ایزی، روزی سویٹ ہارٹ۔ ریوالور نیچے کر لو! پلیز!"

روزی ریوالور پرس میں واپس رکھتے ہوئے غصے کے عالم میں جم سے مخاطب ہوئی۔ "آپ ٹھیک کہتے تھے، مَیں غلط تھی، ڈیڈ۔ اب گھر چلیں، ممی آپ کا کب سے انتظار کر رہی ہیں۔"

اِسرار

محمد خالد شاہان-صادق آباد

قسط نمبر 23

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لھولھان کہانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کرے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

اس نے تینوں قاتلوں کو للکارا کہ وہ ان سے اپنی بیوی کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہے یہ ایک بہادرانہ کام ہے شریم اس آدمی کی بہادری کے احساس سے بڑا خوش ہوا۔ لیکن اس کا مرجانا یقینی تھا کیونکہ وہ اکیلا تھا اور اس کا مقابلہ تین ڈاکوؤں سے تھا۔ جو تلوار چلانے میں ماہر تھے تینوں قاتل تلواریں لے کر بے چاری مری ہوئی عورت کے خاوند پر پل پڑے جھاڑی کے پیچھے چھپی راج کماری یہ خونی ڈرامہ بالکل صاف دیکھ رہی تھی کیونکہ یہ ڈرامہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھیلا جارہا تھا خاوند پر تینوں قاتل اوپر تلے حملے کررہے تھے وہ تلوار چلاتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا قاتلوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا وہ اس کی بھی گردن اڑانے والے تھے کہ شریم اس کی مدد کو پہنچ گیا جاتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک ڈاکو کو پیٹھ پر لات مار کر اسے زمین پر گرادیا اور اس کی تلوار چھین لی ڈاکو کی سمجھ میں یہی آیا کہ اس کے دشمن نے لات ماری ہوگی پھر اس نے سوچا کہ اس کا دشمن تو سامنے ہے پھر یہ پیچھے سے اس کو لات کس نے ماری۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شریم نے تلوار کا ایک ہی وار کر کے اس کی گردن کاٹ کر سر الگ کردیا۔ خون کے فوارے چھوٹنے لگے عورت کا خاوند بھی یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ یہ گردن کس نے اڑادی کیونکہ اس نے تو کوئی وار نہیں کیا تھا اتنے میں دوسرے قاتل کی بھی گردن کٹ کر سر نیچے گر پڑا اب ایک ڈاکو باقی رہ گیا تھا جس نے جنگل میں ایک طرف بھاگ کر چھپ جانے کی کوشش کی مگر شریم نے اس کی کوشش کو ناکام بنادیا۔

اس نے دور ہی سے تلوار زور سے پھینکی تو تلوار بھاگتے ہوئے قاتل کے جسم میں اترتی چلی گئی اور وہ وہیں گر کر تڑپنے لگا، مقتول عورت کا شوہر حیران و پریشان کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ حیران تھا کہ یہ تینوں قاتلوں کے سر اپنے آپ کیونکر قلم ہوگئے، شریم اس پر اپنی آواز بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔

شریم نے اپنا کام کردیا تھا وہ راج کماری کے پاس آگیا اور سارا قصہ سنایا۔

راج کماری نے آہستہ سے کہا۔ تم نے قاتلوں سے اس کی بیوی کے خون کا بدلہ لے کر بڑا اچھا کیا۔ وہ آدمی پھر دیر اپنی بیوی کا کٹا سر اپنی گود میں رکھ کر آنسو بہاتا رہا پھر اس نے تینوں قاتلوں کے سر درخت کی ٹہنی کے ساتھ لٹکا دیئے۔ اور بیوی کے سر کو تھیلے میں ڈال کر واپس روانہ ہوگیا اس کے جانے کے بعد راج کماری اور شریم نے بیل گاڑی کو جھاڑیوں کے پیچھے سے نکالا اور جنگل کے کچے راستے پر ڈال دیا۔

آدھی رات تک وہ جنگل میں سفر کرتے رہے پھر

راج کماری کو نیند آ گئی اور شریم نے بیل گاڑی روک لی وہ باقی رات آرام کرنا چاہتے تھے۔

راج کماری بیل گاڑی میں ہی لیٹ گئی تھی بیل بھی آرام کرنے لگا شریم کو سونے کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ اتر کر جنگل میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا اس نے جنگل میں ایک سادھو کو دیکھا جو ایک درخت کے نیچے آسن جمائے آنکھیں بند کئے جاپ کر رہا تھا شریم اس کے قریب جا کر بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ سادھو کی بند آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں جسم بھوک اور فاقوں سے کانٹا بن گیا تھا سر کے بالوں میں مٹی جمی ہوئی تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ سادھو یہاں کئی سالوں سے اسی طرح بیٹھا ہے اس قسم کا جاپ شریم کے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پرانے زمانے کے آریا، ہندو سادھو اسی طرح جنگلوں میں اپنا چلہ وغیرہ کیا کرتے تھے شریم اسے نہیں سمجھتا تھا وہ جھک کر سادھو کی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔

اچانک سادھو کے ہونٹ ذرا سا ہلے اور مدہم آواز آئی۔ "بیٹے کیا دیکھ رہے ہو۔" شریم تو اچھل کر دو گز دور جا کھڑا ہوا۔ اس زندہ لاش نے مجھے کیسے دیکھ لیا وہ سوچنے لگا اس کی اس سوچ کا بھی جیسے سادھو کو پتہ چل گیا۔ اس کے ہونٹ پھر ہلے۔ اور وہی آواز پھر بلند ہوئی۔

"بیٹے میں تمہیں ہر جگہ دیکھ سکتا ہوں میں تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوں جب تم اس دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تم شریم ہو اور تم اپنے ایک بھائی شاہان اور بہن ناگنی سے بچھڑے ہوئے ہو لیکن دیوتا تم پر خوش ہیں کیونکہ تم صرف انسانی ہمدردی کے لئے ایک ماں باپ سے بچھڑی ہوئی لڑکی کو اس کے گھر چھوڑنے جا رہے ہو۔"

شریم کا سارا راز سادھو کے سامنے کھل چکا تھا شریم ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"سادھو مہاراج کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میرا بھائی شاہان اور بہن ناگنی اس وقت کہاں ہیں؟"

سادھو نے کہا۔ "میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ شاہان اس وقت ہمالیہ کی طرف پہاڑوں میں اکیلا سفر کر رہا ہے اور وہ ایک جوگی کے حلیے میں ہے اور اس کی جیب میں تمہاری بہن ناگنی کی کٹی ہوئی لاش ہے۔"

"لاش ہے۔" شریم نے چیخ کر کہا۔

"ہاں مگر وہ سانپ کی شکل میں ہے اور شاہان اسے جھیل مانسرور کے عظیم ناگ مندر لے جا رہا ہے تا کہ ناگنی کی لاش کو چھ ماہ تک مقدس پانی کے تالاب میں رکھا جا سکے۔" شریم نے سر پکڑ لیا۔

"اوہ خدایا۔ تو کیا ناگنی کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔"

سادھو نے کہا۔ "اس کی موت ابھی نہیں لکھی تھی اسی لئے وہ بچ گئی۔"

"میں بہت جلد شاہان سے جا کر ملنا چاہتا ہوں۔"

سادھو نے کہا۔ "تم اپنے وقت پر ہی وہاں جا سکو گے ابھی تمہیں راج کماری کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچانا ہے اب تم جاؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

سادھو خاموش ہو گیا اور شریم واپس آ گیا وہ ناگنی کے بارے میں سن کر پریشان ہو گیا تھا اس نے راج کماری سے کوئی بات نہ کی۔ جب وہ سو کر اٹھی تو انہوں نے پھر سے اپنا سفر شروع کر دیا۔ بارشوں کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ ورنہ ان جنگلوں میں سے گزرنا مشکل تھا۔ بیل گاڑی راج کماری اور شریم کو لے کر چھ روز بعد گھنے جنگلوں سے باہر نکل آئی۔

سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا سامنے ہرے بھرے کھیت پھیلے تھے۔ جن کے درمیان ایک کچا راستہ دور ایک شہر کی فصیل کی طرف جاتا تھا راج کماری نے شہر کی فصیل کو دیکھ کر خوش ہو کر کہا۔ یہی میرا شہر ہے اس شہر کے اندر میرے باپ کا محل ہے شریم کو بھی یہ سن کر تسلی ہوئی۔ کیونکہ وہ جلد سے جلد راج کماری کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر کے اپنے سفر پر روانہ ہونا چاہتا تھا۔ بیل گاڑی شہر کے دروازے پر پہنچی تو چوکیدار اور پہرہ دار دینے والے سپاہی نے راج کماری کو پہچان کر نعرہ لگانے شروع کر دیئے۔

مہارانی اور راجہ کو جب پتہ چلا کہ ان کی بیٹی واپس آ گئی ہے تو وہ خوشی خوشی محل سے باہر نکل آئے۔ اور بیٹی کو گلے لگا لیا مہاراجہ نے پوچھا۔ "بیٹی تم نے اتنا لمبا اور خطرناک سفر اکیلے کیسے کر لیا۔"

راج کماری نے کہا۔ "میں اکیلی نہیں تھی پتا جی یہ

ے ساتھ ہیں۔" راج کماری نے یوں ہی ایک طرف کیا اس کا خیال تھا کہ شریم وہاں ہی کھڑا ہو گا۔ مگر شریم ں تھا۔ وہ راج کماری کو شہر میں داخل ہوتا دیکھ کر وہاں واپس ہو گیا تھا۔ وہ اکیلا کھیتوں میں چلا جا رہا تھا۔ اب منزل ہمالیہ کی برفانی پہاڑوں کی وادی تھی۔ اسے کچھ نہیں تھا۔ کہ وہ اتنی خطرناک لمبا اور مشکل سفر اکیلا کیسے رے گا۔ مگر اس کے دل میں حوصلہ تھا۔ ہمت تھی۔ اس ارادہ کر رکھا تھا کہ وہ ہر حالت میں شاہان سے جا کر ناگ کے مندر میں ملے گا۔ راج کماری کی ریاست سے نکلتے شریم پہاڑی راستے پر ہو گیا۔ یہ راستہ اوپر ہمالیہ کے ی سلسلوں کی طرف جاتے کافی پہلے ایک سفر میں گزرا اب وہ ان رستوں کو بھول چکا تھا۔

یہ ہندوستان کے بڑے ہی خطرناک جنگل تھے۔ ان ں میں شیر چیتے اور ڈاکو بہت تھے۔ یہ ہمالیہ کی ترائی کا ہلاتا تھا۔ اور یہاں کے شیر ہاتھیوں اور جن بھوتوں کا نام لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ شریم کے لیے ان ں میں پیدل گزرنا بہت مشکل کام تھا۔ یہاں کبھی کبھی بیل گاڑی مل بھی سکتی تھی۔ یا پھر کوئی گھوڑا خچر مل جائے س پر بیٹھ کر راستہ طے کر سکے۔ شریم راج کماری کی ت سے نکل چکا تھا۔ اور اب دوپہر ہو رہی تھی۔ بھوک اور اسے نہ لگتی تھی۔ مگر پیدل چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا۔

راستے میں ایک پہاڑی چشمہ آیا۔ اوپر گھنے اور نیچے درخت تھے۔ بانس کے جھنڈ دور دور تک کھڑے شریم کچھ دیر آرام کرنے کے لئے یہاں رک گیا۔ اس ں کپڑے دھوئے۔ نہایا، اور کپڑے سکھایا پھر تھوڑی لئے سو گیا۔ جب سو کر اٹھا تو دھوپ ڈھل چکی تھی۔ اندھیرا بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ایک جگہ انناس لگے تھے۔ پھل بہت پسند تھے اس نے ایک انناس توڑ کر کھایا، سوچ کر وہ آگے چل پڑا کہ رات ہونے سے پہلے اور سفر طے کر لے۔ رات اسے اسی جنگل میں جنگل کی رات بہت جلد چھا جاتی ہے۔ اور بہت ہوتی ہے۔

لیکن شریم جنگلوں کی راتوں کا عادی تھا۔ وہ افریقہ کے گھنے جنگلوں میں راتوں کو اکیلا سفر کر چکا تھا۔ پھر بھی ایسے جنگلوں میں راتوں کو مجبوری کی حالت میں ہی سفر کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک ندی دیکھی جس میں ایک جگہ ایک چٹان نے سایہ ڈال رکھا تھا اس چٹان پر جنگلی انگوروں کی بیل چڑھی تھی۔ یہاں بڑی ٹھنڈک تھی۔ چٹان کے چھجے کے نیچے تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ جہاں چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی تھی۔ شریم کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ وہ آرام کرنے کے لئے یہاں رک گیا۔

شریم کو بھی نیند آنے لگی۔ اور وہ بھی سو گیا آدھی رات کو اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ نیند میں اس نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی اڑن طشتری زمین پر اتری ہو۔

آنکھیں کھلتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ایک کالا اور بدشکل آدمی اس کے قریب دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا ستاروں کو تک رہا تھا۔ اس کے حلق سے گھر گھر کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھی۔ وہ کوئی منتر پڑھ کر آسمان کی طرف پھونک رہا تھا۔ شریم اس کے قریب ہی سویا ہوا تھا۔ مگر شریم کو اس نے نہیں دیکھا تھا۔ شکل و صورت سے یہ کوئی مکروہ جادوگر لگتا تھا۔ جو کالے علم کے منتر پڑھ رہا تھا۔ جوں جوں اس کی آواز بلند ہو رہی تھی اس کا قد بڑھ رہا تھا۔ وہ لمبا ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ درختوں سے بھی لمبا ہو گیا۔ اور شریم کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ ستاروں کو چھو رہے ہوں۔

شریم کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس قسم کی جادوگری اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ جادوگر کا قد چھوٹا ہونے لگا۔ اور اصل حالت میں آ گیا۔ جادوگر خاموش ہو گیا اس کے سر کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ آنکھوں سے روشنی کی تیز لکیر نکل کر آسمان کی طرف جا رہی تھی۔

شریم بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا کہ یہ کس چیز پر جادو کر رہا ہے۔ اور کیا چاہتا ہے ایک بات کی تسلی تھی۔ یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ جب جادوگر نے دونوں ہاتھ نیچے کر لئے تو آسمان پر سے ایک سیاہ بلا نیچے جنگل میں اترتی نظر آئی۔ یہ بلا ایک بہت بڑی پرندے کی شکل میں تھی۔ جس کی

چونچ گدھ جیسی تھی۔ اور سرخ آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے۔ بلا نے اپنے پنجوں میں ایک ٹوکرا تھام رکھا تھا۔ جس کے اندر ایک بدروح ڈائن کی شکل والی عورت بیٹھی تھی۔ اس ڈائن عورت کی ناک آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ اس کے گلے میں کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ پرندہ جنگل میں آ کر درختوں کے اوپر پر پھیلا کر رک گیا۔ جنگل پر ایک چھت سی پڑ گئی۔ ڈائن عورت نیچے اتر آئی۔ اس نے جادوگر کے آگے سات بار جھک کر کوئی ایسی آواز میں کائیں کرتے ہوئے کہا۔ میرے آقا میں حاضر ہوں۔ حکم کریں کیا کسی بچے کی گردن کاٹ کر لانی ہے۔ کیا کسی بچے کی آنکھیں نکال کر لانی ہے۔ حکم کرو، اور ڈائن عورت قہقہہ لگا کر ہنس دی اس کے قہقہے کی آواز بڑی مکروہ تھی۔ مگر ڈائن عورت بھی شریم کو نہ دیکھ سکی تھی۔ جو اس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا تھا۔

کالے جادوگر نے کہا۔ ''سنو ہمالیہ کے پہاڑوں میں تبت کا شہر لامہ میں جاؤ وہاں ایک نیلی آنکھوں والا زنگام نام کا لڑکا اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہے۔ مجھے ایک خاص جادو کے لئے اس کی نیلی آنکھیں نکال کر لا دو۔''

شریم کالے جادوگر کا یہ حکم سن کر تڑپ اٹھا۔ اور اسی وقت اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ڈائن کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔ ڈائن نے جادوگر کا حکم سن کر قہقہہ لگایا اور کہا۔ ''جو حکم میرے آقا۔ میں ابھی تبت جا کر زنگام کی آنکھیں نکال کر لاتی ہوں۔''

کالے جادوگر نے کہا۔ ''میں تمہارا اسی جنگل میں انتظار کروں گا۔ جاؤ تمہارا راستہ لمبا ہے۔ یہ کام کیئے بغیر آؤ گی تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ ڈائن عورت نے کہا۔ نہیں نہیں میرے ٹکڑے نہ کرنا۔ میں بچے کی آنکھیں ضرور لاؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ پھر وہ ڈائن چھلانگ لگا کر ٹوکرے کے اندر بیٹھ گئی۔''

شریم نے فوراً چھلانگ لگائی اور ٹوکرے میں جا کھڑا ہوا۔ اسے نہ کالا جادوگر دیکھ سکا۔ اور نہ ڈائن عورت کو پتہ چل سکا۔ شریم نے ویسے ہی ہمالیہ کے پہاڑی علاقے کی طرف ہی جانا تھا تبت ہمالیہ کے پہاڑوں میں واقع ہے۔ ڈائن نے زور سے چیخ ماری۔ رات کے اندھیرے میں سارا جنگل دہل گیا۔ پرندوں نے اپنے پر پھڑپھڑائے۔ جس سے تیز ہوا کا جھونکا درختوں کو دوہرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی پرندہ آسمان کی طرف اڑ گیا۔

شریم ٹوکرے کے کونے میں بیٹھا تھا۔ ڈائن عورت ٹوکرے کے اوپر پرندے کے نوکیلے پنجوں کے درمیان کھڑی تھیں اور اس کے سیاہ بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ پرندہ اپنے پر ایسے ہی زور سے پھڑپھڑاتا ہوا آسمان پر اڑا چلا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ شریم نے نیچے دیکھا جنگل پیچھے رہ گئے تھے۔ اب چھوٹے چھوٹے پہاڑوں اور چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈائن عورت کسی کسی وقت زور سے چیخ مار کر پرندے کے پنجوں پر دانت سے کاٹ لیتی تھی۔ پرندہ بلبلاتا اور اپنی رفتار اور تیز کر دیتا۔

راتوں رات ڈائن عورت ہمالیہ کے پہاڑوں میں پہنچ گئی۔ شریم نے ٹوکرے میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں پہاڑوں پر بچھی ہوی برف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ہمالیہ کے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ شاہان ناگنی کی کٹی ہوئی لاش کو لے کر انہی پہاڑوں کے ناگ مندر میں کسی جگہ آنے والا تھا۔ لیکن شریم سب سے پہلے اس بچے کو ڈائن کے ظلم سے بچانا چاہتا تھا۔ جس کی نیلی آنکھیں نکالنے کے لئے کالے جادوگر نے اس ڈائن کو یہاں بھیجا تھا۔ دیو جیسے پرندے نے زمین کی طرف اترنا شروع کر دیا۔

پہاڑ قریب آ رہے تھے۔ ایک وادی دکھائی دی۔ جہاں برف کے میدان تھے۔ اور درمیان میں ایک جگہ درختوں کا جھرمٹ تھا۔ ڈائن نے پرندے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اس جھرمٹ میں چلو۔ پرندہ درختوں کے درمیان ایک خالی جگہ پر اتر گیا۔ ڈائن ٹوکرے سے باہر آ گئی۔ شریم بھی باہر نکل گیا۔ ڈائن کو شریم کی بالکل ہی خبر نہ ہو سکی۔ ڈائن نے پرندے کے طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''چلے جاؤ۔ تمہاری ضرورت ہوئی تو بلا لوں گی۔'' بس اور وہ اڑ گیا۔ ڈائن عورت درختوں کے جھرمٹ میں اکیلی رہ گئی۔ مشرق کی طرف اونچے ہمالیہ کے پہاڑ کھڑے تھے جس پر برف جمی تھی۔ بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مگر سردی نہ تو ڈائن کو لگ رہی تھی

...شریم کو۔ ڈائن نے درختوں کی طرف دیکھا۔ دوران ...وں میں چند ایک گول چھت والے مکان نظر آ رہے ...۔ ڈائن نے مکروہ انداز میں ہنس کر اپنے آپ سے کہا۔ ...گھروں میں وہ نیلی آنکھوں والا لڑکا زنگام رہتا ہے۔ وہ ...سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ اس کی خالہ نیپال گئی ہوئی ہے۔ ...اس کی خالہ بن کر ملوں گی۔ اور ڈائن نے قہقہہ لگایا۔

درختوں پر ایک دہشت سی طاری ہو گئی۔ شریم کسی ...رح اڑ کر زنگام کے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا مگر وہ دور ایک فر...ے سے زیادہ نہ اڑ سکتا تھا۔ اس نے اندزہ لگایا تو بستی کے ...نوں کا فاصلہ اتنا ہی تھا۔ پس شریم نے ہوا میں زوردار ...لانگ لگائی۔ اس نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔

شریم نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور بستی کے مکانوں ...درمیان اتر گیا ایک دو مکان کی چمنیوں سے دھواں اٹھ رہا ...جیسے اندر کھانا یا قہوہ تیار ہو رہا تھا۔

شریم نیلے آنکھوں والے لڑکا کا گھر نہیں جانتا تھا۔ ...لڑکے کا نام ضرور یاد تھا۔ وہ ڈائن کے پہنچنے سے پہلے ...نیلی آنکھوں والے لڑکے کے گھر والوں کو خبردار کرنا چاہتا ...اس بچے کی ماں نہیں تھی باپ ہی اسے پال رہا تھا شریم ...ایک مکان میں جھانک کر دیکھا۔ اندر کوئی نیلی آنکھوں ...بچہ نہیں تھا۔ وہ دوسرے اور تیسرے مکان میں گیا وہاں ...کوئی ایسا بچہ نہیں تھا چھٹے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک ...ی عورت نے دروازہ کھول دیا اس نے باہر جھانک کر ...سخت ہوا کا جھونکا اس کے منہ سے ٹکرایا اس نے دیکھا تو ...بھی نہیں تھا۔

شریم حالانکہ وہاں کھڑا تھا۔ لیکن اسے نظر نہیں آ رہا ...بوڑھی عورت کچھ حیران سی ہوئی۔ پھر یہ سوچ کر کہ شاید ...کی شرارت تھی وہ دروازہ بند کر کے واپس آنے لگی۔ تو ...اس سے پہلے اس مکان کے اندر جا چکا تھا۔ شریم نے ...کہ ایک نیچی چھت والے کمرے میں لکڑی کے فرش پر ...بڑا لحاف بچھا ہے۔ جس کے کونے پر نیلی آنکھوں والا ...اپنے باپ کے پاس بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ ...نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ بہت ...ہوا۔ اس بچے کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اس بچے کی عمر سات، آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور چہرہ بڑا ہی معصوم تھا۔ بوڑھی عورت بچے کی دادی تھی۔ بچے کا باپ بچے کے ساتھ ہی لحاف میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دادی سے پوچھا۔ اماں باہر کون تھا۔ دادی نے کہا۔ ہوا تھی شائد باپ نے کہا قہوے کے لئے پانی رکھ دو۔ پھر اس نے خدا کی عبادت کرتے اپنے بچے سے کی پیشانی چوم کر کہا۔ بیٹا اب دعا مانگو۔ دونوں باپ بیٹا دعا مانگنے لگے۔ شریم کو ثبوت مل گیا۔ کہ یہی زنگام ہے۔ وہ اس گھر میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اور دروازے کی درزوں میں سے باہر ڈائن کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جو اس بچے کی خالہ کے روپ میں چلی آ رہی تھی۔

شریم نے سوچا کہ کیوں نہ وہ ڈائن خالہ کے آنے سے پہلے، پہلے ان لوگوں کو اس کے مکر سے خبردار کر دے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ انہیں دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ اور اگر وہ انہیں آواز دیتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ڈر کر گھر سے بھاگ جاتے اور یوں ڈائن کے قابو میں آ سکتے تھے۔

لیکن وقت کم تھا۔ اور شریم کو یہ خطرہ ہر حالت میں مول لینا ہی تھا۔ اس نے زنگام کے باپ کے پاس جا کر آہستہ سے کہا۔ ''میں غفار بھائی کی روح ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔'' مگر زنگام کے باپ کو یقین نہ آیا کہ اس نے کوئی آواز سنی ہے۔

لیکن شریم نے دوسری بار فقرہ دہرایا تو زنگام کا باپ اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ اس کی ماں نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کیا ہوا بیٹے؟''

''اماں تم نے آواز نہیں سنی؟'' شریم نے کہا۔ ''اماں تم بھی غور سے سنو میں تمہارے بیٹے کی روح ہوں اور تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں۔ کہ ابھی ایک عورت تمہاری بہن کی شکل بنا کر تمہارے گھر میں آنے والی ہے۔ وہ مکار ڈائن جادوگرنی ہے۔ اور تمہارے پوتے کی آنکھیں نکالنے آ رہی ہے۔ دادی کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اے خدا مجھے اس بدروح سے بچا۔'' پھر اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''بیٹا زنگام کو لے کر دوسرے گھر میں بھاگ جاؤ۔ میں اس بدروح کی خبر لیتی ہوں میں اسے عمل کے ذریعے جلا کر بھسم کر دوں گی۔'' وہی ہوا جس کا شریم

کوڈر تھا۔ یہ لوگ اسے بدروح سمجھ بیٹھے تھے۔

زنگام کا باپ بیٹے کو کمبل میں لپیٹ کر مکان سے باہر بھاگ گیا اور اس کی ماں نے اگربتیاں اور لوبان سلگا کر اونچی آواز میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور باہر سے آواز آئی۔ لیلا بہن دروازہ کھولو میں ولا ہوں۔ تمہاری نیپال والی بہن۔ اماں نے اپنی چھوٹی بہن کی آواز صاف پہچان لی۔ وہ لپک کر دروازے کی طرف گئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔ اس کا چہرہ اپنی بہن کو دیکھ کر کھل اٹھا۔

شریم نے دیکھا۔ کہ ڈائن عورت ایک ادھیڑ عمر تبتی عورت کی شکل میں میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ ایک بار تو شریم بھی دھوکا کھا گیا۔ اور یہی سمجھ بیٹھا کہ یہ ڈائن نہیں۔ بلکہ ضرور اس عورت کی بہن ہے۔ اماں نے اپنی بہن کو گلے لگایا۔ اسے اندر لا کر بٹھایا۔ اور پوچھا کہ وہ اچانک کیسے آ گئی۔ وہ عورت چونکہ ڈائن تھی۔ اس لئے اس کے گھر کے ایک ایک آدمی اور عورت سے باخبر تھی۔ اور سب کا حال اسی جادو کے زور سے معلوم ہوا۔ اس نے جب نیپال کے رہنے والی اماں کے بھائی اور دوسرے رشتے داروں کا ٹھیک ٹھیک حال وغیرہ بتایا۔ تو اماں کو ایک پل کے لئے بھی شک نہیں پڑ سکتا تھا۔ کہ وہ اس کی بہن نہیں بلکہ بدروح ہے۔

شریم تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ اب کسی دوسرے طریقے سے بچے کی جان اس بدروح سے بچانی ہے۔

ڈائن نے زنگام کا پوچھا تو اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر زنگام کے بستر پر پڑی ہوئی اس کی اونی ٹوپی اٹھا کر کہا۔ اسے تم نے صبح صبح سردی میں بغیر ٹوپی کے باہر کیوں بھیجا۔

زنگام کی دادی نے کہا۔ ”کیا بتاؤں بہن ابھی ابھی ایک بدروح یہاں آئی تھی۔“

”بدروح۔“ ڈائن چونکی۔

”ہاں بدروح تھی۔ میرے بیٹے کی روح بن کر آئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ ابھی ایک عورت تمہارے گھر میں تمہاری بہن کی شکل بدل کر آئے گی۔ اس سے خبردار رہنا۔“

اتنا سننا تھا کہ بدروح کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ اچھل پڑی۔ کہ یہ روح کون ہے جو اس کا راز افاش کرنے اس پہلے وہاں پہنچ گئی ہے۔

ڈائن کا روحوں پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو گئی کیونکہ اگر وہاں کوئی سچ مچ کی بدروح آ گئی تو پھر اس کے لئے زنگام کی آنکھیں نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس ہنس کر کہا۔ ”لیلا بہن آج کل تبت میں بدروحیں بڑی عا ہو رہی ہیں۔ اور وہ لوگوں کو طرح طرح کی باتیں کر ڈراتی پھرتی ہیں۔ بھلا میں کوئی ڈائن ہوں اس کی بڑی بہ نے ڈائن عورت کو اپنی بہن سمجھ کر گلے لگا لیا۔ اور بولی۔ روح ہو تمہاری دشمن۔ تم تو میرا خون ہو۔ میری اپنی پیاری بہن۔ دیوتا کا شکر ہے کہ تم سے اتنے دنوں بعد اچانک ملاقات ہو گئی ہے۔

ڈائن خالہ نے دل میں سکھ کا سانس لیا۔ کہ اس عورت کے دل سے شک دور ہو گیا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں پوچھا۔ زنگام بیٹا کہاں ہے۔ اس کا باپ کہاں ہے بڑی بہن نے کہا۔ میں بدروح کو بھگانے کے لئے چلہ کر رہی تھی۔ اس لئے دونوں کو ساتھ والے گھر میں بھیجا دیا تھا۔ ڈائن خالہ ہنسنے لگی۔ کوئی بات نہیں میں وہیں جا کر اپنے پیارے بھانجے سے مل لوں گی۔ اصل میں جب بھی آؤں تو یہی جی چاہتا ہے کہ اپنے نیلی آنکھوں والے شہزادے بھانجے کو سب سے پہلے دیکھوں۔ بڑی بہن کہنے لگی۔ آؤ وہیں چلتے ہیں۔ بدروح بھاگ گئی ہے۔ اس کی آواز پھر نہیں سنائی دی۔ دونوں مکان سے نکل کر کی طرف چلتی ہوئی۔ تیسرے مکان میں داخل ہو گئیں۔ شریم بھی ان کے ساتھ تھا۔ اب وہ زنگام کی دادی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ کو ہلاک کر کے زنگام کی زندگی بچائے گا اور پھر شاہان تلاش میں ناگ مندر جائے گا۔ تیسرے مکان میں خالہ نے زنگام کی نیلی آنکھوں اور سر کے سنہری بالوں دیکھا۔ تو بہت خوشی ہوئی۔ یہی اس کا شکار تھا۔ اسی اس نے نیلی آنکھیں نکال کر کالے جادوگر کو جا کر دینا تھا کالے جادوگر کے وہ قبضے میں تھی۔ اس کے حکم کو وہ

سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اس کو جلا کر بھسم کر سکتا تھا۔ اس ن نکل آیا تھا۔

ڈائن نے سوچا کہ آدھی رات کو جب گھر کے لوگ سو رہے ہوں گے۔ تو وہ زنگام کی آنکھیں فرار ہو جائے گی۔ شریم بھی چوکنا ہو گیا تھا۔

شریم زنگام کی نگرانی کر رہا تھا۔ شریم کے دل میں آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی طاقت کا ڈائن پر کوئی اثر اور وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے معصوم بچے کی نکال کر لے جائے۔

ایک دم سے شریم نے دوسرا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ خود کو وہاں سے اٹھا کر پہاڑوں میں لے جائے۔ اور بچے محفوظ جگہ پر چھپا آئے۔ اور ڈائن کا مقابلہ کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اچھا خیال تھا۔ اس کم معصوم بچے کی آنکھیں بچ جاتی تھیں۔

شریم ساتھ والے گھر میں گیا۔ زنگام کا باپ باہر گیا اس کی دادی اپنی نقلی بہن کی بڑی آؤ بھگت کرنے تھی۔ اور ڈائن مکار آنکھوں سے زنگام کو دیکھ رہی جو قریب لحاف میں بیٹھا لکڑی کی سلیٹ میں میخ رہا تھا۔ ڈائن اسے اپنی آنکھوں سے دور نہیں ہونے تھی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں ادھر ادھر نہ بھاگ جائے۔ کو ایک ترکیب سوجھی اس بستی کے ساتھ ہی پہاڑی پر ایک برف کا تودہ تھا۔ وہ اپنی جگہ بس جم گیا تھا۔ نے پہاڑی پر جا کر اس تودے کو اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ تو گڑگڑاہٹ کے ساتھ رینگنے لگا۔

ساری بستی میں شور مچ گیا کہ برف کا پہاڑ گرنے بھاگو بھاگو زنگام کی دادی اور خالہ بھی اپنے مکان زنگام کو لے کر باہر نکل آئیں۔ وہاں شور مچ گیا۔ ڈائن افراتفری میں زنگام کی آنکھوں میں جھپٹا مارنا چاہا۔ مگر نے اسے دھکا دے کر پرے گرا دیا۔ زنگام کے باپ کو ایک چٹان کے اوپر بٹھا دیا اور کہا۔ زنگام بیٹا یہاں مت اترنا اور خود اماں اور ڈائن خالہ کو لے کر سامان لگا۔ برف کا تودا رینگتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے رینگنے کی بھیانک گونج پیدا ہو رہی تھی۔

شریم کے لئے یہ بڑا ہی سنہرا موقع تھا۔ وہ ہوا میں اڑتا ہوا۔ چٹان کی دوسری طرف سے اوپر آ گیا۔ اس نے آتے ہی زنگام کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور پھر زنگام ایک دم گہری نیند سو گیا۔ پھر اس نے اسے اٹھایا۔ اور چٹان کے اوپر سے دوسری جانب پھلانگ لگا کر ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔

وہ زنگام کو لے کر ایک پہاڑی غار میں آ گیا۔ اس غار میں سخت اندھیرا تھا۔ شریم زنگام کے لئے کوئی اچھی پناہ گاہ تلاش کر رہا تھا۔ غار آگے جا کر بند ہو گیا۔ اس کی چھت پر ایک چھجہ سا باہر نکلا ہوا تھا۔ شریم نے زنگام کو اس چھجے کے اوپر لٹا دیا۔ اور خود غار سے باہر نکل کر اس کا منہ پتھروں سے بند کر دیا۔ صرف اتنی سی جگہ رکھی کہ تازہ ہوا اندر جاتی رہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ واپس بستی کی طرف چل پڑا۔ بستی میں جا کر اس نے دیکھا کہ پہاڑی ڈھلان پر برف کا تودہ اپنے آپ رک گیا تھا۔ اور بستی والے واپس اپنے اپنے مکانوں میں واپس آ گئے تھے۔

مگر زنگام کے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کیونکہ زنگام گم ہو گیا تھا اس کی دادی اور باپ کا غم کے مارے برا حال تھا۔ ڈائن بھی بے حد پریشان تھی۔ وہ تو اس لئے پریشان تھی کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اور اب اسے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اگر بچے کی نیلی آنکھیں لیے بغیر واپس گئی تو کالا جادوگر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ڈائن پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ اور زنگام کو آوازیں دے رہی تھی۔

وہ سمجھ گئی تھی۔ کہ یہ سارا کارنامہ اسی بدروح کا ہے۔ جو اس کے مقابلے میں آ چکی ہے۔ ڈائن چپکے سے زنگام کے گھر سے کھسک گئی۔ وہاں سے اب اسے کیا لینا تھا۔

وہ زنگام کو پہاڑوں میں تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے بستی سے دور آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ شریم بھی ایک ایک فرلانگ کی چھلانگ لگاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ڈائن کو جیسے زنگام کی بو آ رہی تھی۔ وہ سیدھی کھڈ کی طرف آ گئی۔ کھڈ میں اترتے ہی اس نے غار کی طرف چلنا شروع

کر دیا۔ غار کا منہ پتھروں سے بند تھا۔ ڈائن نے پتھروں کو ناک لگا کر سونگھا اور چیخ کر کہا۔

میرے آقا تمہارا شکار اسی غار میں ہے۔ اور پھر وہ دیوانوں کی طرح زور زور سے قہقہے لگانے لگی۔ کہاں ہو تم اے بدروح تم ہار گئی ہو۔ میں جیت گئی۔ میں کالے پانیوں کی ڈائن ہوں۔ تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم ہار گئے ڈائن بال کھولے سر ہلا ہلا کر قہقہے لگا رہی تھی۔ اب وہ اصلی شکل میں آ گئی تھی۔

ڈائن غار کے اوپر رکھے پتھروں کو ہٹانے لگی۔ شریم نے سوچا کہ یہ اگر اندر چلی گئی تو بچے کی زندگی خطرے میں ہوگی۔ اس کو کسی نہ کسی طرح بچانا چاہیے یہ سوچ کر وہ غار کے پتھروں کے درمیان سے گزر گیا۔ وہ ایک بدروح کی طرح ہر شے کے اندر سے گزر سکتا تھا۔ غار میں داخل ہوتے ہی شریم بھاگ کر زنگام کے پاس پہنچ گیا۔ وہ چھت کے پاس باہر کو ابھرے ہوئے پتھر پر اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ شریم نے پوری طاقت کے ساتھ غار کے سامنے والی دیوار کو ٹھوکر ماری۔

دیوار میں ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ شگاف پڑ گیا۔ اور دوسری طرف سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آنے لگی۔ شریم نے زنگام کو گود میں اٹھایا۔ اور شگاف کے اندر داخل ہو گیا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ دوسری طرف کیا ہے۔ مگر وہ ہر حالت میں ڈائن کے پنجے سے بچے کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے پیچھے ڈائن پھر بھی پتھروں کو ہٹا کر غار میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے بچے کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔ وہ غار کے آگے آ گئی تو دیکھا کہ ایک شگاف غار میں بنا ہوا ہے۔ جس میں سے روشنی آ رہی ہے۔ ڈائن بھی اس شگاف میں سے گزر گئی۔

دوسری جانب ایک پتھروں سے بھرا ہوا تنگ راستہ اونچے اونچے پہاڑوں کے بیچ میں سے جاتا تھا۔ شریم اس راستے پر لمبی لمبی چھلانگوں کی صورت میں اڑا چلا جا رہا تھا۔ ڈائن نے بھی پیچھے اڑنا شروع کر دیا۔ شریم کو اپنے پیچھے ڈائن کے بھیانک قہقہے سنائی دے رہے تھے اس کے دونوں جانب پہاڑ اس قدر بلند تھے کہ ان کی چوٹیاں آسمان کو چھوتی تھیں۔ ڈائن کے بھیانک قہقہوں سے پہاڑوں میں زبردست گونج پیدا ہو رہی تھی۔ اس گونج کی وجہ سے ایک جگہ پہاڑ کے اوپر سے برف ایک چٹان سے اکھڑ کر نیچے ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ آن گری۔ رستہ بند ہو گیا۔ ہر طرف برف ہی برف بکھر گئی۔

شریم کے لئے اس برف کی چٹان کے اندر سے گزرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وہ چٹان کے اندر سے گزر گیا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ چٹان سے گزرتے وقت زنگام کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔ کیونکہ اندر کا راستہ بے حد سرد تھا۔ آگے پھر وہی پتھریلا راستہ تھا۔ اور ارد گرد پہاڑوں کی بلند چوٹیاں تھیں۔ نہ جانے یہ راستہ کہاں جا کر ختم ہوتا تھا۔ اور کدھر کو جا رہا تھا۔

شریم بھاگا جا رہا تھا۔ ڈائن بھی چٹان کے اوپر سے اڑ کر آگے آ گئی تھی۔ اور اب بچے کی بو کے پیچھے اڑتی چلی آ رہی تھی۔ بہت آگے جا کر پتھریلا راستہ ایک پرانے اور ویران پہاڑی مندر میں داخل ہو گیا۔

اس مندر میں گھپ اندھیرا تھا۔ اور پتھر کی سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ شریم بچے کو لے کر سیڑھیاں اتر گیا۔ آگے ایک دلان آ گیا۔ جہاں اونچے اونچے پتھر کے ستون تھے۔ شریم ان ستونوں سے گزر کر آگے گیا۔ تو ایک اندھا کنواں آ گیا۔ شریم کو اپنے پیچھے دور ڈائن کی بھیانک آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ ڈائن اس کا برابر پیچھا کر رہی تھی۔ آگے کوئی راستہ نہیں تھا۔ شریم نے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ وہ پرندے کے ہلکے پھلکے پر کی طرح کنویں کے اندر اترتا چلا گیا۔ کنویں میں بالکل روشنی نہیں تھی۔ وہ نیچے ہی نیچے چلا جا رہا تھا۔ اور اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ ڈائن کی آواز بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

شریم کنویں کے اندر گرتا جا رہا تھا۔ نیلی آنکھوں والا زنگام اس کی گود میں تھا۔ آخر اس کے پاؤں کنویں کی تہہ میں کسی سخت چیز سے ٹکرا کر رک گئے۔ اس نے دیکھا کہ وہ اندھیرے کنویں کی تہہ میں بکھرے ہوئے پتھروں پر کھڑا ہے۔ اسے ڈائن کی آواز ابھی تک کنویں کے اوپر سے آ رہی تھی۔ ڈائن کنویں کے اوپر کھڑے ڈراؤنی آوازیں نکال رہی تھی۔ شریم نیلی آنکھوں والے بچے زنگام کی زندگی کو اس

سے بچانا چاہتا تھا۔ جو اسے نظر آ رہا تھا۔ شریم ... میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اوپر نگاہ اٹھائی تو ... سے اس کا جسم برف ہو گیا۔ ڈائن بھی کنویں میں ... لگا رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ نیچے ہوا میں تیرتی ہوئی ... ہی۔ اب کیا کرے۔

بچے کو اس ڈائن کے پنجے سے کیسے نجات دلائے۔ ... ڈائن کا مقابلہ کرے۔ شریم اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ... کو ہلاک کر ڈالے گا۔ مگر اس طرح بچہ بھی ہلاک ہو ... کا خطرہ تھا۔ ڈائن لڑائی میں بچے پر جھپٹا مار کر اسے ... کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شریم ڈائن سے دور بھاگنے ... کوشش کر رہا تھا۔ شریم نے کنویں کی دیواروں کو غور سے ... ایک جگہ دیوار کو جھاڑی نے ڈھانپ رکھا تھا۔ شریم ... جھاڑیاں پرے ہٹائیں تو اس کے پیچھے دیوار میں ایک ... سوراخ ہو گیا۔ یہ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سے ایک ... گزر سکتا تھا۔ شریم کو اور کچھ نہ سوجھی بس بچے کو لے کر ... سوراخ میں گھس گیا۔ یہاں اسے کسی درندے کے غرانے ... آواز آئی۔ وہ ایک تنگ راستے میں آ گیا۔ اسے یہاں ... جھکا کر چلنا پڑ رہا تھا۔

شریم کے پاؤں جھاڑیوں سے ٹکرا رہے تھی۔ ... کے غرانے کی آواز اور قریب ہو رہی تھی۔ شریم کو ... ہوا کہ وہ کسی بہت بڑے پتھر کی دیواروں والے تہہ ... میں آ گیا ہے۔ جس کے ایک جانب سیڑھیاں اوپر ... سے دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ وہ سیڑھیوں کی ... بڑھا تو اچانک ایک طرف سے دو عجیب و غریب ... نما درندے ڈکارتے اور ناک سے آگ کے شعلے ... اس کی طرف بڑھے۔

شریم نے بچے کو کاندھے پر رکھا۔ اور چھلانگ لگا کر ... اچھل گیا۔ وہ اچھل کر سیڑھیوں پر آ چکا تھا۔ اور درندے ... کی چنگاریاں اڑاتے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔

شریم سیڑھیوں کے اوپر پہنچ کر دروازے کو توڑنے ... کوشش کر رہا تھا۔ زنگام کو اس نے اپنے خاص عمل سے ... بے ہوش کر رکھا تھا۔ تاکہ وہ ڈر کر شور نہ مچانا شروع کر ... درندے سیڑھیوں کی طرف لپکے اتنے میں پیچھے سے شے ڈائن کی آواز آئی۔ درندے اوپر چڑھتے چڑھتے وہیں رک گئے۔ انہوں نے اپنی موٹی موٹی گردنیں موڑ کر اپنے تیز نوکیلے دانت نکالتے ہوئے ڈائن کو دیکھا تو غضب ناک ہو کر ڈائن پر حملہ کر دیا۔

ڈائن بھی ہوشیار ہو چکی تھی۔ ایک درندہ اچھل کر ڈائن پر گرا اور اس کی گردن دبوچ لی۔ ڈائن نے منتر پڑھ کر پھونک ماری۔ ڈائن کے منہ سے ایک نیلے رنگ کا شعلہ نکلا جس نے درندے کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ دوسرے درندے نے ڈائن کو دوسری بار منتر پڑھنے کی مہلت نہ دی۔ اس نے ڈائن کی گردن کو اپنے جبڑوں میں لے کر چبا ڈالا۔

ڈائن نے ایک ایسی دہشت ناک چیخ ماری کہ وہ تہہ خانہ دہل گیا۔ پتھروں کی بڑی بڑی سلیں اپنی اپنی جگہ سے ہل گئیں۔ ڈائن مر گئی تھی اس کا سر درندے نے نگل لیا تھا۔ اور اس اس کا باقی جسم نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شریم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس ڈائن سے اس کی جان چھوٹی۔ مگر ڈائن کو نگلنے کے بعد درندے نے اپنی سرخ دہکتی آنکھوں سے شریم کو دیکھا۔ اور اس کی طرف لپکا۔ وہ ڈکار رہا تھا۔ اور نتھنوں سے چنگاریاں اڑا رہا تھا۔

شریم بچے کے ساتھ دروازے کے درمیان سے دوسری جانب نکل گیا۔ آگے سیڑھیاں تھیں جو اوپر ایک اور دروازے کی طرف جاتی تھیں۔ اسی طرح تین دروازوں سے نکل کر شریم زمین کے اوپر اسی پرانے مندر کے ہال کمرے میں آ گیا۔ جس کے کنویں میں اس نے چھلانگ لگائی تھی۔ ڈائن مر چکی تھی۔ اب زنگام کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

شریم مندر سے نکل کر زنگام کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے بچے کو گھر کے اندر لا کر زمین پر بچھی ہوئی چارپائی میں ڈال دیا۔ اپنے بچے کو دوبارہ پا کر ماں باپ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ بے اختیار ہو کر بچے کو چومنے اور سینے سے لگا لیا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ ان کی نیلی آنکھوں والا بیٹا انہیں پھر سے مل گیا ہے۔ شریم ان کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

شریم نے اس کی ماں سے کہا۔ "میری بات غور سے سنو میں کوئی بدروح یا کوئی روح نہیں ہوں۔ جو تمہاری

بہن کا روپ بدل کر آئی تھی۔ وہ اب مر چکی ہے۔ اب تمہارے بچے کی زندگی خطرے میں نہیں۔ میں اسے ڈائن کے پنجے سے نکال لایا ہوں۔ تمہاری امانت تمہیں واپس دیئے جا رہا ہوں۔ خدا حافظ۔ زنگام کے ماں باپ خوف سے سہم گئے۔ وہ ایک ایسے آدمی کی آواز سن رہے تھے۔ جو انہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ انہوں نے شریم سے معافی مانگی اور کہا۔ "ہم سے بھول ہوگئی ہے۔ ہمیں معاف کردو۔"

اے نیک دل شریم نے کہا۔ "میں نے تمہیں معاف کیا۔ لیکن زنگام کی زندگی ابھی بھی خطرے سے باہر نہیں ہوئی۔ ہندوستان کا کالا جادوگر اس کی نیلی آنکھوں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس لئے تمہیں بچے کے بارے میں بڑی احتیاط کرنی ہوگی۔"

زنگام کے باپ نے کہا۔ "میں کیا احتیاط کرسکتا ہوں۔ ہم غریب لوگ ہیں زنگام کو کسی تہہ خانے میں نہیں چھپا سکتا۔"

شریم نے کہا۔ "آپ اسے لے کر کچھ عرصے کے لئے کسی مندر میں چلے جائیں۔ اوپر برفانی پہاڑوں میں کالے علم کے جادوگر نہیں جایا کرتے۔ انہیں اپنے کالی علم کے لئے۔ گرم علاقوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" زنگام کے ماں باپ کو ضرورت کی باتیں بتا کر شریم اس قصبے سے باہر آ گیا۔

اس نے ناگ مندر کی طرف اپنا سفر شروع کردیا۔ وہ بہت تیز سفر کر رہا تھا۔ اور ہوا میں ایک ایک فرلانگ کی چھلانگ لگا کر اڑتا ہوا جا رہا تھا۔ ایک دن اور ایک رات میں وہ برفانی پہاڑوں میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں اوپر ایک پہاڑی پر کسی محل کا سنہری گنبد دن کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ دھوپ بڑی پھیکی تھی۔ برف چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ ٹنڈ منڈ درخت برف میں لپٹے ہوئے تھے۔ شریم سمجھا کہ شاید یہی ناگ دیوتا کا مندر ہے اور شاہان اسے وہیں ملے گا۔ اس خیال کو دل میں لے کر وہ سنہری گنبد والے محل کی طرف روانہ ہوا۔

ابھی وہ مندر سے کوئی ایک فرلانگ دور تھا کہ اس نے دو بھشکو دیکھے جو سروں پر لال نوکیلی گرم ٹوپیاں اور لمبے چوغے پہنے اوپر محل کو جانے والے برفانی راستے سے نیچے اتر رہے تھے۔ جن کے متعلق شریم کو بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی عمریں تین تین سو سال ہوگئی ہیں۔ شریم بھی اس طرف جا رہا تھا۔ جب شریم ان کے قریب سے گزرا تو شریم نے دیکھا کہ دونوں کی آنکھوں سے عجیب روشنی نکل رہی ہے۔ اچانک دونوں بھکشو اپنی جگہ پر رک گئے۔ اور گردن موڑ کر انہوں نے جیسے شریم کو دیکھا۔ شریم گھبرا سا گیا کیا ان بھکشو نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ شریم نے سوچا۔

ان میں سے ایک بھکشو بولا۔ یہ لڑکا ہمارے بہت کام آسکتا ہے۔ ہاں یہ بہت کام آئے گا۔ تو پھر کیا خیال ہے بڑا اچھا خیال ہے۔ اسے پکڑ کر قید کرلو۔

شریم اور زیادہ گھبرا گیا۔ ایک تو اس خیال سے کہ ان دونوں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ دوسرا وہ اسے قید کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ شریم نے اڑ کر وہاں سے بھاگنا چاہا۔ مگر جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ آگے بڑھ سکا۔ اور نہ اوپر اٹھ سکا۔ اس پر جیسے کسی نے زبردست جادو کردیا تھا۔ اس کے پاؤں جیسے پتھر بن گئے تھے۔

بھکشو بولا۔ "اے لڑکے ہم نے تمہیں دیکھ لیا ہے..... اب تم ہماری قید میں ہو تم یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھا سکتے۔"

شریم نے کہا۔ "تم کون لوگ ہو۔ اور مجھے کس لئے قید کیا ہے۔"

دوسرا بھکشو مکروہ ہنسی ہنس کر بولا۔ "ہم نے تم سے ایک کام لینا ہے۔ ہم ایک ایسے لڑکے کی تلاش میں تھے۔ کہ جو غیبی ہو۔ اور کسی کو دکھائی نہ دے۔" پہلا بھکشو بھی کھی کھی کر کے ہنسا اور بولا۔ "اب تم ہمارے قبضے میں ہو۔" پھر دونوں بھکشو شریم کے قریب آ گئے۔ شریم کے بال سنہری تھے۔ اس نے اس کے بالوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔ یہ بال بھی ہماری بڑے کام آئیں گے۔ پھر دوسرا بھکشو بولا۔ کیوں نہیں ان سنہری بالوں میں زبردست اور تیز جادو ہے۔ پھر پہلا بھکشو شریم کے بالکل قریب آ گیا۔ دوسرے نے کہا۔ دیکھتے کیا ہو۔ اسے بے ہوش کر کے لے چلو۔

شریم نے کہا۔ "نہیں نہیں تم مجھے اس طرح ہے

مستند ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات اور مشوروں سے لکھی گئی مفید کتاب

قیمت -/100 روپے

ہیپاٹائٹس اور علاج (کالا یرقان)

پڑھئے ہیپاٹائٹس کیوں اور کیسے ہوتا ہے، جگر کی ساخت، جگر کا اہم کام، یوریا بننے کا عمل، ناکارہ خون کے ذرات، مفید عضو، ہیپاٹائٹس اور کینسر، جنسی علامات، مرض کی وجوہات، قدرتی نظام، گردوں کا عمل، ہیپاٹائٹس اے، اور ہیپاٹائٹس بی، ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، ہیپاٹائٹس کا طبی علاج، دافع درد جگر، نسخہ دافع یرقان، نسخہ آملہ، شربت انار، عرق کاسنی، نسخہ آب آہن تاب، خشک انجیر سے علاج، گردے کا درد، گردے کا ورم، جگر پر ورم، جگر میں گرمی، یرقان (پیلیا)، زیادہ پیشاب آنا، گردوں کے نقص، جگر میں ورم کے لئے، تلی کا رائے سے علاج، تلی بڑھنا، تلی کا ورم، آک سے یرقان کا علاج، امراض گردہ مثانہ کے چند نسخے، دن میں صرف دو بار کھایئے، دن میں آٹھ گلاس پانی پینا ضروری ہے، روزانہ پندرہ منٹ ورزش کریں، حفظان صحت کے 39 اصول، اور دیگر معلومات اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

شمع بک ایجنسی نویدا سکوائر اردو بازار کراچی
Ph:32773302

ہوش کر کے نہیں لے جاسکتے۔ میں اپنے بھائی شاہان کی تلاش میں ہوں۔ مجھے جانے دو۔

دوسرا بھکشو قہقہہ مار کر ہنسا۔ ہم اسے بھی پکڑ کر تمہارے پاس لے آئیں گے۔ ہمیں اس کی ہی تلاش ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی اس کے بارے میں بتادیا۔

اور پھر ایک بھکشو نے اپنا ایک بازو اوپر اٹھا کر اپنی تیز لمبی لمبی انگلیوں کا اشارہ شریم کی آنکھوں کی طرف کیا۔ اور پھر شریم کو بالکل ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے اور کس جگہ ہے۔ اس کی آنکھوں کے آگے سرخ سرخ ستارے ٹوٹے اور پھر ایک ایک کر کے بجھتے چلے گئے۔ شریم تو پوری طرح بے ہوش ہو چکا تھا۔ دونوں بھکشوؤں نے اسے اٹھایا۔ اور اوپر سنہری گنبد والے محل کی جانب چل دیئے۔

شریم کو ہوش آیا تو وہ ایک اندھیری اور ٹھنڈی کوٹھڑی میں تھا۔ وہ زمین پر بچھے گھاس پھونس پر لیٹا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اب وہ چل پھر سکتا تھا۔ کوٹھڑی کا کوئی دروازہ کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ کونے سے اوپر چھت کے پاس ایک سوراخ تھا۔ جس میں روشنی کی ایک لکیر کوٹھڑی کے اندھیرے کو تھوڑا تھوڑا روشن کر رہی تھی۔ شریم جس چیز کو دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ ایک لمبا تابوت نما صندوق تھا۔ جو لوہے کی موٹی زنجیروں کے ساتھ چھت سے لٹک رہا تھا۔ اور زمین سے دو فٹ اونچا تھا۔ ایک بانس کی چھوٹی سی سیڑھی صندوق کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

شریم نے اژدھے کے دیئے ہوئے ہیرے کو ہاتھ میں لیا اور کہا۔ "اے میری بہن ناگنی کے دوست اژدھا میری مدد کرو۔" شریم نے دیکھا کہ ہیرے میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ شریم پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اس کی طاقت کے ساتھ ساتھ مدد دینے والے اژدھا کی طاقت بھی چھین لی گئی تھی۔ اس نے دیوار کے اندر سے گزر جانے کی کوشش کی تو دیوار کے پار نہ جا سکا اس نے چھلانگ لگا کر کوٹھڑی میں اڑنا چاہا۔ مگر زمین پر گر پڑا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنی بے بسی اور مجبوری پر اس کے دل میں خیال آیا کہ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کم از کم یہ تو معلوم کیا جائے۔ کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ اس تابوت کا راز کیا ہے۔

وہ بانس کی سیڑھی پر چڑھ کر صندوق کے قریب آ گیا۔ اندھیرا اور ہلکی ہلکی روشنی میں تابوت کے ڈھکن پر ہوا۔ تانبے کا ایک انسانی سر کا نشان تھا۔ اس سر کی آنکھوں میں لوہے کے کیل ٹھکے ہوئے تھے۔ سر کسی عورت کا تھا جس کے کٹے ہوئے ہونٹوں میں خون کے قطروں کے نشان بنے ہوئے تھے۔

شریم سے چونکہ اس کی طاقت چھین لی گئی تھی۔ اس لیئے اس کے اندر انسانی خوف آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ایک بہادر لڑکا تھا۔ اور بڑی بڑی مصیبتوں سے گزر چکا تھا۔ اس لیئے اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اور وہاں سے نکل بھاگنے کی پوری کوشش کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ایک بار ان بھکشوؤں کے پنجے سے نکل گیا تو اس کی کھوئی ہوئی طاقت واپس آ جائے گی۔

شریم کو کوٹھڑی میں ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ جو درد کی وجہ سے ہولے ہولے کراہ رہی تھی آواز بڑے دردانگیز رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھی۔ جیسے کسی گہرے کنویں کے اندر سے آ رہی ہو۔

شریم نے کان لگا کر عورت کی آواز کو سنا تو وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ کیونکہ آواز اس تابوت کے اندر سے آ رہی تھی۔ جس کے پاس وہ بانس کی سیڑھی لگا کر کھڑا تھا۔ یہ ایک عجیب آواز تھی کبھی ایسے لگتا جیسے کوئی عورت مٹی کے نیچے دبی سسکیاں بھر رہی ہے۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ جیسے جادوگر بھکشوؤں نے تابوت میں بند کر رکھا ہے۔ شریم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔

کوٹھڑی میں اچانک روشنی تیز ہو گئی۔ شریم جلدی سے سیڑھی سے اتر کر نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ جہاں سے وہ اٹھا گیا تھا۔ دیوار میں ایک جگہ گول دروازہ سا بن گیا اس دروازے میں سے وہ دونوں بھکشو اندر آ گئے۔ اس وقت انہوں نے لمبی سیاہ ٹوپی اور لمبا سیاہ چغہ پہن رکھا تھا۔ ان کے لباس پر عجیب عجیب شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک بھکشو نے تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ وہ سیدھے شریم کے قریب آئے۔ دونوں شریم کو غور کر دیکھنے لگے۔ پھر وہ تابوت کی طرف دیکھ کر رک

ایک بھکشو نے کہا۔ "ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ شروع کرو۔"

شریم پریشان ہو گیا۔ کہ یہ اب اس کے ساتھ کیا نے والے ہیں۔ اس نے زندگی میں کبھی اپنے آپ کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ جتنا وہ اس وقت اپنے آپ کو کر رہا تھا۔ ان دونوں بھکشوؤں نے اس کی طاقت بھی لی تھی۔ اب خدا جانے وہ اس کے ساتھ کیا کرنے ہیں۔

شریم نے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں شیطان چیلے ہو۔ اور تمہارا ارادہ میرے بارے میں نیک ہے۔ لیکن میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں اگر مجھے ان پہنچانے کی کوشش کی تو یاد رکھو میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔ میرا ایک بھائی ایسا ہے کہ وہ تمہیں پل بھر میں کی نیند سلا دے گا۔"

بھکشو خاموشی سے شریم کو گہری نظروں سے گھورتے انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اصل میں اس قوت وہ کے منتر پڑھ رہے تھے۔ انہیں شریم کے دھمکانے کی پروا نہیں تھی۔

شریم نے اٹھ کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھکشو اپنے ارادے سے باز آئیں گے۔ شریم نے بھاگ کر دیوار میں گزر جانے کی کوشش کی۔ کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ باز نہیں آئیں گے۔ جس طرح وہ پہلے دیوار میں سے گزر جایا کرتا تھا۔ لیکن وہ دیوار اس سے ٹکرا کر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی بھکشو تھیلے میں سے لوہے کی ایک کیل نکالی اور منتر پڑھ کر پر پھونکا۔ اور شریم کی طرف زور سے اچھال دی۔ کیل سیدھی شریم کے ماتھے پر جا کر لگی۔ اور اس کی میں دھنس گئی۔

شریم وہیں غش کھا کر گر پڑا۔ دونوں بھکشوا سے کر گھاس کے بستر پر لے آئے۔ پھر انہوں نے کے سر کے سارے بال کاٹ ڈالے اور اس کا ایک گچھا تھیلے میں سے ایک سیاہ رنگ کی ڈبیا نکالی۔ اور اس میں سرخ قیمہ نکال کر بالوں کا گچھا اس میں لپیٹ دیا۔

اس کے بعد وہ شریم کو اٹھا کر تابوت کے اوپر لے گئے۔ تابوت کا ڈھکنا کھول دیا گیا۔ ایک بھکشو نے عورت کا کٹا ہوا سر باہر نکال دیا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کی مدد سے بے ہوش شریم کے جسم کو تابوت کے اندر اچھی طرح سے سیدھا لٹا دیا۔ اب انہوں نے ایسا کیا کہ عورت کا کٹا ہوا سر شریم کے سینے کے اوپر رکھ کر تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا۔ نیچے اتر کر انہوں نے بانس کی سیڑھی اٹھا کر دیوار کے ساتھ لگا دی۔

اب پہلے بھکشو نے شریم کے سر کے بالوں کا گچھا نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اور اس پر جادو کرنا شروع کر دیا۔ پانچ بار بالوں پر پھونکیں ماریں پھر تھیلے میں سے بوتل نکال کر اس کا پانی چھڑکا۔ پھر ایک انسانی کھوپڑی کے منہ میں رکھ دیا تو کھوپڑی نے ہلنا جلنا شروع کر دیا۔ دونوں بھکشو غور سے کھوپڑی کو تکنے لگے۔

کھوپڑی فرش پر اچھلنے لگی۔ ایک بار وہ اتنی زور سے اچھلی کہ عورت کے تابوت سے جا ٹکرائی۔ بھکشو شاید یہی چاہتے تھے۔ اب کیا ہوا کہ تابوت میں سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹنا شروع ہو گئی۔ دونوں نے کھوپڑی تھیلے میں ڈالی۔ اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں تابوت کی روشنی پر لگی ہوئی تھیں۔

روشنی پہلے نیلی تھی۔ پھر سرخ ہونا شروع ہو گئی۔ پھر ایسا ہوا کہ تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنا شروع ہو گیا تو دونوں بھکشو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان کا جادو کامیاب ہو گیا تھا۔ تابوت کا ڈھکنا ہوا میں اٹھ کر تابوت سے کوئی دو فٹ اوپر جا کر رک گیا۔ اس تابوت کے اندر سے عورت کا کٹا ہوا سر باہر نکل آیا۔ مگر وہ صرف سر نہیں تھا۔ بلکہ وہ عورت بھی تھی۔ جس کا وہ سر تھا اس کی آنکھوں میں اب کیل نہیں ٹھکے ہوئے تھے۔ اس کے ہونٹ اسی طرح کٹے ہوئے تھے۔ اور اس میں خون کے قطرے رس رہے تھے۔ عورت تابوت سے باہر آ کر تابوت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے پرانے زمانے کی شہزادیوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ کسی ملک کی شہزادی لگتی تھی۔ بھکشو خاموش کھڑے تھے۔ شہزادی کے کٹے ہوئے ہونٹ نہ ہلے۔ مگر اس کے حلق سے

آواز آئی۔ "تم مجھ سے کیا مانگنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے اس عذاب میں کیوں ڈال رکھا ہے۔"

ایک بھکشو نے جھک کر کہا۔ "اے اندلس کی شہزادی ہمیں بلوط خزانے کی تلاش ہے۔ جو اسپین کے سب سے آخر میں عیسائی بادشاہ تھا۔ نے تمام بادشاہوں کے خزانے اپنے پاس جمع کر کے رکھے تھے۔ اور جس کی تم بیٹی لیانہ ہو۔ تاریخ کی کتاب میں لکھا ہے کہ بلوط نے اس خزانے کو مرنے سے پہلے کسی خفیہ جگہ دفن کر دیا تھا۔ اس جگہ کا پتا اس نے صرف تمہیں بتایا تھا۔ اگر تم ہمیں اپنے باپ کے خزانے تک پہنچنے کا راز بتا دو تو ہم تمہیں اس عذاب سے نجات دلا دیں گے۔

شہزادی کے کٹے ہوئے سر نے کہا۔ "آہ میں اپنے شاہی محل کے قبرستان میں آرام سے سوئی ہوئی تھی۔ تم نے جادو کے زور سے میرے تابوت یہاں لا کر میری لاش کا سر کاٹ دیا۔ مجھے سخت اذیت پہنچائی۔ میں تمہارے جادو کے قبضے میں ہوں۔ کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ اگر میں نے تمہیں اپنے باپ کے خزانے کا پتہ بتا دیا تو تم میری لاش کا تابوت واپس اسپین کے شاہی قبرستان میں پہنچا دو گے۔"

بھکشو نے کہا۔ "ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم نے ہمیں اپنے باپ بلوط کے خزانے کا پتا بتا دیا تو ہم تمہاری لاش سے سر جوڑ کر تمہارے تابوت کو واپس تمہارے شاہی قبرستان میں پہنچا دیں گے۔"

شہزادی کے سر نے کہا۔ "میں تمہیں وہ جگہ بتائے دیتی ہوں۔ جہاں میرے باپ نے اپنا عظیم الشان خزانہ دفن کیا ہے۔ لیکن یاد رکھو اس خزانے کی حفاظت چار جن اژدھا بن کر کر رہے ہیں۔ جس غار کے اندر یہ خزانہ دفن ہے۔ وہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ جس نے وہاں جانے کی کوشش کی اسے راستے میں ہی اژدھوں نے زندہ نگل لیا۔"

بھکشو نے کہا۔ "تم ہمیں خزانے کا پتہ بتا دو۔ باقی ہم خود سنبھال لیں گے۔"

شہزادی نے کہا۔ "تو سنو۔ اسپین میں ایک دریا ہے۔ اس دریا کے کنارے ایک پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی کے اوپر ایک پرانا گرجا گھر ہے۔ جو اب ویران اور کھنڈر بن چکا ہے۔ اس گرجا گھر کے زمین دوز تہہ خانے کو عبادت گاہ سے ایک خفیہ راستہ جاتا ہے۔ اس تہہ خانے میں دو تابوت ہیں۔ ایک تابوت میرے باپ کی لاش کا ہے۔ اور دوسرے تابوت میں میرے باپ کا عظیم الشان خزانہ ہے۔ میں نے تمہیں خزانے کا پتہ بتا دیا ہے۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ اور میری لاش کے تابوت کو میری قبر میں واپس پہنچا دو۔"

دونوں بھکشو کے چہرے کھل گئے تھے۔ اتنے بڑے خزانے کا راز انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ ان کا جادو کامیاب ہو چکا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ شہزادی کی لاش کا سر جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ ان کے جادو کی سب سے بڑی شرط ہی تھی کہ ایسے لڑکے کو بے ہوش کر کے تابوت میں بند کیا جائے جو کسی کو نظر نہ آتا ہو۔ ایسے لڑکے کی تلاش بہت مشکل تھی۔ مگر وہ خوش قسمت تھے کہ انہیں شریم مل گیا۔ اب شریم کی زندگی ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی۔ کیونکہ جادو کے حساب سے شریم کو اب ہمیشہ اسپین کے شاہی قبرستان میں شہزادی کی لاش کے ساتھ ہی دفن ہو جانا تھا۔

بھکشو نے کہا۔ ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ ہم تمہارے تابوت کو واپس تمہاری قبر میں پہنچا دیں گے۔ واپس جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ سن کر شہزادی نے اپنا کٹا ہوا سر اپنی گردن کے پاس رکھ دیا۔ بھکشوؤں نے اونچی آواز میں منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ شہزادی کا سر اس کی گردن کے ساتھ جڑ گیا۔ اور شہزادی آہستہ آہستہ فضا میں تیرتی ہوئی۔ اپنے تابوت کے اندر چلی گئی۔ جہاں پہلے ہی شریم بے ہوش پڑا تھا۔ تابوت کا ڈھکن خود بخود بند ہو گیا۔

دونوں بھکشو اس تابوت کے اوپر جا کر بیٹھ گئے۔ وہ برابر جادو کے منتر پڑھتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد تابوت دیوار کی طرف چلنے لگا۔ دیوار ایک جگہ سے ہٹ گئی۔ شہزادی کا تابوت دیوار میں سے نکل گیا۔ تابوت اب سنہری گنبد والے پر اسرار محل کی زمین دوز سرنگ سے باہر نکل آیا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ تابوت جادوئی محل کی چھت پر

...تھا۔ یہاں پہنچ کر تابوت رک گیا۔ دونوں بھکشوؤں ...سے ایک تابوت پر سے نیچے اتر گیا۔ "میں جادو محل میں ...انتظار کروں گا۔ کیونکہ ہم دونوں اس محل کو چھوڑ کر نہیں جا ...مجھے یقین ہے کہ جس طرح تم اس لاش کے تابوت پر ...ئے ہوئے اسپین جا رہے ہو۔ اسی طرح بہت جلد خزانے ...تابوت پر بیٹھ کر یہاں واپس آؤ گے۔ پھر ہم دنیا کے ...سے امیر آدمی ہوں گے۔

ضرور تم انتظار کرنا۔ اب خزانے تک پہنچنے میں کوئی ...ہمارا راستہ نہیں روک سکتی۔ اگر کسی نے میرا راستہ روکا تو ...جادو کے زور سے اسے ہلاک کر دوں گا۔ میں بہت جلد ...لے کر واپس اسی محل میں آ ؤں گا۔ بھکشو نے تابوت ...ڈھکن پر ہاتھ مارا۔ تابوت چھت پر سے بلند ہوا۔ اور ...بھرے آسمان میں اڑنا شروع کر دیا۔

☆......☆......☆

ادھر شاہان جوگی کے بھیس میں ہمالیہ کے خطرناک ...کی راستوں پر سفر کرتا جھیل مانسرور کے ناگ مندر کی ...ف چلا جا رہا تھا۔ ناگ مندر ابھی بھی پیدل سفر میں تین ...اور تین راتوں کا راستہ تھا۔ ناگ مندر کا بڑا پجاری جادو ...زور سے انسان کو جانور بنا کر اس کا خون پی جایا کرتا تھا۔ ...ن کا خون اس کے جادو کی طاقت کے لئے بہت ضروری ...وہ ہر مہینے باہر سے آئے ہوئے کسی مسافر کو اپنی کوٹھڑی ...ہونے کے لئے بلا لیتا۔ پھر آدھی رات کو جب مندر میں ...لوگ سو جاتے تو وہ آدمی کو جانور بنا کر اس کی گردن ...ی سے کاٹ کر اس کے جسم کا سارا خون پی جاتا۔ لیکن ...پجاری کو کسی ایسی جادو کی تلاش تھی۔ جو اسے ہمیشہ ہمیشہ ...لئے زندگی دے۔ اور وہ مر نہ سکے اس نے ایک روز ایک ...بلا کر پوچھا۔ "کیا کوئی ایسا جادو نہیں ہے جو مجھے ہمیشہ ...لئے غیر فانی بنا دے۔ مجھے موت نہ آئے اور میں رہتی ...ک زندہ رہوں۔"

بیر نے کہا۔ "مہاراج ایسا ایک جادو ہے۔ مگر اسے ...ل کرنا بہت مشکل ہے۔"

پجاری نے کہا۔ "تم مجھے بتاؤ کہ وہ ایسا کونسا جادو ...میں اسے حاصل کر کے رہوں گا۔ میں اتنے بڑے مندر کا پجاری ہوں۔ اور میرے پاس بھی بہت کچھ ہے۔ ایسی کونسی مشکل ہے جس پر میں قابو نہیں پا سکتا۔ تم مجھے بتاؤ کہ مجھے ہمیشہ زندہ رہنے والے جادو کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہو گا۔"

بیر نے کہا۔ "تو پھر سن لو پجاری مہاراج تمہیں کسی ایسے انسان کو تلاش کرنا ہو گا۔ جس کو موت نہ آتی ہو جو کئی ہزار سالوں سے زندہ چلا آ رہا ہو۔ اس انسان کو تمہیں مندر کے سب سے گہرے کنویں میں قید کر کے کنویں کے اندر آگ لگا دینا ہو گی۔ اور اوپر سے کنواں بند کر دینا ہو گا۔ ایک ماہ بعد جب تم کنویں کا ڈھکن اٹھاؤ گے تو اندر سے ایک الو پھڑ پھڑاتا ہوا باہر نکلے گا۔ تو الو کو بھون کر کھاؤ گے تو تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہو گے۔"

پجاری نے کہا۔ "یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ پر سوال یہ ہے کہ میں ایسا آدمی کہاں سے تلاش کروں گا۔ جو ہزاروں سال سے زندہ ہو۔"

بیر بولا۔ "یہی تو مشکل بات ہے۔ ایسا انسان اس دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ اس لئے مہاراج ہمیشہ زندہ رہنے کے خیال کو دل سے نکال دو۔"

پجاری کہنے لگا۔ "کاش مجھے کہیں سے ایسا انسان مل جائے۔"

بیر نے کہا۔ "وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔" پجاری نے پوچھا۔ "کیا تم کسی ایسے انسان کو ساری دنیا میں کہیں دیکھ رہے ہو۔" بیر نے کہا۔ "ہم ایسے انسان کو نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ وہ امر ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی جن کوئی بیر تمہیں کسی ایسے انسان کا نشان نہیں بتا سکتا۔ اس کے لئے تمہیں خود تلاش اور کھوج کرنا ہو گی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ بیر چلا گیا۔ اور پجاری سوچ میں پڑ گیا۔ کہ ہزاروں سال سے زندہ انسان اسے کہاں مل سکتا ہے۔ یہ ایک ناممکن اور انہونی بات تھی۔ اس لئے پجاری نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت پر قابو پانے اور ہمیشہ کے لئے امر ہو جانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ وہ کسی ایسے انسان کی کھوج میں ضرور رہے گا۔

ادھر شاہان پہاڑوں میں چلا آ رہا تھا۔ وہ کبھی رات

کو سفر کرتا۔ اور دن میں آرام کرتا۔ اور کبھی دن کو سفر کرتا۔ اور رات کو تھوڑی دیر کے لئے سو جاتا۔ اسے کوئی تکان نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ تھکاوٹ بھوک اور اسی قسم کی دوسری چیزوں اور انسانی کمزوریوں سے آزاد تھا۔ مگر وہ اس لیے آرام کرتا تھا۔ کہ ناگن کی کٹی ہوئی لاش کو اس کے جسم کی گرمی ہلاک کر سکتی تھی۔ جب انسان روزانہ بیس میل چلے تو اس کا جسم ضرور گرم ہو جاتا ہے۔ شاہان نے ناگنی کی لاش کو رومال میں لپیٹ کر اپنی کمر کے گرد باندھا ہوا تھا۔ وہ سادھو بنا ہوا تھا۔ سر کے بال مونڈے ہوئے تھے۔ اور بدن پر صرف ایک کالا کمبل تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے سے نکل کر اب اونچے اونچے پہاڑوں کے دروں اور کھڈوں کی وادی میں آ گیا تھا۔

شام کا وقت تھا شاہان کا خیال تھا کہ وہ تھوڑا سا راستہ اور طے کر لے اور وہیں کسی جگہ بیٹھ کر رات گزار دے گا۔ اور ناگنی کی لاش کو جسم سے الگ کر کے اسے اپنے جسم کی گرمی سے محفوظ کرے گا۔ اس نے اپنی رفتار آہستہ کر لی تھی۔ چلتے چلتے اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ کسی جانور کے غرانے کی آواز تھی۔ شاہان ہوشیار ہو گیا۔ اسے اپنی فکر نہیں تھی۔ فکر اگر تھی تو صرف ناگنی کی تھی۔ جس کے جسم کے ٹکڑے وہ لیے لیے پھر رہا تھا۔ کہ کہیں ان ٹکڑوں کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ وہ انہیں اپنے سے الگ کر کے کسی جگہ رکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ کہیں کوئی چیل یا گدھ اسے جھپٹا مار کر نہ لے جائے۔

شاہان پہاڑ کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے ایک ہی راستہ تھا۔ سڑک بائیں طرف گھوم گئی تھی۔ غراہٹ کی آواز اب قریب سے سنائی دی شاہان زور سے کھانسا۔ اس خیال سے کہ اگر کوئی بندر وغیرہ ہو گا تو انسان کی آواز سن کر بھاگ جائے گا۔ اس علاقے میں بندر اسے کئی جگہوں پر ملے تھے۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ اس کے سامنے ایک آدم خور سفید ریچھ آنے والا تھا۔ اور پھر اچانک موڑ پر ایک بہت بڑا سفید ریچھ اس کے سامنے آ گیا۔ ریچھ نے شاہان کی بو پا لی تھی۔ اور وہ اس بو پر ہی وہاں تک پہنچا تھا۔ شاہان نے ایک ہاتھ اپنے پیٹ کے ساتھ بندھے رومال پر رکھ لیا۔ جس میں ناگنی کی لاش تھی۔ ادھر ریچھ کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کا پالا کس قسم کے انسان سے پڑ گیا ہے۔ بے چارے کی موت اسے شاہان کی طرف لے آئی تھی۔

ریچھ اپنی موٹی بھاری گردن ہلاتا، بازو کھڑکھڑاتا اور غراتا ہوا شاہان کی طرف بڑھا۔ شاہان کے سر میں تیزی سے ایک خیال ابھرا کہ ہو سکتا ہے کہ ریچھ کے ساتھ لڑائی میں اس کا پنجہ ناگنی کی لاش میں پڑ جائے ریچھ کے ناخن ناگنی کی لاش کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ اس نے جلدی سے ناگنی کی لاش والا رومال کمر سے کھول کر پتھروں میں رکھ دیا۔ اب وہ بے فکر ریچھ کی طرف بڑھا۔

ریچھ کی سرخ آنکھوں میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ کوئی بھی انسان اسے دیکھ کر دہل سکتا تھا۔ لیکن یہ پہلا انسان تھا۔ جو اسے دیکھ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اور پھر اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ ریچھ نے ایک زوردار گرج کی آواز حلق سے نکالی پہاڑی وادی اس کی خوفناک گرج سے گونج اٹھی۔ شاہان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ناگنی کی لاش سے آگے جا کر ریچھ سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ کہ لاش کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ ریچھ نے شاہان پر حملہ کر دیا۔ اور شاہان کو اپنے بازو میں جکڑ لیا۔ وہ اسے زور سے بھینچنے لگا۔ تاکہ شاہان کا دم گھٹ جائے۔ اور اس کی پسلیاں کڑ کڑا کر ٹوٹ جائیں۔ مگر الٹا شاہان نے ریچھ کو دبانا شروع کر دیا۔ آدم خور ریچھ کا سر چکرا گیا۔ اس نے ایسا انسان ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس میں تو ریچھ سے ہی کئی گنا زیادہ طاقت تھی۔ ریچھ نے شاہان کے جسم کو اپنے تیز ناخن سے چیر پھاڑنے کا عمل شروع کر دیا۔ لیکن اس کے تین ناخن شاہان کے فولاد جیسے جسم سے ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ ریچھ اتنا بڑا تھا کہ اس کا سارا جسم شاہان کے بازوؤں میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ریچھ کی ٹانگ میں اپنی ٹانگ اڑا کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ریچھ دھم کی آواز سے پیٹھ کے بل زمین پر چت گر پڑا۔

شاہان نے اپنا ترشول ریچھ کے پیٹ میں گھونپ کر اسے زور سے اوپر کی طرف کھینچا۔ ریچھ کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ دوبارہ زمین سے نہ اٹھ سکا۔ شاہان نے ریچھ کی کھال کے ساتھ ترشول پر لگا ہوا خون صاف کیا۔ اور اپنے سفر پر آگے روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے پہاڑوں میں شاہان کو رات ہو گئی۔ چھا گیا۔ شاہان کو دور ایک مکان میں روشنی نظر آئی۔ رف آیا کہ رات بسر کر سکے۔ اور دوسری صبح پھر سفر ہو۔ جب سے ناگنی کی لاش رکھنے کی ذمہ داری اس ی۔ وہ بڑا محتاط ہو گیا تھا۔ اور رات کو سفر نہیں کرتا تھا۔ کے قریب آ کر اس نے دیکھا کہ ایک ٹوٹا پھوٹا سا کا ڈھلانی چھت والا مکان ہے۔ جس کے بند ے پر دیا جل رہا تھا۔ شاہان نے دروازے پر آہستہ دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ شاہان نے ر دستک دی وہی خاموشی چھائی رہی۔ یا اللہ اگر کے اندر کوئی نہیں ہے تو پھر یہ مکان کے باہر کس نے ا رکھا ہے۔ اس علاقے میں آج سے سو برس پہلے تھا کہ لوگ رات کو مکانوں کے باہر دیا جلا دیا کرتے تاکہ رات کے وقت پہاڑ میں سفر کرنے والے روں کو راستہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

شاہان نے ایک بار پھر دروازہ بجایا اور ساتھ ہی ی دی۔ دروازہ کھولو میں مسافر ہوں۔ رات کو سخت ی ہو گئی تھی۔ برفانی ہوا چل رہی تھی۔ اگرچہ شاہان کو تو ی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر ناگنی کی لاش کے لئے اتنی سردی ٹھیک نہیں تھی۔ جب تیسری بار آواز دینے پر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو شاہان نے دروازے کو ے سے دھکا دیا۔

ایک چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ شاہان لا گیا۔ عام پہاڑی تبتی مکانوں کی طرح یہ مکان بھی ن سے پانچ فٹ اونچے چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ اور ے کے باہر چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ اندر دو کمرے تھے۔ چھوٹا اور ایک ذرا کھلا تھا۔ باورچی خانہ بھی تھا۔ جہاں ت کے ساتھ لہسن پیاز اور خشک مچھلی کے گچھے لٹک رہے ۔ کونے میں سیل کی چربی کا کپا پڑا تھا۔ کمرے میں فرش اس پھونس کا گدا بچھا ہوا تھا۔ کونے میں بہت بڑا لحاف ا ہوا تھا۔ اندر روشنی نہیں تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس مکان ہنے والے ابھی ابھی کہیں گئے ہیں۔ شاہان نے دو بار آوازیں دیں کہ اگر کوئی ہے تو سامنے آئے۔ مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شاہان گدے پر کونے میں لیٹ گیا۔ اس نے ناگنی کی کٹی ہوئی لاش کو رومال سے نکال کر اپنے سامنے کھول کر دیکھا۔ اور زخموں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ناگنی سانپ کی شکل میں ٹکڑوں میں کٹی ہوئی پڑی تھی۔ دونوں کٹے ہوئے ٹکڑوں کے زخم جم کر نیچے پڑ گئے تھے۔ سانپ کی آنکھیں آدھی بند تھیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ سو رہا ہو۔

شاہان کی آنکھوں میں ناگنی کو یاد کر کے آنسو آ گئے اس نے لاش کو دوبارہ رومال میں اچھی طرح سے لپیٹا اور اپنی کمر کے گرد اچھی طرح باندھ کر آنکھ بند کر لی۔ وہ جب چاہتا اسے نیند آ جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شاہان سو گیا۔ اسے سوئے ہوئے دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے۔ کہ مکان کے اندر ایک عورت اور مرد داخل ہوئے۔ عورت سسکیاں لے رہی تھی۔ اور غم کے مارے اس کا برا حال تھا۔ مرد اسے تسلی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ انہوں نے اپنے مکان میں ایک غیر مرد کو سوتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو کر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ”یہ کون اجنبی ہے؟“ مرد نے پوچھا۔ پھر اس نے شاہان کو جگایا۔ اور پوچھا کہ وہ کون ہے۔ شاہان نے بتایا کہ وہ مسافر ہے۔ رات کو مکان کے باہر روشنی دیکھ کر رات بسر کرنے آ گیا۔ عورت رو رہی تھی شاہان نے پوچھا۔ بہن تم کیوں رو رہی ہو۔

مرد نے بتایا کہ بھائی کیا بتائیں اس علاقے میں ایک بلا رہتی ہے۔ جو ہر ماہ آ کر ایک بچے کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ آج ہمارے بچے کی باری تھی۔ ہم ابھی ابھی اپنا اکلوتا بیٹا یانگ کو اس بلا کے حوالے کر کے آ رہے ہیں۔ عورت چیخ مار کر رو پڑی۔ میں اپنے بچے کے بنا زندہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے بھی اس بلا کے پاس جانے دو، اور عورت باہر کو بھاگی۔ مرد نے اٹھ کر اسے تھام لیا۔ اور واپس لا کر تسلیاں دینے لگا۔ ”یانگ کی ماں حوصلہ کرو۔ دیوتاؤں کو یہی منظور تھا۔ ہمارا بچہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔“

شاہان نے کہا۔ ”وہ بلا کہاں رہتی ہے۔ تم نے اپنا بچہ اسے کس جگہ دیا ہے۔“

مرد نے کہا۔ ”بھائی وہ بلا یہاں سے تھوڑی دور ایک پہاڑی غار میں رہتی ہے۔ قصبے والے ہر ماہ اپنا بچہ غار کے

باہر رکھ آتے ہیں۔ جیسے وہ بلا باہر آ کر لے جاتی ہے۔ کیا تم مجھے اس غار کا پتا بتلاؤ گے مرد نے چونک کر کہا۔ کیا تم بھی مرنا چاہتے ہو۔ شاہان بولا۔ نہیں میں تمہارے بچے کو اس بلا سے چھین کر واپس لے آؤں گا۔

عورت نے شاہان کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ خدا کے لئے میرا بچہ واپس لے آؤ میرا بچہ واپس لے آؤ۔" شاہان غار کا پتہ معلوم کر کے رات کے اندھیرے میں روانہ ہو گیا۔ عورت اور مرد مکان کے برآمدے میں کھڑے ہو کر شاہان کو پہاڑی راستے پر جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ شاہان ایک بر فانی ٹیلوں کا چکر کاٹ کر اس پہاڑے کے سامنے آ گیا۔ جس کے اندر وہ بلا رہتی تھی۔ اندھیرے میں اسے غار کا منہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شہان غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اسے عجیب سی بو محسوس ہوئی۔ جیسے کہ وہ کسی خونخوار درندے کے غار میں آ گیا ہو۔ شاہان کو صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں اس بلا نے اس بچے کو ہڑپ نہ کر لیا ہو۔ پھر وہ اس کی زندگی واپس نہیں لا سکتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا۔ کہ اے خدا بچے کو ہڑپ نہ کر لیا ہو۔

غار میں اندھیرا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد اسے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ شاہان کو بڑی خوشی ہوئی کہ بچہ ابھی تک زندہ ہے۔ وہ غار میں بڑی تیزی کے ساتھ اندر کی طرف بھاگا۔ آواز اس پتھر کی چار دیواری کی جانب سے آ رہی تھی۔ شاہان پتھر کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف آ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ غار میں ایک کھلی جگہ پر پتھر کے چبوترے پر دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں بچہ رسی سے بندھا چبوترے پر پڑا تھا۔ اور ایک لمبے لمبے بالوں والی بلا اس کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ یہ ایک بہت بڑے بن مانس جیسی بلا تھی۔ جس کے لمبے لمبے بازو زمین کو چھو رہے تھے۔ شاہان جلدی سے بلا کی طرف بڑھا۔ اور بچے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا بچے کی عمر تین سال کے قریب تھی۔ اور وہ رو رہا تھا۔ خوفناک بلا نے ایک انسان کو دیکھا تو بھیانک چیخ ماری اور شاہان پر حملہ کر دیا۔

شاہان اس حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس نے بلا کے تیز ناخنوں والے پنجوں کو اپنے سر پر آنے دیا۔ اور نیچے سے بلا کے پیٹ پر اتنے زور سے لات ماری۔ کہ وہ پرے جا کر گر پڑی۔ بلا ہنکارتی، گرجتی، غراتی ہوئی اٹھی۔ شاہان کو اس نے دونوں ہاتھوں میں لے کر پوری طاقت فرش پر پٹخ دیا کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس کی ہڈیاں سرمہ بن چکی ہوتی۔ مگر شاہان فوراً اٹھا۔ اور اس نے بلا کا ایک لمبا بازو اپنی گرفت میں لے کر اسے اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ بازو اس سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ بلا کے حلق سے لرزا دینے والی چیخ بلند ہوئی۔ بچہ خوف کے مارے شاید بے ہوش ہو گیا۔ بلا نے ایک ہاتھ سے بھاری پتھر اٹھا کر شاہان کے سر پر دے مارا۔ پتھر شاہان کے سر پر لگ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر شاہان نے بلا کا دوسرا بازو بھی الگ کر دیا۔ بلا سفید بال اس کے اپنے ہی خون سے سرخ ہو گئے۔ اور وہ بری طرح تڑپنے لگی۔ اس کی بھیانک چیخوں سے غار کی دیواریں تک گونج رہی تھیں۔ شاہان نے ایک اور حملہ کر دیا۔ اور بلا کی ایک ٹانگ کو پکڑ کر اسے ہوا میں چکر دینا شروع کر دیا۔ اور پھر پورے جوش کے ساتھ سامنے والی دیوار سے ٹکرا دیا۔

خوفناک بلا کا سر پاش پاش ہو گیا۔ وہ مر گئی شاہان نے بے ہوش بچے کو گود میں اٹھایا اور غار سے باہر آ گیا۔ اس نے غم کے مارے ماں باپ کو جب ان کا بچہ واپس لا کر دیا تو وہ خوشی سے ان کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ وہ بار بار اپنے بچے کو چوم رہے تھے۔ مرد تو شاہان کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ عورت شاہان کی بلائیں لینے لگی۔ بھائی تم دیوتا ہو۔

تم میرے بچے کو موت کے منہ سے نکال کر لائے ہو۔ میں تمہارا احسان ساری زندگی نہ بھولوں گی۔

شاہان نے کہا کہ میں نے بلا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ تم لوگ غار میں جا کر اس کی لاش لا سکتے ہو۔ اب وہ کبھی تمہارے قصبے پر حملہ نہیں کرے گی۔ دونوں میاں بیوی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک سانولا سا دبلا پتلا نوجوان اتنی خوفناک بلا کو ہلاک کر سکتا ہے۔ شاہان کو عورت نے کھانا کھلایا۔ اور قہوہ لا کر دیا۔ دوسرے روز دونوں نے شاہان کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ شاہان نے ان دونوں سے ناگ مندر کو جانے کا راستہ معلوم کیا۔

سات روز کے بعد برفانی راستوں کے سر کرنے کے بعد شاہان ناگ مندر کے قریب پہنچ گیا۔ صبح صبح اسے دور سے سورج کی روشنی میں سفید پہاڑوں کے دامن میں ناگ مندر کے نگینے مینار دکھائی دیئے۔

جس کے سنہری کلس دھوپ میں چمک رہے تھے۔ شاہان خدا جانے ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد اس مندر میں واپس آ رہا تھا۔

اسے وہاں کی کوئی شے یاد نہیں تھی۔ مندر بھی بہت بدل چکا تھا۔ وہ پہاڑوں کے درمیان ایک چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ اس چڑھائی کے اوپر جا کر ناگ مندر آ جاتا تھا۔ دوپہر کے وقت وہ مندر کے بڑے دروازے کے سامنے آ کر رک گیا۔ دور دروازے سے آئے ہوئے کچھ لوگ اور بھی تھے جو کہ ناگ مندر کی یاترا کرنے آئے ہوئے تھے۔ شاہان ایک سادھو کے روپ میں تھا۔ سر کے بال اس نے ناگ مندر میں آتے ہی ایک بار پھر منڈوا لیے تھے۔ جسم کے گرد سیاہ کمبل لپیٹ رکھا تھا۔ ہاتھ میں ترشول تھا۔ چونکہ وہ نوجوان تھا۔ اور خوبصورت بھی تھا۔ اس لئے باہر سے آئے ہوئے یاتری اس کی طرف کھنچنے لگے۔ شاہان ناگ مندر سے ذرا فاصلے پر ایک ٹیلے کے دامن میں آگ یعنی سادھی جما کر بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے آگے اناج۔ پھل پیسے وغیرہ رکھنے لگے۔ شاہان کو کھانے کی حاجت نہیں تھی۔ وہ شام کو سارے پھل اور پیسے وغیرہ غریب لوگوں میں بانٹ دیتا تھا۔

مندر کے بڑے پجاری کو بھی خبر ہو گئی۔ کہ کہیں سے ایک خوبصورت نوجوان سادھو آیا ہے۔ جسے لوگ بہت دان کرتے ہیں۔ پجاری کو بہت غصہ آیا۔ کہ یہ اس کی آمدنی میں کون ڈاکہ ڈالنے آ گیا ہے کیونکہ سینکڑوں لوگ شاہان کو روپیہ پیسہ دے رہے تھے۔ اور مندر کی آمدنی میں کمی ہو گئی تھی۔ ایک روز پجاری خود بھیس بدل کر چپکے سے اس ٹیلے کے قریب گیا۔ جس کے دامن میں آگ جلائے شاہان خاموشی سے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کب موقع پا کر وہ ناگ مندر کے مقدس تالاب میں ناگنی کی لاش کی صندوقچی جا کر رکھے۔ ناگنی کی لاش رومال میں لپٹی اس کی کمر کے گرد بندھی ہوئی تھی۔ ابھی اس نے ایک صندوقچی کا بندوبست بھی کرنا تھا۔

بڑا پجاری خاموش کھڑا شاہان کو دیکھتا رہا۔ اس کے آگے روپے پیسے پھل کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ پجاری کو سخت غصہ آیا یہ ساری آمدنی اس کی تھی۔ جو شاہان کے آگے پڑی تھی۔ وہ واپس مندر میں آ گیا۔ آتے ہی اس نے اپنے خاص جاسوس اور خطرناک قاتل لانگ کو بلایا۔ لانگ خونی تھا۔ جو پجاری کے لئے ہر ہفتے ایک یاتری کو بہلا پھسلا کر مندر کے تہہ خانے میں لاتا تھا۔ جہاں پجاری اسے جادو کے زور سے جانور بنا کر اسے چھرے سے ہلاک کر کے اس کا خون پی جاتا تھا۔ لانگ نے پجاری کے سامنے آتے ہی کہا مجھے یاد فرمایا۔ لانگ کو اچھی طرح علم تھا۔ کہ پجاری ایک بہت بڑا جادوگر بھی ہے۔ اور وہ اسے جب چاہے جادو کے زور سے جانور بنا سکتا تھا۔ اس لئے وہ اس کا ہر حکم بجا لاتا تھا۔

پجاری نے اپنی ترچھی آنکھوں سے لانگ کو دیکھا۔ اور کہا تم اس نئے جوگی کو دیکھ رہے ہو۔ لانگ نے کہا۔ دیکھ رہا ہوں پجاری۔ اس کی وجہ سے ہماری آمدنی بہت کم ہو گئی ہے۔ پجاری نے کہا۔ لانگ میں جادوگر ضرور ہوں۔ میں انسان کو جانور بنا سکتا ہوں۔ مگر مجھے بددعا دی گئی ہے۔ کہ میں سونا چاندی نہیں بنا سکوں گا۔ اس لئے مجھے روپوں کی ضرورت رہتی ہے۔ مجھے دولت چاہئے۔ اور یہ خبیث جوگی میری آمدنی میں ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ لانگ نے سر جھکا کر کہا۔ میرے آقا آپ حکم کریں۔ میں اسے اٹھا کر ابھی یہاں لے آتا ہوں۔ پجاری بڑا چالاک آدمی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لوگوں کا رجحان جوگی کی طرف بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کا وہاں سے اٹھائے جانا مناسب نہ رہے گا۔ لوگ یہی کہیں گے کہ پجاری نے حسد کے مارے جوگی کو ہلاک کروا دیا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے لانگ سے پوچھا اس جوگی کا نام کیا ہے لانگ نے کہا۔ لوگ اسے شاہان جوگی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہوں۔ پجاری گہری سوچ میں ڈوب کر سوچنے لگا۔ لانگ بولا۔ آقا آپ اسے جادو کے زور سے جانور کیوں نہیں بنا دیتے۔ نہ رہے گا بانس اور نہ رہے گی بانسری۔ پجاری کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ لانگ یہ تو مشکل ہے۔ کہ میرا جادو کسی جوگی پر نہیں چل سکتا۔ ہمیں کچھ

اور ہی سوچنا چاہیئے۔ لانگ نے خوش ہو کر کہا۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔ پجاری نے کہا کہ وہ کیا۔

مہاراج کہ آپ اسے سارے لوگوں کے سامنے اسے چیلنج کریں۔ کہ اگر وہ سچا جوگی ہے۔ تو زمین کے اندر سات دن زندہ دفن ہو کر دکھائے۔ آپ بھی اس کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو جایئے گا۔ ظاہر ہے آپ تو جادو کے زور سے زندہ رہیں گے۔ اور وہ مر جائے گا۔ پجاری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اچھی ترکیب ہے میرے چیلنج کو اگر جوگی شاہان نے قبول نہ کیا تو ہم مشہور کر دیں گے کہ یہ جوگی جھوٹا ہے۔ لوگ اپنے آپ اس سے بدل ہو جائیں گے۔ ٹھیک ہی۔ ہم اسے کل ہی مقابلے کی دعوت دیں گے۔

دوسرے روز شاہان آگ جلائے اس کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اور غور کر رہا تھا کہ آج کسی وقت وہ کہیں سے صندوقچی حاصل کر کے ناگنی کی لاش کو ناگ مندر کے مقدس تالاب میں رکھ آئے گا۔ اس کے ارد گرد بہت سے لوگ ادب سے بیٹھے تھے۔ درمیان میں اناج پھل اور پیسوں کا ڈھیر لگا تھا۔ اتنے میں شور مچ گیا کہ ناگ مندر کا بڑا پجاری آ رہا ہے۔ لوگ ادب سے پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہان نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا ہٹا کٹا پجاری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ شاہان نے سوچا کہ یہ مصیبت ادھر کیا لینے آ رہی ہے۔ اس نے آنکھ بند کر لی۔ اور خاموش بیٹھا رہا۔ اتنے میں پجاری شاہان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ لوگوں یہ جوگی جھوٹا ہے۔ تم اسے دان مت دو۔ لوگوں میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

ایک بوڑھے آدمی نے کہا۔ مہاراج یہ جوگی سچا ہے۔ اور اپنے مگن میں ڈوبا رہتا ہے۔

لانگ نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ اگر یہ جوگی سچا ہے تو اسے کہو کہ ہمارے پجاری جی سے مقابلہ کرے۔ اگر یہ مقابلہ جیت گیا تو پھر ہم بھی اسے سچا جوگی مان لیں گے۔

شاہان نے دل میں کہا کہ یہ اسے کیا سمجھ رہا ہے۔ خواہ مخواہ اپنی بے عزتی کروانے آ گیا ہے۔ اس کی تو ایسی خبر لوں گا کہ یاد کرے گا۔ لوگوں نے شاہان کی طرف دیکھا۔ اور چپ ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ شاہان پجاری کے چیلنج کو قبول کرے۔ اور اس سے مقابلہ کر کے اپنے آپ کو مسیحا جوگی ثابت کرے۔ شاہان بھی سمجھ گیا کہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پجاری کی طرف دیکھ کر آواز کو بھاری بھرکم بنا کر بولا۔ "تم کس قسم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں۔ اس پر لوگوں نے زوردار نعرے لگائے۔

لانگ نے پجاری کی طرف دیکھا پجاری نے اسے مقابلہ کی شرط بتانے کا حکم دیا۔ لانگ نے کہا۔ زمین میں دو قبریں کھودی جائیں گی۔ ایک قبر میں تم دفن ہو گے۔ دوسری قبر میں پجاری مہاراج دفن ہوں گے قبر بند کر دی جائے گی۔ اور اوپر پہرہ بیٹھا دیا جائے گا۔ سات روز کے بعد قبر کھودی جائے گی۔ اگر تم بھی پجاری کی طرح زندہ رہے تو تمہیں ناگ مندر کی کوٹھڑی میں رہنے کی اجازت ہو گی۔ کیا تم تیار ہو؟"

شاہان کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اس نے کہا کہ میں تیار ہوں لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں لانگ اور پجاری بڑے خوش ہوئے۔ ان کے خیال میں جوگی شاہان ان کے جال میں پھنس گیا تھا اس وقت پتھریلی زمین کھود کر ساتھ ساتھ حد گہری قبریں کھود دی گئیں دونوں قبروں میں پجاری اور شاہان اتر گئے اندر لیٹنے کے لئے جگہ بنا دی گئی تھی۔ ایک قبر میں شاہان اور ایک قبر میں پجاری اتر کر لیٹ گئے۔ اس وقت اوپر پتھر کی سلیں رکھ کر قبریں بند کر دی گئیں۔ پھر اوپر سے گارا مٹی لیپ کر قبروں کے سوراخ بند کر دیئے گئے۔ تاکہ ذرا سی ہوا نہ جا سکے۔

شاہان قبر کے اندر بڑے آرام سے جا کر لیٹ گیا۔ اس نے اپنے اوپر نیند طاری کر لی۔ اب وہ ایک ماہ تک سو سکتا تھا۔ دوسری قبر میں پجاری نے جادو کے زور سے اپنے آپ کو خواب کی دنیا میں پہنچا دیا۔ اور گہری نیند سو گیا۔ باہر پہرہ بیٹھ گیا تھا۔ لوگ ٹولیاں بنا کر وہاں بھجن گانے لگے۔

ایک دن، دو دن، تین دن، اور پھر سات دن گزر گئے۔ عین وقت پر لانگ اپنے آدمی کو لے کر مندر سے نکلا۔

اور قبروں کے پاس آ گیا۔ وہاں لوگوں کا ہجوم جمع تھا۔ لوگ ڈھول بجا رہے تھے۔ اور نعرے لگا رہے تھے۔ سب سے پہلے پجاری کی قبر کھودی گئی۔ پجاری بالکل ٹھیک حالت میں کپڑے جھاڑ کر باہر نکل آیا۔ لانگ نے نعرہ لگایا لوگوں نے پھر خوشی سے نعرے لگائے۔ اور ڈھول بجائے۔

اب لانگ کے اشارے پر شاہان کی قبر کھودی جانے لگی۔ وہاں خاموشی چھا گئی۔ ہر کوئی شاہان جوگی کو زندہ حالت میں دیکھنے کو تیار تھا۔ لانگ کو یقین تھا کہ اندر سے شاہان جوگی کی پھولی ہوئی لاش ہی ملے گی۔ قبر سے جب سل ہٹا کر نیچے دیکھا گیا تو شاہان زندہ تھا۔ وہ اٹھا اور کمبل جھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ لوگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ڈھول پیٹ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ لانگ اور پجاری کے دلوں پر اوس پڑھ گئی۔ وہ سخت ناامید ہوئے۔ اور حیران بھی کہ یہ شخص سات روز قبر کے اندر کیسے زندہ رہا۔

لانگ نے پجاری کے کان میں کہا۔ مہاراج اس کے پاس بھی کوئی جادو ہے۔

پجاری بولا۔ فکر نہ کرو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس پر دوسرے طریقے سے حملہ کروں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی مکار پجاری تالی بجا کر مسکراتے ہوئے۔ شاہان کی طرف بڑھا۔ اور اسے سینے سے لگا کر بولا۔ شاہان تو سچا جوگی ہے۔ میں جانتا تھا کہ میرے ناگ مندر میں کوئی جھوٹا جوگی نہیں آ سکتا۔ پھر اس نے شاہان کا ماتھا چوم کر کہا۔ میرے ساتھ مندر میں چلو۔ آج سے تم ناگ دیوتا کے مہمان بن کر رہو گے۔

شاہان بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح اس کو ناگ مندر کے اندر کوٹھڑیوں تک جانے کا موقع مل جائے۔

جہاں خاص خاص جوگیوں کو اندر جانے کی اجازت مل سکتی تھی۔ وہ مقدس تالاب مندر کے اندر ہی تھا۔ جہاں شاہان نے ناگنی کی لاش کی صندوقچی رکھنا تھی۔ اس نے پجاری کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"میں آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں ناگ مندر کے قریب رہ کر عبادت کرنا پسند کرتا ہوں۔" پجاری نے شاہان کو ساتھ لیا۔ اور مندر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ لانگ اس کے ساتھ تھا۔ ناگ مندر بہت بڑا مندر تھا۔ اس کے درمیان میں ایک تالاب تھا۔ اس تالاب میں پھول تیر رہے تھے۔ تالاب کے پیچھے مقدس چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں۔ جہاں خاص خاص جوگی لوگ آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ برآمدوں میں سنگ مرمر کا فرش تھا۔ سیاہ پتروں کے ستونوں پر مندر کی دوسری منزل کھڑی تھی۔ اس منزل کی چھت کے اندر سونے چاندی کے سانپ بنے ہوئے تھے۔

درمیان میں بڑا ہال کمرہ تھا۔ جس کے ایک چبوترے پر ایک بیٹ بڑے کالے ناگ کا بت بنا ہوا تھا۔ جس نے اپنا پھن اٹھا رکھا تھا۔ یہ ناگ دیوتا تھا اس کے دائیں بائیں قطار میں کتنے ہی پتھر کے سانپوں کے بت بنے ہوئے تھے۔ ناگ دیوتا کے عین اوپر سونے کا تاج لگا ہوا تھا۔ ناگ دیوتا کی دونوں آنکھوں میں دو سرخ یاقوت جڑے تھے۔ جو بڑے قیمتی تھے۔ اس کے آگے ایک چھوٹا سا حوض تھا جو کہ خالی تھا۔

ہر چاند کی پہلی تاریخ کو اس حوض میں بیس بکروں کو قربان کر کے سانپ کے بت کو اس کے خون سے نہلایا جاتا تھا۔ اس کے بعد زندہ سانپوں کو اس حوض میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ساری رات یہ سانپ ایک دوسرے سے جنگ کرتے۔ صبح جو سانپ بچ جاتے ان کو ناگ دیوتا کے قدموں میں بنے ہوئے سوراخوں میں رہنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ ایک مہینے کے بعد یہ سانپ لوگوں میں فروخت کر دیئے جاتے اور پھر چاند کی پہلی تاریخ کو نئے سانپ پکڑ کر لائے جاتے تھے۔

شاہان کو ایک کوٹھڑی دے دی گئی۔ اس نے اپنا بستر اندر لگا لیا۔ پجاری اور لانگ اس سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ شاہان نے دروازہ بند کرتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ناگنی کی لاش کو رومال سے نکال کر اسے غور سے دیکھا۔ اور پھر سے کوٹھری کے کونے میں پڑے ایک صندوق کے پیچھے چھپا دیا۔ اب اسے صرف ایک صندوقچی کہیں سے پیدا کرنی تھی۔ اور پھر ناگنی کی لاش کو تالاب کے اندر لے جا کر رکھ دینا تھا۔ ناگنی نے ایک بار شاہان سے کہا تھا۔ شاہان اگر میں دو ٹکڑے ہو کر مر گئی تو یاد رکھنا میرے جسم سے تیز شعاعیں نکلنا

بند ہو جائیں گی۔ زمین کے اندر اور باہر کے سارے سانپ کو میرے بارے میں کوئی خبر نہ مل سکے گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔

پہلے ناگنی زندہ حالت میں اس مندر میں آئی تھی۔ تو یہاں کے سانپ اس کی تعظیم کرنے آئے تھے۔ اب چونکہ وہ مر چکی تھی۔ اس لئے کس کو پتہ نہ چل سکا تا۔ کہ ناگنی کی لاش اس مندر کی ایک کوٹھڑی میں پڑی ہے۔

دوسری طرف مکار پجاری نے شاہان جوگی کو ہلاک کرنے کے لئے نئے نئے طریقوں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

لانگ نے کہا۔ "مہاراج آپ اپنا جادو اس پر ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے وہ جانور بن جائے۔"

پجاری نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ نہیں لانگ اس پر ہمارا جادو نہیں چلے گا۔ اگر وہ سات دن زمین کے اندر رہ کر زندہ باہر نکل سکتا ہے۔ تو پھر اس پر ہمارا جادو اثر نہیں کرے گا۔

لانگ نے پوچھا پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔ شاہان جوگی اگر زندہ رہا تو آپ کے لئے خطرہ بن جائے گا۔ لوگ اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور آپ کی عزت گھٹ جائے گی۔ ہو سکتا ہے ایک دن لوگ اسی کو ناگ مندر کا پجاری بنا دیں۔ خاموش پجاری سرخ سرخ آنکھیں نکال کر لانگ کو جھاڑتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا میں تبت کے سارے جادوگروں کی مدد لوں گا۔ اور شاہان جوگی کو جلا کر مار ڈالوں گا۔"

لانگ خاموش ہو گیا۔ پجاری پریشانی کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ اس نے اپنے شاندار گھر پر پراسرار کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ انتظار کرو میرا اور اس بار وار خالی نہیں جائے گا۔ اور پجاری نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔ لانگ مندر کے بڑے کمرے کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑا۔ راستے میں جو پجاری ملتا۔ وہ لانگ کو جھک کر سلام کرتا۔

ناگ مندر کے ارد گرد چھوٹی سی آبادی تھی۔ جہاں غریب لوگ رہتے تھے۔ اس آبادی میں ایک جولاہا بھی رہتا تھا۔ اس جولاہے کا صرف ایک ہی بچہ تھا اس کا نام مان تھا۔ مان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ وہ بڑا شرارتی لڑکا تھا۔ جب شاہان جوگی بن کر مندر کے باہر بیٹھا تھا تو مان اس کے پاس آ کر اس کے سامنے جلتے الاؤ میں سوکھی لکڑیاں لا کر ڈالا کرتا تھا۔ تا کہ آگ بجھنے نہ پائے۔ اور شاہان کو سردی نہ لگے۔ شاہان شام کو مان کو پھل اور پیسے بھی دیتا تھا۔ اب جب مان کو پتہ چلا کہ شاہان جوگی مندر کی کوٹھڑی میں چلا گیا ہے تو وہ ایک دن مندر کی دیوار پھاند کر کوٹھڑیوں کی طرف چھپ چھپ کر چل پڑا۔ چھوٹے بچوں کو اس طرف آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ پوجا کے وقت اپنے ماں باپ کے ساتھ آ سکتے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح شاہان کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھ شاہان کے لئے تازہ پھل بھی لایا تھا۔

شاہان کوٹھڑی کے اندر بیٹھا تھا۔ کہ مان دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ "ارے شریر تم یہاں بھی آ گئے۔"

"مہاراج میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ یہ لو پھل میری ماں نے دھو کر دیئے ہیں کھاؤ گے ناں۔"

"ضرور..... ضرور۔" شاہان نے پھل لے کر رکھ لیا۔ اور مان سے کہا۔ "بیٹا کیا تم نہیں جانتے کہ ناگ مندر میں چھوٹے بچوں کو پوجا کے وقت سے پہلے یا بعد آنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے اب تم چلے جاؤ۔ میں کل تم سے ملنے تمہارے گھر آؤں گا۔"

مان بولا۔ "آؤ گے نہ مہاراج میں اور میری ماں آپ کی راہ تک رہے ہوں گے۔ ہم آپ کے لئے کھیر پکا کر رکھیں گے۔"

"ہاں ہاں میں ضرور آؤں گا۔ اس وقت تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

مان نے بڑے ادب سے ہاتھ جوڑ کر شاہان کو نمستے کیا۔ اور مسکراتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ شاہان نے دروازہ بند کر لیا۔ مان برآمدے کے ستونوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا ناگ مندر کے پچھلے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ کہ ایک جگہ پر اس نے دالان میں چھلانگ لگائی کہ دوسری طرف نکل جائے گا۔ مگر وہاں اتفاق سے لانگ بیٹھا تھا۔ مان اس کے پاس ہی آ کر گرا۔ لانگ نے مان کو پکڑ لیا۔ کون ہو تم یہاں کیسے آ گئے۔ لانگ نے مان کو دبوچ لیا تھا۔

بے چارہ مان گھبرا گیا۔ کہنے لگا۔ میں تو ناگ دیوتا کے درشن کرنے آیا تھا۔

کمینے جولاہے کی اولاد ابھی تمہیں اس گستاخی کی سزا دیتا ہوں۔ اچانک لانگ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کیوں نہ اس بچے پجاری کو اس لڑکے کا تازہ خون پینے کو پیش کیا جائے۔ لانگ نے سوچا اور وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ چھوٹے بچے کا خون پی کر پجاری بڑا خوش ہو گا۔ اور اسے انعام دے گا۔ اس نے مان کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا رونے کی ضرورت نہیں، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ناگ دیوتا کے درشن کرواتا ہوں۔

مان نے اپنے آنسو پونچھ کر کہا۔ "شکریہ لانگ میں پھر کبھی درشن کر لوں گا۔ میری ماں میری راہ دیکھ رہی ہو گی۔"

لانگ آنکھیں نکال کر گرجا۔ نادان ناگ دیوتا کی بے عزتی کرتا ہے چل پہلے درشن کر، مان نے سوچا کہ چلو درشن بھی کر لیتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑے گا۔ وہ لانگ کے ساتھ ہو لیا لانگ اسے لے کر برآمدے سے گزر کر ایک جگہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ جو زمین کے اندر جاتی تھیں۔ مان گھبرا لیا اور بولا ناگ دیوتا کا بت تو مندر کے اوپر والی منزل پر ہے۔ بکواس بند کرو۔ اور چلو میرے ساتھ۔ اور لانگ نے مان کو بازو سے پکڑ کر تہہ خانے کی سیڑھیوں میں گھسیٹ لیا۔

اب مان کا دل دھڑک اٹھا۔ اسے اپنے ارد گرد خطرہ منڈلاتا دکھائی دیا۔ لیکن وہ ہٹے کٹے لانگ کی گرفت میں تھا۔ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ لانگ اسے سیڑھیوں پر دھکیلتا ہوا تہہ خانے میں لے گیا۔ جہاں گھپ اندھیرا تھا۔ لانگ نے اندھیرے میں ہی مان کو کونے کی طرف گراتے ہوئے کہا۔ خبردار اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کی اور لانگ تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے اوپر آ گیا۔ مان بیچارہ اکیلا رہ گیا۔ اور اندھیرے میں ڈر کے مارے اس کا برا حال ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ لانگ اسے اندھیرے تہہ خانے میں کیوں لایا ہے۔ وہ گھبرا گیا اور ڈر گیا۔ وہ اپنی ماں کو آوازیں دے کر رونے لگ پڑا مگر وہاں اس کی آواز سننے والی اس کی ماں نہیں تھی۔ اس کا باپ بھی نہیں تھا۔

اس کا کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ اور موت اپنے وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

لانگ سیدھا مندر کے بڑے پجاری کے پاس گیا۔ اور بتایا کہ اس نے ایک تر و تازہ شکار پکڑا ہے۔ پجاری نے ڈکار مارتے ہوئے کہا کون ہے وہ۔ لانگ نے کہا۔ بستی کے جولاہے کا بیٹا مان ہے۔ آپ اس ہفتے اسے بکرا بنا کر چٹ کر جائے۔ ایسا بچہ شاید پھر کبھی مندر میں آئے۔

پجاری کی باچھیں کھل گئی۔ ہونٹوں سے رال بہنے لگی۔ بولا شاباش تم میرے لئے بڑا اگڑا مال لائے ہو۔ مان کو میں بکرا بنا کر اس کا خون پی جاؤں گا۔ کہاں ہے وہ، لانگ نے کہا۔ اسے مقدس تہہ خانے میں بند کر دیا ہے۔ بہت اچھا کیا۔ پرسوں اماوس کی رات ہے۔ اسے ذبح کر دیا جائے گا۔

مان بیچارہ اندھیرے میں پڑا روتا رہا، اور اپنی ماں کو یاد کرتا رہا۔ پھر وہ روتے روتے تھک گیا اور اندھیرے میں ہی فرش پر لیٹ کر ہولے ہولے سسکیاں بھرنے لگا۔ اسے خبر ہی نہ تھی کہ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور ایک رات چھوڑ کر اسے ذبح کر دیا جائے گا۔

وہ رات بڑی خوفناک تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے تھے۔ ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔ مندر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شاہان آدھی رات کو ناگنی کی لاش لے کر کوٹھڑی سے باہر نکلا۔ ناگنی کا کٹا ہوا جسم اور ایک صندوقچی لے کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ صرف ایک ستون کے پاس تیل کا دیا روشن تھا۔ وہ مندر کے بڑے کمرے کے پیچھے سے ہو کر تالاب کے پاس آ گیا۔ یہاں تالاب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ کنارے کنارے پتھروں پر سانپ کی مورتیاں رکھی تھیں۔ شاہان نے تالاب کی سیڑھیاں اتر کر پانی میں غوطہ لگایا۔ وہ پانی کے اندر ہی اندر دور تک چلا گیا۔ اور ایک بڑے سے پتھر کے نیچے صندوقچی چھپا کر رکھ دی۔ اور پھر پانی سے باہر نکل آیا۔ اسے کسی نے پانی سے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کپڑے اتار کر نچوڑے اور پھر سے پہنے۔ وہ واپس اپنی کوٹھڑی کی طرف جا رہا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

شاہان جلدی سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا کیا دیکھتا ہے کہ مکار لانگ سیاہ چادر سے سر منہ لپیٹے چلا آ رہا ہے۔ وہ شاہان کے قریب سے گزر گیا شاہان نے سوچا کہ یہ آدھی رات کو کہاں جا رہا ہے۔ اس نے لانگ کا پیچھا کرنا

شروع کردیا۔ مندر کے برآمدے میں سے گزر کر لانگ اس دروازے کی طرف آ گیا۔ جہاں سے ایک راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ لانگ نے دروازے پر پہنچ کر اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا، شاہان تیزی سے ستون کے پیچھے ہوگیا۔

لانگ کو جب تسلی ہوگئی کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا تو وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر گیا۔ شاہان بھی اس سے تھوڑی دیر بعد سیڑھیاں اترنے لگا سیڑھیاں تہہ خانے کو جاتی تھیں وہاں اندھیرا تھا۔ مگر شاہان اس اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔

لانگ تہہ خانے میں آ کر کونے میں سوئے ہوئے بچے پر جھک گیا۔ شاہان نے اس بچے کو پہچان لیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اس کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ لانگ اس بچے کو یہاں کیوں لایا ہے۔ شاہان نے سوچا۔ اور اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ لانگ نے بڑے پجاری کی دی ہوئی جادو کی کیل جیب سے نکال کر مان کے بازو میں ٹھونک دی۔ تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک پل میں مان انسان سے بکرا بن گیا۔ اور میں میں کرنے لگا۔

شاہان نے ناگن کو تو انسان سے پرندہ اور درندہ بنتے دیکھا تھا۔

مگر اس بچے کو بکرا بنتے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ لانگ نے مان کو بکرا کیوں بنایا ہے۔

بکرے کو پکڑے ہوئے لانگ تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ اور سیدھا بڑے پجاری کی کوٹھڑی کی طرف چلا، شاہان برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

بڑے پجاری کی کوٹھڑی میں شمع روشن تھی۔ اور لوبان سلگ رہا تھا۔ لانگ بکرا لے جا کر پجاری کو پیش کردیا اور کہا۔ انسانی خون بکرے کی شکل میں حاضر ہے۔ مہاراج اسے شوق سے پی جائیں۔

پجاری نے جادو کی آنکھ سے بکرے کے اندر چھپے ہوئے انسانی بچے کو صاف دیکھ لیا تھا۔ پجاری کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک اُمڈ آئی۔ اس نے لانگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "شاباش لانگ تو نے شاگردی کا حق پورا ادا کر دیا ہے۔ فکر نہ کرو میں بہت جلد تمہیں اس مندر کا دوسرا بڑا پجاری بنا دوں گا۔" لانگ نے جھک کر کہا۔ "شکریہ پجاری جی آپ بس مجھے حکم دیں۔ تاکہ میں اس بکرے کو ذبح کر کے اس کا خون آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

"اجازت ہے۔ یہ لو چھری۔" بڑے پجاری نے اپنے لبادے کے اندر سے چمکتی ہوئی تیز دھار والی چھری نکال کر لانگ کو دے دی۔

شاہان ایک طرف چھپ کر کھڑا یہ سارا خونی تماشہ دیکھ رہا تھا۔ وہ معصوم بچے کی زندگی ہر حالت میں بچا لینا چاہتا تھا۔ کہ ایک غریب ماں باپ کا نورِ نظر کو وحشی درندے انسان کی بھینٹ نہ چڑھنے دوں گا۔" شاہان سامنے آ گیا اور بولا۔

"میں یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ تم کون ہو۔" پجاری نے گرج کر کہا۔ جب اس نے اپنے سامنے شاہان جوگی کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ تم تم یہاں کس طرح آئے۔"

لانگ نے کہا۔ "استاد آج اس کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پجاری نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "اس کو میرے جادو کا راز معلوم ہو گیا ہے۔ اسے میں ہلاک کر دوں لانگ۔"

شاہان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ اگر سو بار بھی پیدا ہو کر دنیا میں آ جاؤ تو مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔"

پجاری نے دیوار کے ساتھ رکھا ہوا نیزہ اٹھا لیا۔"

لانگ پہلا وار میں کروں گا۔ آج اس کا خون پینا ہے۔" اس کے ساتھ ہی لانگ نے شاہان کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔

شاہان نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی لانگ نے دوسرا وار کیا۔ شاہان ویسے ہی کھڑا رہا۔ لانگ نے تیسری بار خنجر شاہان کی گردن پر مار کر اس کا گلہ کاٹ کر رکھ دیا۔ مگر اب بھی شاہان پر کوئی اثر نہ ہوا اسے ہلکی سی خراش تک نہ آئی۔

(جاری ہے)

ڈارک فیکٹری

سید محمود حسن۔ کراچی

بزرگ کی بات سنتے ہی نوجوان نے اپنی اپنی لائٹیں جلالیں اور روشنی جب ڈریکولا نما عفریت پر پڑی تو وہ چیختے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا مگر اس کے جسم میں اچانک شعلے بھڑک اٹھے۔

جو کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے وہ بھیانک انجام کے حقدار ہوتے ہیں، سبق آموز کہانی

یہ پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑی ...ہاتی ندی تھی، آگے انڈسٹریل ایریا تھا۔ ظہور بھی ندی کے اس پار انڈسٹریل ایریا واقع ایک فیکٹری میں کام کرتا ...ا، ہمیشہ نائٹ شفٹ کو ترجیح دیتا تھا، اسے نائٹ ڈیوٹی ...ت پسند تھی۔ اور اسے یہ شارٹ کٹ والا راستہ جو کہ ...ں خشک اور برساتی ندی میں سے ہو کر گزرتا تھا، بہت ...ند تھا، کیوں کہ اگر وہ پل والا راستہ اختیار کرتا تو اسے بہت ٹائم لگ جاتا تھا، اور یہ راستہ تھا تو ناہموار اور اندھیرے سے پُر، لیکن بہت مختصر تھا۔

پل پر بنے ہوئے ایک کونے پر فٹ پاتھ پر ایک سفید داڑھی والا بزرگ بیٹھا ہوتا تھا۔ "بھائی لائٹ خرید لو، اندھیرے میں کام آئے گی، یہ نئی سولر سسٹم والی لیزر لائٹ ہے جو کہ دن میں چارج ہوتی ہے، سورج کی روشنی سے، اور آپ سے آسانی سے استعمال کر سکتے

ہیں، یہ تو بڑی ہی بہترین چیز ہے۔'' ظہور نے حیرت سے سوچا، اور پھر ایک لائٹ خرید لی۔ ''بیٹا، ندی کے اندر کے راستے سے نہ جایا کرو۔'' بزرگ نے اسے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''کیوں بابا، وہاں کوئی آسیب وغیرہ ہے کیا؟'' ظہور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہو بھی سکتا ہے۔'' بزرگ نے اسے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ارے بابا کچھ نہیں ہوتا، یہ آسیب پچھلے زمانے میں ہوتے تھے، اب سائنسی دور ہے، ایسی چیزیں نہیں ہوتی ہیں۔'' ظہور نے جواب دیتے ہوئے کہا، اور اپنی بائیک آگے بڑھادی۔

آگے ایک سیاہ لبادے والے شخص نے اسے ہاتھ دیا، بھائی جان ذرا لفٹ ملے گی، ظہور نے موٹر سائیکل آہستہ کی، نجانے کون ہے یہ، کہیں کوئی ڈاکو، یا لٹیرا نہ ہو، اس نے سوچا، پھر انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اس نے سوچا، ہوسکتا ہے کہ یہ شخص کسی فیکٹری میں کام کرتا ہو، اس نے بائیک روک دی،

''ہاں میں ڈارک فیکٹری میں کام کرتا ہوں۔'' جب وہ آدمی بولا تو ایسا لگا کہ کوئی روبوٹ بول رہا ہو، عجیب سی سرد اور سفاکی سی اس کی آواز میں تھی۔ ''کس چیز کی فیکٹری ہے۔'' ظہور نے حیرت سے پوچھا۔ ''بلیک انک، بلیک موزے، اور بلیک بوتلیں بنتی ہیں، یہ تھوڑا آگے جا کر فیکٹری ہے۔''

میرا نام ڈارکو ہے۔ ''عجیب سا نام ہے۔'' اس نے فقط گردن ہلائی اور آہستہ سے بولا۔ وہ موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھ گیا، ظہور کو عجیب سا احساس ہو رہا تھا، کہ یہ نجانے کون ہے، وہ خشک ندی کے درمیان میں رک گیا، بھائی ذرا روکو، میری فیکٹری آگئی ہے۔ ''لیکن یہاں تو کوئی فیکٹری نہیں ہے۔'' ظہور حیرت سے بولا، ہے۔

''ابھی نئی بنی ہے، وہ سامنے دیکھو۔'' جیسے ہی اس نے سامنے اشارہ کیا تو ایک عمارت اسے نظر آنے لگی، بڑی حیرت کی بات ہے، بھلا ندی کے درمیان فیکٹری کس نے بنا دی، بے شک یہ خشک اور برساتی ندی ہے، لیکن جب طوفانی بارشیں ہوتی ہیں تو پہاڑوں اور ندی نالوں کا سارا پانی اس میں جمع ہو جاتا تھا، اور پھر کوئی انسان اس میں سے اس وقت تک نہیں گزر سکتا تھا جب تک پانی اتر نہ جائے اور بالکل خشک نہ ہو جائے، اور یہاں پر اچانک کسی فیکٹری کا نمودار ہو جانا بہت ہی حیرت کی بات تھی۔

بہرحال وہ شخص موٹر سائیکل سے اتر گیا، اور عمارت کی طرف چل پڑا، اور عمارت کے گیٹ کے اندر داخل ہو گیا، پھر تقریباً ایسا ہوا کہ وہ شخص اسے روز ہی ملنے لگا، اور بات چیت ہونے لگی۔ ''یہ فیکٹری نئی بنی ہے، ہمارے باس مسٹر کیلوڈر بیرون ملک سے یہاں آئے ہیں اور نوجوانوں کے لئے یہ فیکٹری قائم کی ہے، تنخواہ بہت اچھی ہے، اور بونس بھی، ہر ماہ، یعنی تقریباً مجھے ہی ایک لاکھ روپے مہینہ ملتا ہے۔'' اس شخص نے پراسرار انداز میں کہا۔ ''ارے مجھے تو اتنی محنت کے باوجود صرف تیس ہزار روپے مہینہ ملتا ہے، کیوں نہ میں بھی اسی فیکٹری میں ملازمت کرلوں۔''

''ہاں ہاں میں تمہارے لئے بات کروں گا، باس سے۔'' ڈارکو نے کہا۔ ''اور کوئی تمہارا دوست ہو جو کہ بے روزگار ہو یا کم تنخواہ ہو، اسے بھی لے آنا۔'' ''ہاں میرا ایک دوست امجد ہے، وہ آج کل بے روزگار ہے، اسے میں کل لے آؤں گا۔''

دوسرے دن جب وہ ندی کے اوپر بنے پل کے کنارے پر پہنچے تو وہی بوڑھا شخص جو کہ چار جنگ لائٹس بیچ رہا تھا۔ ''ارے بھئی چار جنگ سولر لیزر لائٹ لے جاؤ، بہت کام آئے گی، ایک پر ایک فری۔''

''ارے لگتا ہے، بابا جی نے کوئی نئی اسکیم نکالی ہے۔'' ظہور نے امجد سے بات کرتے ہوئے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اور اس نے دو لائٹیں اس بابا جی سے لے لیں، ایک اس کے پاس اور دوسری امجد کے پاس۔

اور اسکے بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر ندی کے شارٹ کٹ والے راستے میں داخل ہو گئے، وہی پراسرار شخص ڈارکو وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اچھا ہوا تم آگئے، میں نے تمہارے لئے اپنے باس مسٹر کیلوڈر سے بات کر

لی ہے، تم میرے ساتھ چلو، میں تمہیں فیکٹری میں لگوا دوں گا۔ یہ تمہارا دوست ہے، ویسے بھی ہمیں نئے نوجوانوں کی ضرورت ہے، مسٹر ڈارکو نے کہا۔

آج حیرت انگیز طور پر اس نے دیکھا کہ اس اجنبی نے جس نے اپنا نام ڈارکو بتایا تھا، ایک بلیک کلر کی کار لے کر کھڑا ہوا تھا، وہ اندھیری رات میں سیاہ لبادہ پہنے، بڑا ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ ''ارے آپ کے پاس کار کہاں سے آگئی۔''

''ارے حیران نہ ہوں مجھے نئی گاڑی مسٹر کیلوڈر نے جو کہ ہمارے باس ہیں دی ہے۔ بائیک یہیں چھوڑ دو، اور کار میں بیٹھو۔'' دونوں دوست کار میں بیٹھ گئے اور جلد ہی فیکٹری کے دروازے تک کار پہنچ گئی۔

باس کیلوڈر جس نے ایک سیاہ لبادہ اوڑھ رکھا تھا، سر پر عجیب سا ہیٹ تھا، ہر طرف زیرو کے بلب روشن تھے، اور ایک عجیب سی تاریکی تھی۔ ''سر یہاں روشنی کیوں نہیں ہے، ہمیں روشنی پسند نہیں ہے۔''

باس کیلوڈر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہمارا ہر کام اسی تاریکی میں ہوتا ہے۔ ہم بلیک انک، بلیک شوز، بلیک موزے، اور بہت سی بلیک چیزیں بناتے ہیں۔'' امجد اور ظہور اس باس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''دیکھو بھئی میں زیادہ سوالات جوابات کا عادی نہیں ہوں، بس یہ ہمارا آدمی ڈارکو تم سے مطمئن ہے، اور میں نے بھی تمہیں دیکھ لیا ہے، تم دونوں ہی مجھے صحتمند اور محنتی نظر آتے ہو۔'' اس نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا، اور دونوں دوستوں کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ ''مسٹر جونیئر انہیں کام پر لگا دو۔'' اور ایک اور سیاہ لبادے والا شخص جس کی نوکیلی مونچھیں تھیں، چہرہ بہت بڑا تھا، جیسے کے کوئی ڈریکولا ہو۔ وہ شخص انہیں لے کر آگے چل دیا، کہیں عجیب وغریب قسم کی مشینیں چل رہی تھیں، اور کالی بوتلیں، بن رہی تھیں تو کہیں، سیاہ لبادے والے لوگ گھومتے ہوئے نظر آئے۔

یہ اندھیرا ابھی کتنا اچھا ہے، ڈارکو اس کے ساتھ چلتا ہوا گاتا ہوا چل رہا تھا۔ ''یہ کیسا پاگل انسان ہے، اسے اندھیرا اور تاریکی کیوں پسند ہے۔'' ظہور کا ذہن مسلسل سوچ جا رہا تھا، دوسرے کالے لبادے والے افراد بھی میشینی انداز میں چلتے ہوئے نظر آئے، کوئی کہہ رہا تھا، تاریکی ہماری جان ہے، اندھیرا ہماری شان ہے، سب کورس کے انداز میں گا رہے تھے۔

''یار امجد مجھے لگتا ہے کہ ہم کسی شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں، یہ سب لوگ آسیب ہیں یا ڈریکولا تو نہیں۔'' ظہور نے امجد سے کپکپاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب کیا کریں، مجھے لگتا نہیں کہ ہم لوگ آسانی کے ساتھ یہاں سے نکل سکیں گے۔'' ظہور افسردہ لہجے میں بولا۔

سارے کالے لبادے والے ڈریکولا چاروں طرف سے ظہور اور امجد کی طرف بڑھنے لگے، ہاہاہا، اب ہم ان دونوں کا خون پئیں گے، تازہ تازہ خون، بڑے عرصے سے ہمیں ہماری خوراک نہیں ملی ہے۔'' ٹیبل پر بہت سے افراد لیٹے ہوئے تھے، جیسے سو رہے ہوں، اور ان کالے لبادے والوں کے دو نوکیلے دانت نمودار ہو گئے تھے، اور وہ ان کا خون پی رہے تھے، کسی نے گردن میں دانت گاڑے ہوئے تھے تو کسی نے بازو میں۔ ''بس تھوڑا تھوڑا خون پیو، ابھی یہ ایک ہفتے اور زندہ رہیں گے، پھر ان کے جسم سے خون ختم ہو جائے گا اور یہ ہمارے لئے بالکل بیکار ہو جائیں گے۔ اور پھر دوسرے شکار، لوگوں کو روزگار کا جھانسا دے کر ڈارک فیکٹری میں لایا جائے گا۔'' ڈارکو نے جس کے اب دو نوکیلے دانت نمودار ہو گئے تھے، سفاک لہجے میں کہا۔

''ارے بھاگو، امجد یہاں سے بھاگو، یہ سب ڈریکولا ہیں، اور انسانوں کا خون پی رہے ہیں، اور تھوڑی دیر میں ہمارا بھی یہی حشر ہوگا۔ ظہور نے امجد سے چیختے ہوئے کہا، اور دونوں دوڑنے لگے، لیکن انہیں باہر کا راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک ظہور کو خیال آیا کہ، کیوں کہ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا، اس پر سے وہ پراسرار اور خوفناک ماحول، کیوں نہ لیزر لائٹ جلائی جائے، اور

آگے فیکٹری سے باہر جانے کا راستہ تلاش کیا جائے، جیسے ہی اس نے لیزر لائٹ جلائی، سامنے سے ایک مزدور آتا ہوا نظر آیا، اس نے بھی کالا لبادہ پہنا ہوا تھا، جیسے ہی لیزر لائٹ جو کہ سولر اسٹور ریچ بیٹری سے بنی ہوئی تھی، سفید روشنی نکلی، وہ مزدور جیسے لرزنے لگا۔

''ارے بند کردو اسے، کیا کر رہے ہو، لائٹ بند کردو، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے اسے گولی ماردی ہو، اور وہ بری طرح سے تڑپ رہا ہو۔''

''باس آرہے ہیں، باس آگئے۔'' سب ڈریکولا ڈرتے ہوئے پیچھے ہونے لگے، یہ مسٹر باس کیلوڈر تھے، ان کے پیچھے ان کا اسسٹنٹ جونیئر چل رہا تھا، وہ بھی ظاہر ہے ڈریکولا ہی تھا۔ اچانک دونوں کو اپنی زندگی بہت مختصر نظر آنے لگی، باس کیلوڈر جسکا قد بہت لمبا تھا، اور اسکا اسسٹنٹ جونیئر بھی اس سے تھوڑا ہی کم ہوگا، قد و قامت میں۔ ''آؤ ہمارے شکارو، ہم تمہارا افتتاح کریں گے۔'' دونوں کے نوکیلے دانت اندھیرے میں چمک رہے تھے۔

اچانک وہی بوڑھا جو ندی کے پل پر لیزر اور سولر لائٹیں بیچتا تھا، نجانے کہاں سے نمودار ہوگیا۔

''خبیث ڈریکولا، تمہارا آخری وقت آپہنچا ہے۔''

اب سارے ڈریکولا اسی بوڑھے کی طرف بڑھنے لگے۔ ''او بوڑھے تو ہمارا کچھ بھی نہیں کرسکتا، ہم تو تیرا بھی خون پی جائیں گے۔'' اس سے پہلے کہ تمام ڈریکولا بوڑھے کو قابو کرتے، بوڑھے نے اپنے کاندھے پر موجود بڑے سے تھیلے سے ایک سولر لائٹ نکالی اور اس کا رخ ڈریکولاز کی طرف کردیا، اور اس میں سے سفید رنگ کی تیز روشنی نکلی، اور ڈریکولاز میں جیسے طوفان آگیا ہو، بھاگو ایک آواز گونجی، ایسا لگ رہا تھا، کہ سولر لائٹ کی روشنی انہیں جلا رہی ہو، روشنی ہمارے لئے زہر ہے، باس مسٹر کیلوڈر جو کہ ایک ڈریکولا تھا، اپنی تیز آواز میں چیخا۔

''جلدی کرو، تم لوگ بھی اپنی لائٹیں جلادو۔''

بزرگ نے امجد اور ظہور کو چیختے ہوئے کہا۔ اور امجد اور ظہور نے اپنی ٹارچ نما لائٹیں کھول دیں، اور اب تین اطراف سے لیزر لائٹیں ڈریکولاز پر پڑ رہی تھیں۔ اور پھر سارے ڈریکولاز جیسے مختصر ہونے لگے، اور ان کے جسموں میں آگ لگ گئی اور وہ دھویں میں تبدیل ہوگئے، اور ڈارک فیکٹری میں جیسے زلزلہ آگیا ہو، اور تھوڑی ہی دیر میں چیخ وپکار کی آوازیں بھی آنا بند ہوگئیں، اور فیکٹری کی جگہ پر ایک ٹوٹی ہوئی عمارت تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔

''ارے یہ ڈارک فیکٹری کہاں چلی گئی۔'' ظہور نے حیرت سے پوچھا، اور اس کے پاس دوسرے افراد بھی نظر آئے جو کہ نہایت ہی کمزور نظر آرہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا ڈریکولاز خون پی رہے تھے، اور اگر انہیں ڈریکولاز کی قید سے رہائی نہ ملتی تو یہ ایک ہفتے میں واقعی مرجاتے۔ ان کے نام بھی ایسے ہی تھے، جیسے کہ ڈارکو، ڈریکولا سے ملتا جلتا تھا۔

''بھائی وہ سب شیطانی اور خبیث ڈریکولاز کی جادوگری تھی، کوئی فیکٹری نہیں تھی۔'' بزرگ نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو یہاں پر لوگوں کو لاکر خون پینے کا ذریعہ تھی۔''

''اگر ہم لوگ اس بابا جی کی مدد سے یہ سفید روشنی والی لیزر لائٹیں استعمال نہ کرتے تو ہم سب بے موت مارے جاتے۔''

''پر بابا جی آپ ہیں کون۔'' امجد نے حیرت سے پوچھا۔

''میرا نام عبدالقدوس ہے، اور ویسے تو میں آپ سب کا دوست ہوں، میرا کام یہاں پر ختم ہوگیا، لیکن میں آپ انسانوں میں سے نہیں ہوں۔'' یہ کہہ کر بابا عبدالقدوس ظہور اور امجد سے گلے ملے، اور تھوڑی دور چلنے کے بعد غائب ہوگئے، یہ بھی شاید کوئی نیک جن تھے، اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیئے جہاں ایک بھرپور زندگی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

چودھویں کی رات

مریم فاطمہ۔ کراچی

چودھویں کی رات تھی، چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے اپنا جلوہ دیکھا رہا تھا، ٹھیک دو گھنٹے بعد تین بھیڑیئے آنے والے تھے جو کہ بے بس نوجوان کو ہڑپ کرنے کے لئے اور پھر.....

بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی، دل و دماغ میں گھر کرتی وحشت ناک کہانی

ثینا کو شروع سے ماڈلنگ اور ایکٹنگ کا شوق تھا۔ اس لیے اس نے بڑے ہوکر یہ پیشہ اختیار کیا۔ کروڑوں لوگ اس کے دیوانے تھے۔ کتنے ہی لڑکے تھے جو اس سے شادی کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن وہ بہت مغرور تھی کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتی۔ لیکن سب دیکھتے کہ وہ ہر تھوڑے دن بعد اپنا میک اپ مین بدلتی اور اپنے نئے میک مین پر خاص طور سے مہربان ہوتی۔ نامعلوم اس کی کیا وجہ تھی۔

اس کا ایک میک اپ مین تھا میکس، میکس کو ثینا بے حد پسند تھی۔ وہ بڑے پیار سے اس کا میک اپ کرتا۔ یہ بات خود ثینا بھی محسوس کر رہی تھی کہ وہ اسے پسند کرتا ہے۔ وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھی کہ کب وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرے اور کب وہ اپنا شیطانی کھیل شروع کرے۔

مطلع صاف تھا۔ ٹینا شوٹنگ سے فارغ ہوکر اپنے گھر کی طرف جارہی تھی۔ کہ میکس کی متلاشی نظریں اس پر پڑیں، ”مس ٹینا اگر آپ برا نہ منائیں تو کیا ہم دونوں آئس کریم کھانے چل سکتے ہیں۔ وہاں میں آپ سے آٹوگراف بھی لوں گا۔“

”ہاں کیوں نہیں سویٹ ہارٹ بالکل چلتے ہیں۔ آئس کریم تو میری فیورٹ ہے۔ چلو چلیں۔“ اس نے ایک ادا سے اپنے بال جھٹکے اور میکس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اسے اپنی کار میں بٹھایا اور لے کر جانے لگی۔ ”میکس ایک بات تو بتاؤ تمہیں میں کیسی لگتی ہوں۔“

”میں آپ کا نمبرون فین ہوں۔“

”اب چلو بھی میکس یہ تو سب ہی کہتے ہیں۔ کچھ ہٹ کر بتاؤ۔“

”آپ بہت خوبصورت ہیں۔“

”ارے یہ بھی سب کہتے ہیں۔ تم کچھ نیا نہیں بتا سکتے۔ جیسا کہ اپنے دل کی بات۔“

”اپنے دل کی کیا بات کروں۔“

”کیوں دل کی بات کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ اصل بات ہونٹوں پہ لاتے ہوئے گھبراتے ہو۔ چلو بھی بتاؤ بتانا پڑے گا۔“

”میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

یہ سن کر ٹینا مسکرانے لگی۔ ”بالکل یہی بات تو میں تم سے کہنا چاہتی تھی۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔ چلو کیوں نہ آج آئس کریم پارلر جانے کی بجائے میں تمہیں اپنے باغ میں لے چلتی ہوں۔ وہاں پر ایک کمرہ بھی ہے۔ وہ کمرہ میرا فیورٹ ہے۔ اور جب تم وہاں رہو گے ناں تو وہ تمہارا بھی فیورٹ بن جائے گا۔ چلو آؤ۔“

”کیا سچ میں، ایسی بھی کیا بات ہے اس کمرے میں۔“

”یہ تو تم خود ہی دیکھ لینا۔ بس یوں سمجھ لو کہ تمہارے جیسے لوگوں کے آجانے سے وہاں پر کئی رنگ بکھر جاتے ہیں۔“

”ان میں کونسا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔“ میکس نے پوچھا۔

”سرخ رنگ۔“ پھر فوراً سے پیشتر سنبھل کر بولی۔ ”میرا مطلب پیار کا رنگ۔ اوہ چلو میرا باغ آ گیا۔“

”لیکن یہ تو پورا جنگل لگ رہا ہے۔“

”ارے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ حسین کمرہ جس میں تم اور میں آج کی یہ سہانی رات گزاریں گے اسی جنگل میں ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے یہ جنگل ہے نہیں بلکہ باغ ہے۔ تم اسے دن کی روشنی میں دیکھو گے تو بہت ہرا بھرا نظر آئے گا۔ اس وقت تو یہ درخت واقعی کسی کالی بلا سے کم نہیں لگ رہے۔“ پھر ٹینا میکس کو لے کر اندر جنگل میں داخل ہوگئی۔

آج سے کچھ دن بعد چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔

ٹینا غرور و تکبر سے گردن اکڑائے میکس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہی تھی۔ اسے کسی چیز کا ڈر نہیں تھا۔ لیکن میکس کو گھنے جنگل سے خوف آرہا تھا۔ لیکن ٹینا کی طرف وہ جب بھی دیکھتا تو اس کا خوف کہیں دور غائب ہو جاتا کیونکہ اس کے چہرے پہ بے حد اطمینان ہوتا۔ اور ایک نہایت پرکشش اور دلفریب مسکراہٹ ہوتی۔ ٹینا کی ان ہی اداؤں نے میکس کو اپنا دیوانہ بنادیا تھا۔ پھر آگے چل کر بیلوں میں لپٹا ہوا ایک لکڑی کا دروازہ آ گیا۔

”یہی ہے وہ کمرہ میکس چلو آؤ اندر چلتے ہیں۔“ وہ میکس کو لے کر اندر آ گئی۔ پھر بولی۔ ”کیسا لگا کمرہ میکس۔“

جج...... جی مس ٹینا بہت اچھا ہے۔ لیکن معاف کیجئے گا میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ پاؤں گا۔“

لیکن کیوں؟“

”آئی ایم سوری لیکن یہاں خون کی بو آرہی ہے۔ شاید کمرہ بند رہتا ہے اسی لیے اتنی عجیب بدبو ہے یہاں۔“

”اچھا چلو تم یہ پھول سونگھ کر دیکھو کتنی پیاری خوشبو ہے۔“ ٹینا نے اسے ایک جامنی رنگ کا پھول دیا۔ اس کو سونگھتے ہی میکس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کو اپنے سامنے چیزیں دو دو نظر آنے لگیں۔ چکر سے آنے لگے۔

”مس ٹینا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے مدد کے لئے ٹینا کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس نے لاپرواہی سے جھٹک دیا اور پیچھے کو ہٹ گئی۔ میکس چکرا کر اوندھے منہ فرش پر گرا تو ٹینا نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ اور پھر میکس کو زنجیروں سے باندھ دیا۔ ”اب پتا چلے گا تمہیں میکس کہ کس کی خوبصورتی پہ مرمٹے تھے تم۔“ اس کے ساتھ ہی ٹینا نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ کوئی 70 سالہ بوڑھی عورت لگ رہی تھی اور یہی تھی ٹینا کی اصل شکل۔ یہ تھا اس کا اصلی چہرہ۔ پھر وہ میکس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر میں میکس کو ہوش آیا۔ اس نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر خود کو زنجیروں میں بندھا ہوا پا کر بری طرح گھبرایا۔ ”مس ٹینا کیا یہ کوئی مذاق ہے۔ مجھے مذاق کرنے کی عادت نہیں ہے۔“

”اور ویسے بھی گھبراؤ مت تم تو ایک مرد ہو تمہیں بھلا ایک لڑکی سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”اچھا تو یہ ہے مشہور ماڈل اور اداکارہ ٹینا کا اصل چہرہ، شرم آتی ہے تم پر۔“ میکس نے طنز کیا۔

ہاہاہا...... ٹینا نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ بھلا کبھی میری اصل صورت میرا اصل چہرہ دیکھا ہے۔

آؤ تمہیں دکھاؤں سامنے آئینے میں دیکھو۔“

اتنا کہہ کر ٹینا آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

میکس نے آئینے میں اس کی جھلک دیکھی تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

”یہ کیا تت...... تم تو 60,70 سال کی بوڑھی ہوں۔“

”آؤ میں آج تمہیں پوری کہانی سناتی ہوں۔ آج سے پانچ سال پہلے میں اور میری سہیلیاں اس جنگل

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر منشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

میں ایک خاص عمل کرنے آئی تھیں تاکہ ہم ہمیشہ جوان رہیں مگر غلطی سے عمل الٹا ہوگیا۔ اور جانتے ہو ایسا کیوں ہوا کیونکہ تمہارے جیسا ایک بے قوف لڑکا ہمیں ماسک لگا کر ڈرانے آن پہنچا۔ اور یوں ہمارا سارا عمل خراب ہو گیا۔ اور اس کا الٹا اثر ہوا۔ میں بوڑھی ہوگئی۔ اب میں ہر تھوڑے عرصے بعد اپنے کسی میک اپ مین کو لے کر یہاں آتی ہوں۔ اور چاند کی چودھویں رات کو اسے بھیڑیوں کے آگے ڈال دیتی ہوں۔ اب میرے پاس خود کو زندہ اور جوان رکھنے کا یہی ایک واحد طریقہ ہے۔ ویسے بھی تم تو جانتے ہی ہو کہ میں ایک ماڈل ہوں۔ خوبصورت نظر آنا میرے لیے کتنا ضروری ہے۔"

"پلیز ٹینا مجھے یہاں سے جانے دو۔"

"جانے دوں گی لیکن تمہارے مرنے کے بعد۔"

"گھٹیا عورت تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"اپنی زبان کو لگام دو سمجھے گھٹیا کسے کہتے ہو۔ تمہاری اوقات ہی کیا ہے میرے آگے۔ میں ایک مشہور ماڈل اور تم ایک گمنام میک اپ مین۔ اپنی اوقات مت بھولو۔" پھر ٹینا نے اس کی کمر سے بیلٹ کھولی جو اس نے پتلون کے ساتھ باندھ رکھی تھی اور زور زور سے اس کو مارنے لگی۔ وہ جب بھی بیلٹ مارتی میکس کی چیخ نکل جاتی۔ "کیوں میکس کیسا لگ رہا ہے اپنے ہی ہتھیار سے مار کھانا۔ بتاؤ مزہ آرہا ہے۔ ابھی اور ماروں یا بس کروں۔"

"فار گاڈ سیک اسٹاپ اٹ میں مزید برداشت نہیں کرسکتا۔ مجھ میں اب مزید طاقت نہیں ہے۔"

ٹینا کھلکھلا کر ہنس دی۔ "ہاں اب یہ ہوئی نہ کچھ بات۔ آئندہ بھی ایسے ہی بے بس مجبور اور لاچار نظر آنے چاہیے۔ سمجھ گئے۔ اچھا یہ لو کمبل اوڑھ لو ٹھنڈ بہت ہے۔" ٹینا نے میکس پہ ایک کمبل ڈال دیا۔

"تم سوچ رہے ہوگے کہ میں تمہارے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہوں۔ کیونکہ تمہارے جیسے لڑکوں کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ تمہیں تو میرے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے ناں۔ جب ہی آج کی رات میرے ساتھ گزارنے یہاں چلے آئے۔ اچھا چلو اب میں چلتی ہوں۔ رات زیادہ ہوگئی ہے صبح مجھے شوٹنگ پہ بھی جانا ہے۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔" میکس غصے سے چیخا۔

"غصہ مت کرو سوئیٹ ہارٹ ورنہ یہیں تمہیں تمہاری نئی Dose دے دوں گی۔ پھر عقل ٹھکانے آجائے گی تمہاری۔"

میکس کی آنکھوں میں بے بسی کی شدت سے نمی گھل گئی۔ ٹینا کے جانے کے بعد میکس وہاں سے فرار کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔ آخر یہ چڑیل مجھے کہاں بند کر گئی۔ کسی طرح میں یہاں سے باہر نکل جاؤں مگر کیسے میں تو زنجیروں سے بندھا ہوا ہوں۔ خود کو آزاد کرانے کی کوشش میں وہ تھک کر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی اور سورج کی کرنیں چھن چھن کر اندر آرہی تھیں۔ کل رات پڑنے والی مار سے ابھی تک جسم گھائل تھا۔ اس نے پوری قوت سے چلا کر کسی کو مدد کے لئے بلانا چاہا۔ لیکن وہاں اس باغ نما جنگل میں کوئی ہوتا تو آتا ناں۔

پھر تقریباً دو گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ٹینا ہاتھ میں ایک کھانے پینے کا تھیلا لیے ہوئے چلی آئی۔

"ہائے سوئیٹ ہارٹ زخموں کا کیا حال ہے۔ کل رات کو میں نے کچھ زیادہ ہی مار دیا تھا ناں۔"

میکس کا دل کر رہا تھا کہ کاش وہ زنجیروں سے آزاد ہو جائے اور پھر ٹینا کو وہ سبق سکھائے کہ یہ زندگی بھر یاد رکھے۔ لیکن بہت جلد اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے وہ اس بات سے بالکل انجان تھا۔ بالکل بے خبر تھا۔

"یہ لو کچھ کھا لو تمہارے لیے بڑا اچھا ناشتہ لے کر آئی ہوں۔" اس نے اسے پیار سے کھلانا چاہا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اپنی منحوس صورت لے کر۔"

"اچھا منحوس صورت لے کر کل تک تو کہتے تھے کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔ اب کیا ہو گیا میرے پیارے۔ جانتے ہو مجھے تمہارے جیسے خوبصورت لڑکے بہت پسند ہیں۔ کیونکہ جس لڑکے نے میرا عمل خراب کیا

تھا وہ میرا منگیتر تھا اور بہت خوبصورت تھا۔ اور جانتے ہو میں نے کیا کیا اس کے ساتھ سزا کے طور پہ میں نے سب سے پہلے اسے ہی بھیڑیوں کے آگے ڈالا تھا۔ بس وہ دن اور آج کا دن تمہارے جیسے لڑکے اچھے بھی لگتے ہیں اور برے بھی۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ میرا کام چل رہا ہے پہلے ایک کے ساتھ وقت گزارتی ہوں۔ دل بھر جاتا ہے تو دوسرے کو اپنا لیتی ہوں۔ لیکن دیکھو پلیز تم کچھ کھا لو۔ پیار سے کھلا رہی ہوں۔ ورنہ مارتے ہوئے غصے سے کھلاتی ہوں۔ اور میری مار کا نتیجہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔ تمہارے ہاتھ بندھے ہیں ورنہ ابھی تک چوٹیں سہلا رہے ہوتے۔" پھر اس نے مکس کو کھانا کھلایا۔

میکس نے اچانک ہی بڑے زور سے اس کے ہاتھ پہ کاٹ لیا۔ "آآآ..... ہ! بدتمیز جاہل۔" ٹینا نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے بائیں رخسار پہ جڑ دیا۔

"آئندہ ایسی حرکت کا سوچنا بھی مت ورنہ بہت پٹو گے۔"

"میں تم سے نہیں ڈرتا۔"

"ہاں شاید میں ڈر جاتی لیکن اب نہیں کیونکہ میں آزاد ہوں اور تم میرے قیدی ہو۔ اب دیکھتے جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔" ٹینا نے ایک بار پھر اسے بیلٹ کی مدد سے خوب مارا۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ آنسو تکلیف اور بے بسی کے تھے۔

"اب چلو بھی میکس میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ اور ویسے بھی کیا کسی نے تمہیں بتایا نہیں کہ تم روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ میرا خیال ہے کہ آج کے لیے اتنی سزا کافی ہے۔" یہ کہہ کر ٹینا وہاں سے چلی گئی

دو دن بعد چودھویں کی رات تھی۔ چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ میکس کافی سہما ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آج کی رات اس کے ساتھ ٹینا کیا کرنے والی ہے۔ پھر کچھ دیر بعد باہر سے بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر کمرے کا دروازہ کھلا اور ٹینا اندر داخل ہوئی۔ "ہیلو اینڈ گڈ بائے یہ ہماری آخری ملاقات ہے، اب سے کچھ دیر بعد بھیڑیے یہاں آکر تمہیں زندہ چبا جائیں گے۔ میں باہر سے کنڈی نہیں لگاؤں گی۔"

میکس نے آخری بار اس بے رحم اور سفاک لڑکی پہ نگاہ ڈالی پھر آنکھیں بند کر کے اپنی موت کا انتظار کرنے لگا۔ پھر ٹینا کے جانے کے تقریباً بیس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور تین بھیڑیے اس پر جھپٹ پڑے۔ انہوں نے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔

☆.....☆.....☆

اس واقعے کو اب تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اب ٹینا کے پاس پیٹر نامی ایک میک اپ مین کام کرتا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ ٹینا نے اسے بھی پھانسنے کا فیصلہ کیا اور وہ بے چارہ تو جیسے ٹینا کا دیوانہ تھا۔ اب وہ دونوں ساتھ میں گھوما پھرا بھی کرتے۔ ایک دن پیٹر اسے کسی ہوٹل میں لے جانے کا کہہ کر بالکل سنسان جگہ پر لے آیا۔ اب ٹینا نے غور کیا تو وہی جگہ تھی جہاں وہ پہلے تمام لڑکوں کو لاتی رہی تھی۔ "یہ کیا پیٹر یہ ہم کہاں آگئے۔ مجھے تو لگا تھا کہ تم مجھے کسی فائیو اسٹار ہوٹل لے کر جاؤ گے۔ لیکن یہ جگہ تو تھرڈ کلاس سے بھی بدتر ہے۔"

"پیٹر شرمیلی سی ہلکی ہنس دیا۔ "گھبراؤ مت بس تم دیکھتی جاؤ کہ مجھے یہاں جنگل میں کیا ملا ہے۔"

"اچھا چلو دکھاؤ۔ دیکھیں ایسا بھی کیا کوہ نکالا ہے تم نے بس دیکھو پیٹر کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا والی بات نہیں ہونی چاہیے۔"

پیٹر اسے لے کر اسی کمرے کے سامنے آرکا جہاں پر وہ اب تک تمام لڑکوں کو بھیڑیوں کی بھینٹ چڑھاتی رہتی تھی۔ "یہ ہم کہاں آگئے ہیں پیٹر۔"

"بس مجھے لگا کہ یہ جگہ سیر کے لئے اچھی ہے۔"

"اف کتنی بورنگ جگہ ہے میرا تو یہاں دم گھٹ رہا ہے چلو یہاں سے چلتے ہیں۔" ٹینا گھبرا کر بولی۔

ارے ارے گھبراتی کیوں ہو اب تو یہی جگہ پہلے تمہاری خواب گاہ اور پھر آخری آرام گاہ بنے گی۔" آخری لفظ

"پیٹر نے بہت چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"کیا مطلب؟" ٹینا نے حیرت سے پلکیں جھپکیں۔ "ابھی سمجھاتا ہوں۔" پیٹر نے کھینچ کر سیدھے ہاتھ کا تھپڑ اس کے بائیں گال پہ رسید کیا تو وہ لہرا کر فرش پر گری۔ اس طرح گرنے سے اسے چوٹ بھی آئی۔

"پیٹر کک......کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ہوا مگر اب ہوگا۔" اس نے اسے زنجیروں سے باندھنا شروع کیا۔ وہ اس دوران مزاحمت کرتی رہی۔ تھپڑ زور کا لگا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ پیٹر اسے اچھی طرح باندھ کر باہر سے دروازہ لاک کرکے چلا گیا۔

تین گھنٹے بعد واپس آیا تو اس کے پاس کھانے پینے کی اشیاء کا تھیلا تھا۔ وہ اس نے ٹینا کو کھلانا چاہیں تو اس نے کھانے پہ تھوک دیا۔ پیٹر نے اس کے چہرے پہ تھپڑوں کی بارش کر دی۔ تکلیف کی شدت سے ٹینا رو پڑی۔

"کیوں کیا ہوا سویٹ ہارٹ رونا کیوں آرہا ہے۔ کیا اس سے پہلے کبھی اتنی مار نہیں کھائی۔ تو اب تیار ہو جاؤ کیونکہ اصل کھیل تو اب شروع ہوگا۔" اس کے ساتھ ہی پیٹر نے اپنی پتلون کی بیلٹ سے اسے مارنا شروع کر دیا۔

"تم آخر میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

کیونکہ تم جیسی لڑکیوں کی دوستی بھی اچھی لگتی ہے اور دشمنی بھی۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی۔ بس ٹینا تمہاری جیسی لڑکیوں کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم دوبارہ مل رہے ہیں۔"

ٹینا کو لگا کہ یہ ساری باتیں اس نے بھی کسی سے کہی تھیں۔......مگر کس سے، میکس سے جو اس کا میک اپ مین تھا۔ پھر بھلا اسے ان ساری باتوں کا کیسے پتا چلا۔

"ہاہاہا! جانتا ہوں تم کیا سوچ رہی ہو۔ لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بہت جلد تم میری حقیقت جان جاؤ گی جس طرح اس رات میں تمہاری اصلیت جان گیا تھا۔" پیٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن آخر تم ہو کون؟"

"میں تمہارا محبوب میکس ہوں۔" پیٹر مسکرایا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ وہ مر گیا تھا۔"

"لیکن اس کو کس نے مارا؟" پیٹر نے پوچھا۔"

میں نہیں جانتی تم کوئی خفیہ ایجنسی سے لگتے ہو۔ اور میرے خلاف ثبوت اکٹھا کر رہے ہو۔ گھٹیا آدمی مجھے بدنام کرتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔"

"میں کسی خفیہ ایجنسی سے نہیں ہوں۔ یہ میں ہوں تمہارا میکس۔ آج سے ٹھیک دو دن بعد چودھویں کا چاند ہے۔ اس کمرے میں تین بھیڑیے آکر تمہیں کھا لیں گے اور جانتی ہو میں تمہارے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ اس کے پیچھے ایک کہانی ہے۔

ٹینا نامی ایک لڑکی ہوا کرتی تھی۔ اور وہ تم ہو۔ میکس نامی لڑکا ہوا کرتا تھا۔ اور وہ میں ہوں، میں تمہارا میک اپ مین تھا۔ تم نے مجھے اپنی محبت کے جال میں پھنسایا اور ایک رات یہاں لاکر بے ہوش کر دیا اور پھر زنجیروں میں باندھ دیا جیسے کہ میں نے تمہیں باندھا ہے۔ اور پھر تم نے مجھے مارا۔"

"لیکن تم میکس کیسے ہو سکتے ہو۔ تم میرا مطلب ہے کہ تمہاری شکل تو میکس جیسی بالکل نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی پیٹر نے اپنی شکل میکس جیسی بنالی۔ اس وقت وہ اپنی اصل حالت میں کھڑا تھا۔ "اب تو ہے ناں میری شکل میکس جیسی۔ کیوں لگ رہا ہوں ناں پہلے کی طرح ہینڈسم اسمارٹ اور ڈیشنگ۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ تم نے کہا تھا کہ تمہاری پرسنالٹی بڑی شاندار ہے۔"

ٹینا سہم کر بری طرح چیخنے چلانے لگی۔ لیکن اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میکس ہنستا مسکراتا وہاں سے باہر چلا گیا دراصل وہ میکس کی روح تھی جس نے ٹینا کو سزا دی۔ اور دو دن بعد چودھویں کی رات کو ٹینا بھیڑیوں کی خوراک بن گئی۔

خمیازہ

عجب گل اداسی۔ٹنڈو الہ یار

نادیدہ قوت غضبناک انداز میں کمرے میں داخل ہوئی اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، کمرے کے بیڈ پر ایک نوجوان محو خواب تھا اور پھر اس نادیدہ قوت نے اپنے ناخن نوجوان کے نرخرے میں گھسیڑ دیا۔

خوف کے افق پر چنگھاڑتی ہوئی......اپنی نوعیت کی عجیب وغریب......خوفناک کہانی

رات کے 12 یا پھر 1 بجے کے درمیان کا وقت ہوگا۔ اندھیرے نے محلے کی ہر گلی میں اپنے پر پھیلا ئے تھے۔ ہر طرف سکوت طاری تھا، سارے لوگ اپنے بستروں میں نیند کے زیر اثر کھوئے ہوئے تھے۔ ے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں خاموش تھے۔ ایسے ل میں اگر کسی گلی میں کوئی کتا بھونکتا تو اس کی آواز ی کو چیرتی ہوئی ماحول کو لرزا کر رکھ دیتی۔ اور کتے کی آواز ارتعاش پیدا کرتی پورے محلے کے فضا کو دہشت ناک کر دیتی۔

وہیں ایک عمارت کے اوپری کمرے میں نرم نرم بستر پر ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی مثل حور اپنے خوابوں کی دنیا میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے ذرا سا بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ علاقے کے سارے لوگ دہشت زدہ ہو کر اپنے اپنے بستروں میں دبکے پڑے ہیں۔ لیکن اس کی

زلفوں کو کتنی آزادی حاصل تھی کہ ہوا کے جھونکے کا کھڑکی سے اندر داخل ہوتے ہی وہ اس حسین دوشیزہ کے چہرے پر پھیل جاتیں۔ اور شان دیکھیں اس کمبل کی! جس نے اس کو اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا تھا۔ بلکہ وہ ہر چیز سے بیگانہ اپنے خوابوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر جیسے ہلکی سی مسکان رقصاں تھی۔

اچانک کھڑکی سے ایک ہیولہ نمودار ہوا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس کا رخ اس دوشیزہ کی طرف تھا۔ ہیولہ چلتے ہوئے بیڈ کے قریب پہنچا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بستر کے اندر حلول کر گیا۔ اس کے بعد بہت ہی بھیانک منظر رونما ہوا۔ دوشیزہ کسمسائی اور پھر جیسے اس کے جسم میں عجیب سی ہل چل مچ گئی۔ اس کے خوب صورت ہونٹ پھیل کر موٹے بھدے ہوگئے۔ اس کے بال بکھرتے ہوئے عجیب شکل اختیار کر گئے۔ اس کے گلابی گالوں کی دلکشی اترنے لگ گئی اور اس کے دانت اور ناخن لمبے ہوگئے۔ اور جہاں تھوڑی دیر پہلے دلکش دل نشین دوشیزہ تھی۔ اب وہ ایک چڑیل کا روپ دھار چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے انگارے بھر چکے تھے۔ وہ اٹھی اور جا کر کمرے کے دروازے کو ایک لات ماری تو دروازہ اڑتا ہوا فرش بوس ہوگیا دروازے کے ٹوٹنے کی آواز سن کر گھر والے بھی جاگ چکے تھے۔ جیسے ہی گھر والوں کی نظر چڑیل پر پڑی تو سب خوف کے مارے اپنے اپنے کمروں میں بھاگ گئے۔ صرف ایک ادھیڑ عمر شخص اور دوسری اس کی ہم عمر عورت وہاں کھڑے رہے۔

ادھیڑ عمر شخص دوڑ کر چڑیل کے پیروں میں جا گرا اور رو رو کر بولنے لگا۔ ”خدا کے واسطے میری بچی کو چھوڑ دو۔ وہ معصوم ہے۔ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔“

چڑیل پر اس شخص کی کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو دھکا دیا تو وہ دیوار سے ٹکرایا اور فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

”دیکھو تم جو کوئی بھی ہو تمہیں اپنے رب کا واسطہ میری بچی کو چھوڑ دو تم جو چاہتی ہو وہ ہمیں بتاؤ ہم وہ ضرور کریں گے لیکن اس طرح ہماری پھول سی بچی پر ظلم مت کرو۔“ وہاں کھڑی عورت بھی رو کر چڑیل کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ عورت کی بات سن کر چڑیل نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف پھینکا تو عورت کا سر ٹیبل سے ٹکرایا اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

چڑیل کمرے سے نکل کر باہر آ گئی۔ اس کے بعد وہ ہوا میں اڑتی ہوئی جا کر ایک بنگلے کے سامنے اتری۔ وہ بنگلہ ایسا سجا ہوا تھا جیسے آج یہاں پر کسی کی شادی ہوئی ہو۔ ہر طرف دیواروں پر پھول سجائے گئے تھے۔ چڑیل نے غضب ناک نگاہوں سے سامنے دیکھا اور شعلہ نکلا ... نے سارے پھولوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے کے بیڈ پر ایک نوجوان لڑکا دولہا کی شیروانی میں ملبوس سویا ہوا تھا۔ چڑیل غصے سے اس کی طرف لپکی اور اپنے تیز ناخن اس نوجوان کے گلے میں گاڑ دیئے۔ تو نوجوان کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اس نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کار نوجوان زندگی کی جنگ ہار گیا اور اس کی روح پرواز ہوگئی۔ چڑیل کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی اور وہ دھوئیں میں تحلیل ہوگئی۔

☆......☆......☆

2010ء شروع ہو چکا تھا اور ہر سال کی طرح اس سال بھی اس کالج میں عید ملن پارٹی بڑی دھوم دھڑکے اور جوش و خروش کے ساتھ Celebrate کی جا رہی تھی۔

”ڈیئر اسٹوڈنٹس! اٹینشن پلیز!“ اناؤنسر کی آواز سن کر سارے اسٹوڈنٹ اسٹیج کی طرف متوجہ ہوگئے۔

”ناؤ فائنلی اب آپ کے سامنے پیش خدمت وہ آواز جس کا آپ کو بے صبری سے انتظار تھا۔ پریزنٹنگ، فراز علی امتیاز“ اناؤنسر کی بات مکمل ہوتے ہی ہر طرف فراز، فراز کی آواز گونجنے لگی۔

پھر فراز اسٹیج پر پہنچا اور گانا شروع کیا۔ اس کی سریلی آواز ہر لڑکی کے دل کو چھو رہی تھی۔ وہ اپنی آواز کی طرح خود بھی خوب صورت تھا۔ کالج کی ہر لڑکی اس کو اپنا بنانا چاہتی تھی لیکن وہ ان چیزوں سے دور رہ کر صرف اپنی اسٹوری اور اپنی آواز کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ جب

اس کا گانا ختم ہوا تو بھرپور تالیوں سے ہال گونج اٹھا۔ فراز اسٹیج سے نیچے اترا تو اس کے موبائل کی رنگ بجی۔ اس نے موبائل کو دیکھا تو اسکرین پر وہی نمبر دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا۔ اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگا کر ہیلو ہیلو کہا لیکن دوسری طرف سے کال کاٹی جا چکی تھی۔

دراصل بات یہ تھی کہ کچھ دنوں سے کوئی فراز کو بہت تنگ کر رہا تھا۔ کبھی اس نمبر سے مس کالز آتیں تو کبھی میسج۔ میسج میں I Miss You اور I Love You جیسی تحریریں لکھی ہوتی تھیں کوئی اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ جب فراز اس نمبر پر کال کرتا تو دوسری طرف سے کال ریجیکٹ کر دی جاتی۔ اس بات کو لے کر وہ کافی پریشان تھا۔ اس کے خاص دوست بلال اور فائزہ تھے جو کہ اس کے کلاس فیلوز تھے۔ انہوں نے بھی فراز کی مدد کی لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔

”ابے او حیران پریشان ریاست کے بے چین سلطان کیا بات ہے اتنے حسین ماحول میں بھی منہ لٹکایا ہوا ہے۔“ بلال نے قریب آ کر فراز کی حالت دیکھ کر پوچھا۔

”بس یار اس بات کو لے کر پریشان ہوں۔“ فراز نے مایوسی سے کہا۔

”ابے تو فکر کیوں کرتا ہے ہوگا کوئی اپنے دوستوں میں سے۔ جو کہ تم سے مذاق کر رہا ہوگا۔“ بلال نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ فراز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دونوں کلاس کی طرف چل گئے۔

کلاس میں فراز، بلال اور فائزہ کی سیٹیں ساتھ ساتھ تھیں۔

”فراز صاحب کچھ پتا چلا اس نمبر کے بارے میں“ فائزہ نے پوچھا۔

”نہیں یار لیکن میں بہت جلد پتا لگا لوں گا۔“ فراز نے بغور فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ کیسے؟“ فائزہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”بس ہے ایک میجک میرے پاس۔“ فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”او کے اگر تمہیں پتا چلے تو مجھے بھی ضرور بتانا۔“ فائزہ نے کہا۔ تو فراز نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

”تم لوگ یہیں رکو میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔“ فائزہ بول کر چلی گئی۔ لیکن وہ اپنا موبائل وہیں پر چھوڑ گئی تھی۔

”یار کہیں تمہیں تنگ کرنے والی لڑکی فائزہ تو نہیں۔“ بلال نے اچانک کہا۔

”نہیں یار وہ ایسا بھلا کیوں کرے گی۔“ فراز نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”میں نے کہا تھا کہ تمہیں کوئی دوست تنگ کر رہا ہے اور فائزہ بھی تو اپنے دوستوں میں سے ہے۔ تو ایسا کرو وہ اپنا موبائل بھول گئی ہے تو اس کے موبائل سے خود کے موبائل پر کال کرو سارا سچ سامنے آ جائے گا۔“

بلال کی بات سن کر فراز کچھ سوچنے کے بعد فائزہ کے موبائل سے خود کے موبائل پر کال کی تو دنگ رہ گیا۔ بلال کی بات حقیقت تھی۔ واقعی اس کو تنگ کرنے والی فائزہ ہی تھی۔ لیکن وہ یہ سب کیوں کرتی تھی۔

”دیکھا میرے دماغ کا کمال۔“ بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔“ فراز نے پریشانی سے پوچھا۔

”یار یہ تو اس سے پوچھ مجھے کیا پتا۔“ بلال نے وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔

فراز دوسری رات فائزہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اب تو اس کے دل میں بھی فائزہ کے لئے محبت جاگ اٹھی تھی۔

اگلے دن فراز کالج گیا تو اسے فائزہ کہیں نظر نہیں آئی۔ آخر تھوڑا ڈھونڈنے کے بعد وہ لائبریری میں بیٹھی ہوئی مل گئی۔ ”کہتے ہیں کہ چور کتنا بھی چالاک ہو لیکن کوئی نہ کوئی ثبوت چھوڑ ہی جاتا ہے۔“ فراز نے فائزہ کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا چوری ہوگیا تمہارا۔“ فائزہ نے پوچھا۔

”میرا دل چوری ہوگیا ہے وہ تلاش کر کے دو۔“

فراز نے پرجوش انداز میں کہا۔

"واہ جی واہ آج شریف صاحب بڑے رومینٹک موڈ میں لگ رہے ہیں۔" فائزہ نے فراز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم شریف کیا ہوئے پوری دنیا ہی بدمعاش بن گئی۔" فراز نے شاہ رخ کا ڈائیلاگ دہرایا۔ "دراصل مجھے موبائل پر تنگ کرنے والا اور مس کالز دینے والا چور مل گیا ہے۔

"یہ اچھا ہوا، کون تھا وہ۔" فائزہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"تھا نہیں تھی، وہ ایک لڑکی ہے۔" فراز نے جواب دیا۔

"اچھا کون ہے وہ۔" فائزہ نے جلدی سے پوچھا۔

"بس ہے ایک چوہے جیسی ناک والی، اس کے ہاتھی جیسے کان اور آلو جیسی آنکھیں" فراز نے باتیں بناتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تم اس کے بارے میں ایسے مت بولو۔" فائزہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔" فراز نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"بس مجھے لڑکیوں کی بے عزتی پسند نہیں ہے۔" فائزہ نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"لڑکیوں کی..... یا..... خود کی۔" فراز نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب خود کی؟" فائزہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

"مجھے سب پتا چل چکا ہے اس لئے اب چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فراز نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"تم کیا بول رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" فائزہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

تبھی فراز نے اپنے موبائل سے فائزہ کے موبائل پر کال کی تو فائزہ نے شرمندہ ہو کر نظریں جھکالیں کیوں کہ اس کی چوری پکڑی جاچکی تھی۔

"اب بتاؤ کیوں کرتی تھی تم ایسے۔" فراز مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ..... وہ..... وہ کیا ہے کہ میں..... میں تم کو تنگ کرنا چاہتی تھی۔" فائزہ نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ تم صرف مجھے تنگ کرنا چاہتی تھی؟ میں کچھ اور سمجھا تھا۔ خیر اگر تم صرف تنگ کرنا چاہتی تھی تو میں چلتا ہوں۔"

یہ بول کر فراز وہاں سے جانے لگا تو فائزہ جلدی اٹھی اور فراز کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ "آئی لو یو فراز..... میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اور میں اپنے دل کا اظہار نہیں کرپائی، اس لئے تمہیں موبائل پر میسجز اور کالز کیا کرتی تھی"

یہ سن کر فراز مڑا اور فائزہ کو بانہوں میں لے لیا اور بولا۔ "تو کیا میں تم سے کم محبت کرتا ہوں I love You 2"

وہ دونوں تھوڑی دیر اسی پوزیشن میں کھڑے رہے پھر فائزہ بولی۔ "مجھے چلنا چاہئے کوئی دیکھ لے گا تو۔" بول کر وہ چلی گئی۔ فراز باہر نکلنے کے لئے جیسے ہی باہر آیا اس کے منہ پر زوردار گھونسہ پڑا۔ تو وہ نیچے جا گرا۔ اس نے مارنے والے کی جانب دیکھا تو وہاں زبیر کھڑا تھا۔ زبیر اس کالج کا آوارہ لڑکا تھا اور کالج کی لڑکیوں کو گندی نظروں سے دیکھتا تھا اور خود کو فائزہ کا دیوانہ سمجھتا تھا۔

"ابے سالے تیری اوقات کیا ہے میری فائزہ پر اپنی گندی نظر ڈالنے کی۔" زبیر نے فراز کو کالر سے پکڑ کر کہا۔

"میں اس سے پیار کرتا ہوں اور وہ مجھ سے" فراز کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس سے پہلے اس کے زبان سے بات پڑی تو وہ اڑتا ہوا جا کر دور گرا اور اس کے بعد زبیر اس کو اور بھی مارتا لیکن بلال نے وہاں آ کر زبیر کے ہاتھ پکڑ لئے۔ "زبیر پلیز اس کو چھوڑ دو۔ یہ نادان ہے، میں اس کو سمجھاؤں گا یہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔" بلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد زبیر نے بلال کو کالر پکڑا اور بولا۔

"او کن کھجورے اپنے اس کمینے دوست کو سمجھا آگے اگر اس نے فائزہ کی طرف دیکھا بھی تو میں اس

کو نہیں چھوڑوں گا۔ فائزہ صرف میری ہے۔" یہ بول کر وہاں سے چلا گیا، پھر فراز اور بلال دیکھتے رہ گئے۔

ویسے فراز ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس اور فائزہ کی محبت دن بہ دن پروان چڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن فراز نے فائزہ کو شادی کے لئے بھی کہہ ایک دم سے شادی کا سن کر فائزہ گھبرا گئی۔ پھر بولی۔ ٹھیک ہے میں تمہیں بتاؤں گی تم اس دن اپنے والدین کو بھیج دینا۔" اور یہ سن کر فراز مسکرا دیا۔

☆.....☆.....☆

امتیاز احمد شریف انسان تھے۔ اللہ نے ان کو بہت دولت سے نوازا تھا اور اس کے ساتھ خوب صورت نجمہ اور ساتھ میں ایک سمجھدار بیٹا فراز۔ وہ بہت ہی ہنسی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دن امتیاز احمد اور نجمہ بیٹھے میں باتیں کر رہے تھے کہ وہاں پر فراز آ کر بیٹھا۔

"کیا بات ہے بیٹا کافی خوش نظر آرہے ہو۔" امتیاز احمد نے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ابو دراصل بات..... یہ ہے کہ اب امی بیچاری سے کام نہیں ہو پاتا۔ تو امی کے بھلے کے لئے کیوں نا گھر بہو لے آئیں۔" فراز نے اپنا مقصد اس طرح اجاگر کیا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" نجمہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"وہ دراصل امی میں نے ایک لڑکی پسند کی ہے۔" فراز اچانک سے بولا۔

"کیا میرے لئے۔" امتیاز احمد نے مذاق کر کے کہا سب ہنس پڑے۔

"وہ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟" نجمہ نے لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

"امی اس کا نام فائزہ ہے۔ وہ اسلام پور میں اپنی کے ساتھ رہتی ہے اس کے والد کا نام عبدالستار ہے اور پس میں 3 بہنیں اور 2 بھائی ہیں۔"

"ماشاء اللہ شادی سے پہلے مجھے تمہاری امی کا تک معلوم نہیں تھا لیکن تم نے تو ان کا پورا انسائیکلوپیڈیا حفظ کر رکھا ہے۔" امتیاز احمد نے مسکرا کر مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"ابو آپ کا زمانہ اور تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ویسے کل فائزہ نے ہم سب کو اپنے گھر پر انوائٹ کیا ہے اور آپ دونوں کو چلنا ہے۔" فراز نے کہا تو وہ دونوں مسکرانے لگے۔

☆.....☆.....☆

عبدالستار اور ان کے گھر والے نہایت شریف اور عزت دار لوگ تھے۔ ان کی فیملی میں ان کی 3 بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ فائزہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی اور ان کی بیوی زرینہ بیگم بھی نہایت خاندانی عورت تھیں۔

عبدالستار ہمیشہ آنکھوں پر کالا چشمہ لگا کر رکھتے تھے۔ گھر والوں سے تو انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ میری ایک حادثہ میں ایک آنکھ جا چکی ہے اور یہ حادثہ ان کے ساتھ ان کی شادی سے پہلے کا تھا۔ عبدالستار نے اپنے دونوں بیٹوں کی تو شادی کر دی تھی لیکن اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی نہیں کر رہے تھے۔ فائزہ تو کچھ چھوٹی تھی لیکن دونوں بڑی بیٹیاں جوانی سے ہٹ کر بڑھاپے میں قدم رکھ رہی تھیں۔ اگر کوئی عبدالستار سے اس معاملے میں بات کرتا تو وہ کچھ نہ کچھ کہہ کر ٹال دیتے۔ آج فائزہ نے عبدالستار سے صرف یہ کہا تھا کہ اس کا ایک دوست اور اس کی فیملی ہمارے ہاں آرہے ہیں۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ رشتہ کی بات کرنے آرہے ہیں۔ اگر وہ ایسا کچھ کہتی تو عبدالستار اس سے ناراض ہو جاتے۔

کچھ دیر بعد عبدالستار کے بنگلے کے سامنے ایک شاندار کار آ کر رکی۔ اس میں سے پہلے امتیاز احمد اور ان کی بیوی نجمہ اترے اور پھر فراز اور بلال اترے۔ عبدالستار نے ان کا بہت ادب و احترام سے استقبال کیا۔ ان کو شان سے گھر میں بیٹھایا۔ اور ان کی آؤ بھگت کی گئی۔ کھانے کے بعد آخر امتیاز احمد اصلی ٹوپک پر آ ہی گئے۔

"دیکھیں عبدالستار صاحب فراز ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ آج تک اس کے منہ سے جو چیز نکلی ہو ہم نے سب پوری کیں۔ آج ہمیں آپ کے

گھر لے آیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارا بیٹا آپ کی بیٹی فائزہ کو پسند کرتا ہے اور امید ہے کہ فائزہ کی بھی مرضی ہوگی۔ لہٰذا ہم آپ کی بیٹی کا رشتہ......!!“

”ابھی امتیاز احمد کی بات آدھی ہی رہی تھی کہ عبدالستار بیچ میں بول پڑے۔

”امتیاز صاحب! آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہم نے آپ کو مہمان سمجھ کر ہی گھر میں داخل ہونے دیا۔ اگر ہمیں آپ کے آنے کا مقصد پتا ہوتا تو آپ ابھی تک یہاں موجود نہیں ہوتے۔“ عبدالستار غصے میں بولے۔

”لیکن آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ کیوں دو دلوں کے آپس میں ملنے سے پہلے ہی آپ توڑنا چاہتے ہیں؟“ امتیاز احمد نے نرمی سے کہا۔

”کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے میں آپ سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ آپ مجھے نہ سمجھائیں تو بہتر ہوگا۔“ عبدالستار نے بیزاری سے کہا۔

”کم سے کم آپ تو کچھ کہیں۔“ نجمہ نے زرینہ بیگم کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے میرے شوہر بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ ہم نے اپنی بیٹیوں کی شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ دیکھیں ہماری دو بیٹیاں بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئی ہیں۔ لیکن ہم نے ان کی بھی شادی نہیں کی۔“ زرینہ بیگم بھی عبدالستار کی زبان بول رہی تھی۔

”خدا کے لئے آپ یہاں سے جاسکتے ہیں اللہ حافظ۔“ عبدالستار نے بات ختم کرتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

امتیاز احمد کو بہت زیادہ دکھ پہنچا۔ انہوں نے نجمہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا جس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور پھر فراز کو ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے لگے۔ فراز کی نظریں صرف فائزہ پر لگی تھیں جو کہ آنسو بہا رہی تھی۔ جب یہ سب باہر نکلے تو فراز نے گھر جانے سے انکار کر دیا۔

”دیکھو بیٹا تمہارے سامنے تمہاری پوری زندگی پڑی ہے یوں کسی کے لئے اپنی زندگی برباد مت کرو۔ اپنے بارے میں نہ سہی کم سے کم ہمارے بارے میں تو سوچو۔“ امتیاز احمد نے فراز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”بس ابو مجھے فائزہ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں جیسے ہی مجھے ان سوالوں کے جواب ملیں گے میں وعدہ کرتا ہوں تب میں گھر ضرور آؤں گا۔“ فراز نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا ہمیں تم پر ناز ہے اپنا خیال رکھنا۔“ امتیاز احمد نے یہ بول کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ نجمہ اور بلال ایک بار فراز کو دیکھ کر مسکرائے اور ہاتھ ہلا دیئے۔

اس کے بعد فراز نے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی جو گیٹ پر کھڑے گارڈز نے اسے سختی سے روک دیا۔ آخر فراز گھر کے سامنے ایک نیم کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کو بیٹھے بیٹھے پورا دن گزر گیا لیکن کوئی اس سے حال تک پوچھنے نہیں آیا۔ سارے محلے والوں کو فراز کا احساس تھا لیکن عبدالستار کے ڈر سے کوئی اپنی زبان نہیں کھولتا تھا۔ یہاں تک کہ فائزہ بھی اپنے والد کے ڈر سے چپ تھی۔

جیسے ہی سورج نے اپنا چہرہ آسمان میں چھپایا تو آسمان پر بادل جمع ہونا شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زوردار بارش شروع ہوگئی۔ ایک تو سردی کا موسم اوپر سے بارش۔ فراز درخت کے نیچے کانپ رہا تھا۔ وہ پورا بھیگ چکا تھا اور اسے بہت سردی لگ رہی تھی۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں رہا تھا۔

ادھر فائزہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے فراز کو دیکھ کر روئے جارہی تھی۔ روتے روتے پتا نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کے ساڑھے بارہ کے قریب عبدالستار پانی پینے کے لئے اٹھے اور کھڑکی سے دیکھا کہ فراز ابھی تک وہیں بیٹھا بھیگ رہا تھا۔ عبدالستار نے کچھ سوچا اور الماری میں سے چھاتا نکالا۔ اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ باہر آکر انہوں نے گیٹ کھولا۔ فراز عبدالستار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر حیران ہوگیا۔ عبدالستار اس کے پاس آئے اور اس کو بازو سے پکڑ کر گھر کے اندر کھینچ کر لے گئے۔ کمر

...الحسنیٰ ۔۔۔ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہوجایا کرتی ہیں

...پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو
جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح
اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی
کاروباری بندش
جنات کا سایہ
دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمانبردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

...ل میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% رازداری کے ساتھ
...الی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی
...بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

...رض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاءاللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجیے

...بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔

...لم ہی کیا جس میں اثر نہ۔ وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

...سید فرمان شاہ
اچھرہ سٹاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان
0300-6484398

کے اندر داخل ہو کر عبدالستار نے آگ جلائی اور فراز کو اس کے قریب بٹھایا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تولیہ نکال کر فراز کو دیا جس سے فراز نے سر پونچھا۔ پھر عبدالستار ایک کرسی کھینچ کر فراز کے قریب بیٹھ گئے۔

''بہت ضدی ہو تم؟ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے تم نہیں ہو۔ اگر میں تمہیں لینے نہیں آتا تو وہاں تم سردی کی وجہ سے صبح تک مر چکے ہوتے۔'' عبدالستار نے کہا۔ اور فراز چپ تھا۔

''کیا لگتا ہے تمہیں کہ اس طرح سے بیٹیوں کو گھر میں بیٹھا کر اچھا لگتا ہے مجھے۔ اب تم ہی بتاؤ۔ دنیا میں ایسا کون سا باپ ہوگا جو چاہتا ہوگا کہ اس کی بیٹیوں کی شادی نہ ہو۔ لیکن میں وہ واحد باپ ہوں جو ایسا ہی سوچتا ہوں۔'' عبدالستار کے بولتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''لیکن آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے۔'' فراز نے پوچھا۔

''وجہ ہے۔ ایک بہت بڑی وجہ۔ اب میں تم سے چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اور جب میں تم کو وہ وجہ بتاؤں گا تو تم یہ عاشقی ماشقی بھول جاؤ گے۔ حقیقت بات یہ ہے کہ جب بھی میں اپنی کسی بیٹی کی شادی کسی سے کروانا چاہتا ہوں تو اس کے ہونے والے شوہر کا خون ہو جاتا ہے۔'' عبدالستار نے افسردہ اور نم آنکھوں سے کہا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ خون؟'' فراز نے حیرت سے اچھلتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک سنا تم نے، خون اور پتا ہے ان کا خون کون کرتا ہے؟ میری بیٹیاں۔'' عبدالستار نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

اور یہ سن کر فراز جیسے اچھل پڑا۔ ''آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔'' فراز نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''میں سمجھتا ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سب سے پہلے میری بڑی بیٹی مریم کی جس دن شادی تھی اسی دن مریم کا دولہا گاڑی کی پٹری پر مردہ پایا گیا۔ کسی کو پتا نہ چل سکا اس کے ساتھ ہوا کیا۔''

''تو کیا وہ خون مریم نے کیا تھا۔'' فراز نے سوال کیا۔

''ہاں شاید اس نے کیا تھا۔ کیوں کہ شادی والے دن مریم کہیں غائب تھی۔ اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں پر خون لگا تھا۔ ہم نے مریم سے بہت پوچھا کہ کہاں سے آ رہی ہو؟ اور تمہارے ہاتھوں پر یہ خون کیسا؟ لیکن اس نے بتایا کہ اسے کچھ پتا نہیں، میں اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی اور جب مجھے ہوش آیا تو گھر کے گیٹ پر کھڑی تھی اور ابھی اندر آئی ہوں تو میرے ہاتھوں میں خون لگا ہے۔'' عبدالستار اپنی اسٹوری سنائے جا رہے تھے۔

''تب تو ہمیں کچھ پتا نہ چل سکا لیکن جب ہماری دوسری بیٹی کلثوم کی شادی تھی تب شادی والے دن کلثوم کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے بدلنے لگی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک چڑیل کے روپ میں آ گئی۔ ہم نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ اپنے ہونے والے شوہر کے گھر میں داخل ہوئی اور اپنے نوکیلے ناخن اپنے ہونے والے شوہر کے گلے میں گاڑ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد کلثوم اپنی اصلی حالت میں آئی تو ہم نے اس سے پوچھا لیکن اس نے بھی مریم والی ہی بات بتائی (آنکھوں کے سامنے دھند چھانے والی بات)

''تو اب اگر آپ فائزہ کے ساتھ میری شادی کرائیں گے تو میں بھی مار دیا جاؤں گا۔'' فراز جو حیرت سے اب تک عبدالستار کی کہانی سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''فائزہ کی ہم منگنی کر چکے ہیں۔'' عبدالستار نے اطمینان سے کہا۔

''کیا منگنی؟'' فراز اچھلتے ہوئے چونکا۔

ہاں فائزہ کی ہم نے منگنی 2 سال پہلے کی تھی اس کے ساتھ بھی وہی ہوا۔ اس کا ہونے والا شوہر منگنی والی رات ہی مار دیا گیا۔ جس رات منگنی ہوئی اسی رات فائزہ بھی اس چڑیل کی شکل میں آ گئی۔ میں نے اور میری بیوی زرینہ بیگم نے اس کے پاؤں پکڑے کہ ہماری بچی کو چھوڑ دو۔ ہم اس کے آگے گڑگڑائے لیکن اس نے ہماری ایک نہ سنی اور

... کو دھکیلتے ہوئے وہاں سے نکلی۔ اور اگلے دن دولہا ... ہماری آنکھوں کے سامنے تھی۔

بس اسی لئے بیٹا میں اتنا بدنصیب ہوں کہ اپنی ... کی شادی نہیں کر رہا۔ اب تمہارے لئے بہتر ہے کہ ... چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ۔'' عبدالستار نے سسکتے فراز کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''نہیں انکل میری محبت اتنی کمزور نہیں ہے کہ میں ... کے ڈر سے پیچھے لوٹ جاؤں۔ میں اب بھی فائزہ ... ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' فراز نے ... ہوتے ہوئے کہا۔

''دیکھو تم نادان ہو۔ تم کچھ نہیں سمجھ رہے۔'' ... الستار نے فراز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں انکل۔ ابھی میں چلتا ... اور آگے کیا کرنا ہے یہ میں آپ کو انفارم کروں گا۔'' ... ہو چکی تھی۔ فراز نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور گھر آ گیا اور عبدالستار فراز کو دیکھتے رہ گئے۔

☆......☆......☆

فراز نے گھر جا کر من و عن سب کچھ امتیاز احمد کو ... یہ سب سن کر امتیاز احمد بہت ہی حیران ہو گئے۔ اس ... وہ بولے۔ ''مجھے یہ سب کسی آسیب کا چکر لگتا ہے۔ ... کسی بدروح کا چکر لگتا ہے۔ میرے جاننے والے ایک ... ہیں۔ بہت ہی پہنچے ہوئے ہیں۔ ہر کسی کی تکلیف ... تے ہیں اور کوئی فیس وغیرہ نہیں لیتے۔ ہم عبدالستار کو ... ان کے پاس جائیں گے۔'' امتیاز احمد کی بات سن کر ... کرا دیا۔

اگلے دن امتیاز احمد، فراز اور بلال عبدالستار کے ... کے سامنے کھڑے تھے اور گارڈز ان کو روک رہا تھا کہ ... وہاں پر عبدالستار پہنچ گئے۔

''کیا اب ہم اتنے برے ہو گئے کہ آپ کے ... ہم کو روک رہے ہیں۔''

امتیاز احمد نے عبدالستار سے شکایت کی۔

''آنے دو ان کو۔'' عبدالستار نے گارڈز کو حکم دیا۔

عبدالستار ان تینوں کو اپنے گیسٹ روم میں لے گئے۔

''بھائی صاحب اگر ایسی کوئی بات تھی تو آپ ہمیں اسی دن بتا دیتے ہم خواہ مخواہ آپ کو غلط سمجھ رہے تھے۔'' امتیاز احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھئے آپ لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ آپ شادی کی بات کو ختم کر کے اپنی زندگی خوشی سے جئیں اور فراز کے لئے کوئی اچھی لڑکی تلاش کریں۔'' عبدالستار نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں میرے دوست آج ہم شادی کی بات کرنے نہیں بلکہ آپ کی پریشانی دور کرنے آئے ہیں۔'' امتیاز احمد نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیسی پریشانی۔'' عبدالستار نے حیرانگی سے پوچھا۔

وہی پریشانی جو آپ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔ آپ کی بیٹیوں کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم آپ کو ایک بزرگ کے پاس لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ جو انشاء اللہ آپ کی پریشانی دور فرما دیں گے۔''

عبدالستار پہلے تو جانے کے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے لیکن امتیاز احمد کے زور دینے پر آخر مان گئے۔

☆......☆......☆

سید فرمان شاہ اللہ کے برگزیدہ بندہ تھے جو کہ لوگوں کی تکالیف روحانی علاج سے دور فرماتے تھے۔ آج ان کے آستانے پر لمبی لائن لگی ہوئی تھی اور ایک طرف امتیاز احمد وغیرہ لائن ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے کے انتظار کے بعد لائن ختم ہوئی۔ تب وہ سب اندر داخل ہوئے۔ شاہ صاحب امتیاز احمد سے مل کر بہت ہی خوش ہوئے۔ اس کے بعد امتیاز احمد نے شاہ صاحب کو پوری کہانی سنائی۔

عبدالستار کی غمزدہ کہانی سن کر شاہ صاحب نے عبدالستار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کسی بھٹکتی ہوئی روح کا کام لگتا ہے۔ لیکن وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔ یہ جاننے کے لئے اس روح کو یہاں بلانا ہوگا۔ تم سب تھوڑا دور ہٹ جاؤ۔'' یہ بول کر شاہ صاحب نے ایک گول دائرہ بنایا اور اس کے اندر آگ

جلادی۔ اس کے بعد اس دائرے کے چاروں طرف چار موم بتیاں جلا کر رکھ دیں۔

سب لوگ شاہ صاحب کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ شاہ صاحب منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہے تھے اور آٹا جیسی کوئی چیز بار بار آگ میں پھینک رہے تھے کہ اچانک تیز ہوائیں چلنی شروع ہوگئیں۔ شاہ صاحب کے آستانے کی دیواریں ہلنے لگ گئیں جیسے طوفان آیا ہو۔

دیکھتے ہی ایک کونے میں دھواں ظاہر ہوا اور دھوئیں میں سے اچانک ایک چڑیل نمودار ہوئی۔ اس چڑیل پر نظر پڑتے ہی عبدالستار ایک دم سے بولے۔ ”یہی ہے وہ کمینی جو میری بچیوں کو تنگ کرتی ہے۔“

یہ سن کر چڑیل غصے سے عبدالستار کی طرف بڑھی لیکن اسے شاہ صاحب کی آواز نے روک دیا۔ ”رک جاؤ ورنہ میں تمہیں بھسم کردوں گا۔“ یہ بول کر شاہ صاحب نے چڑیل کے گرد گول دائرہ بنایا پھر شاہ صاحب بولے۔ ”اب تم اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اب یہ بتاؤ کیوں ان شریف لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کیوں ان کی زندگیاں برباد کی ہیں۔“

”نہیں چھوڑوں گی۔ کسی کو نہیں چھوڑوں گی۔ پہلے میں نے اس کے خاندان کی بیٹیوں کی شادی نہیں ہونے دی۔ اب ان کو ایک ایک کر کے مار ڈالوں گی۔“ چڑیل کی بھیانک آواز سے پورا آستانہ گونج رہا تھا۔

”شاید تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم میری قید میں ہو۔ میں تمہارے ساتھ کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ ان کو چھوڑ دو۔“ شاہ صاحب چڑیل کو ڈانٹتے ہوئے بولے۔

”نہیں چھوڑوں گی۔ جس طرح سے اس نے میری زندگی برباد کی تھی اسی طرح میں اس کو برباد کروں گی۔“ چڑیل نے چیختے ہوئے کہا۔

”کیا کیا اس نے تمہارے ساتھ کھل کر بتاؤ۔“ شاہ صاحب نے چڑیل سے پوچھا۔

شاہ صاحب کے سوال پوچھتے ہی چڑیل کی شکل بدلنے لگی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہاں پر ایک خوب صورت جوان لڑکی موجود تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی عبدالستار کو 440 والٹ کا کرنٹ لگا۔ وہ گرنے والے تھے لیکن فرا نے ان کو سنبھال لیا۔

”اب آپ اس سے پوچھیں اس نے میر ساتھ کیا کیا تھا۔“ اس روح نے شاہ صاحب سے کہا۔

”کہیے جناب! آپ کا کیا تعلق ہے اس لڑ سے۔“ شاہ صاحب نے عبدالستار سے کہا۔

”عبدالستار کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ان کو اپنی جوانی یاد آگئی اور انہوں نے بتانا شروع کیا۔

”واقعی میں اس لڑکی کا گناہگار ہوں۔ آج میں شریف ہوں لیکن جوانی کے دنوں میں ایک ظالم اور عیاش تھا۔ گاؤں کی لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے بستر کی زینت بنانا میرا شوق تھا۔ یہ جو لڑکی آپ سب دیکھ رہے ہیں اس کا نام ساجدہ تھا۔ یہ ہمارے گاؤں کی سب سے خوب صورت لڑکی تھی۔ میں روزانہ اس کا پیچھا کرتا تھا۔ ایک دن یہ کنویں پر پانی بھرنے آئی تو میں بھی وہاں پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ زبردستی کرنے لگ گیا۔ اچانک اس کے ہاتھ میں کہیں سے ایک پتھر آ گیا، اس نے وہ پتھر مجھے پھینک کر مارا جو سیدھا میری آنکھ میں لگا اور میں ایک آنکھ سے محروم ہوگیا۔ اور میں آج تک اپنے گھر والوں کو یہی بتاتا رہا ہوں کہ میری آنکھ ایک حادثے میں ضائع ہوگئی تھی۔

خیر اپنی آنکھ کھونے اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے میں تڑپ رہا تھا۔ ایک دن مجھے موقع مل گیا میں نے کہا۔ ”اگر یہ میری نہیں ہوئی تو کسی اور کی بھی نہیں ہوسکتی۔“ اور زور زبردستی اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اسے اغوا کرلیا۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ میں نہیں بتا سکتا۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔“

جب جذبات کا طوفان ختم ہوا تو میں نے اس سے کہا۔ ”اب تمہارا زندہ رہنا میرے لئے مشکل ثابت ہوگا اس لئے خدا حافظ۔“ یہ کہہ کر میں اس کا گلا دبا کر اسے قتل کردیا اور ایک درخت کے نیچے گڑھا کھود کر دفن کردیا۔ بس یہی میری کہانی ہے اور جس طرح میں نے اس کی شادی کو برباد کیا اسی طرح اس نے بدلہ لے کر میری بیٹیوں کی شادی

نے دی۔“ اتنا کہہ کر عبدالستار ہچکیوں سے رونے

وہاں پر شاہ صاحب سمیت دیگر لوگ بھی عبدالستار کو ت سے دیکھ رہے تھے۔

”بہت برا ہوا تمہارے ساتھ بہت برا۔ یہ سن کر زیادہ دکھ ہوا۔ جو انہوں نے تمہارے ساتھ کیا وہی تم ان کی بیٹیوں کے ساتھ کیا اور اس طرح حساب برابر ا۔ دیکھو عبدالستار اپنی غلطی مان رہے ہیں اور ان کو سزا ل چکی ہے اب ان کا پیچھا چھوڑ دو۔“ شاہ صاحب نے دہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے شاہ صاحب آپ کہتے ہیں تو میں لیتی ہوں۔ لیکن میری روح کو تب سکون ملے گا جب ی ہڈیاں فلاں درخت کے نیچے سے نکال کر نماز جنازہ ا کر دفن کردیں۔“ اور یہ سن کر شاہ صاحب بولے۔ یک ہے ہم کردیں گے پہلے تم وعدہ کرو کہ اب ان کو تنگ ں کرو گی۔“ یہ سن کر ساجدہ کی روح نے وعدہ کیا اور شاہ حب نے اس کو وہاں سے جانے دیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب بولے۔ ”کل آپ لوگ ز اور فائزہ کا نکاح کردیں اس میں فائدہ ہے اور میں دہ کے کفن دفن کا بندوبست کروں گا۔ یہ سن کر فراز کے ے پر خوشی پھیل گئی۔

ادھر فراز اور فائزہ کے نکاح کے تیسرے دن ی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہر طرف خوشیوں کا ڈنکا بج رہا تھا۔ عبدالستار کا گھر ی زیادہ سجایا گیا تھا۔ بہت خوش تھے کیوں کہ آج فائزہ رخصتی تھی۔ سب کو بارات کا انتظار تھا کہ اتنے میں ات آئی۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ اچانک ج دار آواز آئی۔ ”رک جاؤ۔“ سب کی نظریں ایک اواز کی طرف اٹھ گئیں۔

وہاں پر فراز کے کالج کا ٹپوری زبیر کھڑا تھا اس کے ہ میں 2 پستول تھے۔ اس کے ساتھ چھ یا سات نقاب تھیاریوں سمیت دائرہ بنا کر کھڑے ہوگئے۔

”ابے او چھچھوندر میں نے تیرے کو سمجھایا تھا نا کہ فائزہ صرف میری ہے لیکن شاید میری بات تیرے بھیجے میں فٹ نہیں ہوئی تھی۔ اب عزت سے یہاں سے بھاگ جا ورنہ میرے آدمیوں کی گولیوں سے تیرا جسم چھلنی ہوجائے گا۔“ زبیر نے فراز کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی کرلو آج تو فائنل شادی ہو کر رہے گی۔“ فراز نے جوش سے کہا۔ فراز کی بات سن کر زبیر اس کی طرف بھاگا۔ اور زوردار لات فراز کو رسید کی تو وہ دور جا گرا۔

اچانک زبیر کی نظر فائزہ پر پڑی جو شکل سے بدل رہی تھی۔ اس کا چہرہ بدلتے ہوئے ایک چڑیل کا روپ اختیار کرگیا۔ چڑیل کو دیکھ کر سب کی چیخیں نکل گئیں۔

زبیر کی آنکھیں پھٹی جارہی تھیں۔ چڑیل نے منہ سے پھونک ماری تو سارے نقاب پوش اڑتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اس کے بعد چڑیل نے ایک اشارہ کیا تو سارے نقاب پوشوں نے اپنے ہتھیار ایک دوسرے پر رکھ کر ایک دوسرے کو گولیاں مارنے لگے اور سب ختم ہوگئے۔ اس کے بعد چڑیل نے زبیر کو گردن سے پکڑ کر اوپر پھینکا تو وہ اوپر کو گیا اور پھر دھڑام سے نیچے گرا اور چشم زدن مین اس کا سر جسم سے الگ ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد فائزہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی اور اب وہاں پر ساجدہ کی روح ظاہر ہوئی۔ ساجدہ نے فائزہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولی۔ ”میں نے شاہ صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ اب آپ لوگوں کو تنگ کرنے نہیں آؤں گی لیکن یہ تو وعدہ نہیں کیا تھا کہ ناں کہ تم لوگوں کی مدد کرنے بھی نہیں آؤں گی۔“

عبدالستار نے ساجدہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور معافی مانگنے لگے تو وہ بولی۔ ”بس ٹھیک ہے انسان غلطی کرتا ہے لیکن جو غلطی کر کے سدھر جائے وہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے میری تدفین اور نماز جنازہ ادا کردی ہے اور اب میں جارہی ہوں اب میں کبھی واپس نہیں لوٹوں گی۔“ یہ بول کر وہ دھوئیں میں تحلیل ہوگئی اور سب دیکھتے رہ گئے۔

اندھیرے سے اجالا

ملک فہیم ارشاد۔ڈجکوٹ فیصل آباد

آخری قسط

خوف کی وادی میں اٹکھیلیاں کرتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی، جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش پل پل لمحہ لمحہ اچنبھے میں ڈالتی خیر و شر کی کہانی

حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

”ہم مسجد میں جانے کے لئے اپنے آپ کو غسل اور وضو کے ذریعے پاک کرتے ہیں اور پھر پاک جگہ میں جا کر ہم دن میں اور رات میں دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں ہم مسجدوں کو پوجتے نہیں بلکہ مسجد میں پاک جگہ ہوتی ہیں اس لئے وہاں جا کر ہم اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب ہم کسی آفیسر وغیرہ سے ملنے جاتے ہیں تو جج دنگ کر جاتے ہیں وہ تو پھر پوری کائنات کا مالک ہے وہ صرف عبادت کے لئے جگہ مخصوص ہے اللہ مسجدوں میں نہیں اللہ ہر جگہ موجود ہے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب۔“ خدیجہ نے بتایا۔

”اچھا......“ سندری حیران ہوئی۔

”ہاں بالکل کبھی سچے دل سے اس سے کوئی چیز تو مانگو وہ ضرور دے گا......“ خدیجہ نے کہا۔

”یعنی تمہارے اللہ سے۔“ سندری نے تصدیق چاہی۔

”میرا نہیں تمہارا بھی۔“ جواباً خدیجہ مسکرائی۔

”پرنتو وہ بابا۔“ سندری نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

”کون بابا......“ خدیجہ نے پوچھا۔

”جو اپنے گاؤں میں آیا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر میں اس کے پاس آدھی رات کے سمے روزانہ پندرہ دن تک اس کے پاس جایا کروں تو میرے ہاں اولاد ہوگی۔“ سندری نے اپنے دل کی بات خدیجہ کو بتادی۔

”اوہ...... تو اس کا مطلب تم اس کے پاس جاؤ گی۔“ خدیجہ نے غصے سے سندری کی طرف دیکھا

”میں تو نہیں جانا چاہتی پر میری وہ ساس جس کی آنکھوں کے آگے پردہ آگیا ہے وہ مجھے جینے نہیں دیتی۔“ سندری نفرت سے بولی۔

”بے وقوف عورت وہ ان پندرہ راتوں میں اپنی ہوس کی آگ تیرے ذریعے بجھائے گا تیری عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے۔“ خدیجہ نے غصے سے سندری کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں تو اس کی آنکھوں میں شیطانیت دیکھ چکی ہوں پرنتو میری ساس ہی نہیں سمجھتی مجھے بانجھ پن کے طعنے دیتی ہے۔“ سندری بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”اگر ایک عورت دوسری عورت کا دکھ نہیں سمجھے گی تو پھر کون سمجھے گا۔“ خدیجہ افسوس زدہ لہجے میں بولی

”بس خدیجہ کوئی اس سماج میں کسی کو نہیں ہر ایک کو اپنی اپنی چنتا ہے۔“ سندری دلبرداشتہ ہو کر بولی۔

”نہیں یہ بات بھی نہیں ہے سندری۔ دنیا میں کچھ لوگ ہیں جو دوسروں کے لئے جیتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دنیا آباد ہے جب اس زمین پر اللہ کا نام لینے والا ایک بھی نہیں رہے گا تب یہ دنیا ختم ہوجائے گی۔“ خدیجہ نے کہا۔

”پتہ نہیں وہ خبیث بوڑھا میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اماں کو تو سنتوش نے بھی سمجھایا تھا پر تو عقل کی اندھی میری ساس کو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔“ سندری غصے سے بولی۔

”سنتوش ...... سنتوش کیا کہہ رہا تھا۔“ خدیجہ نے پوچھا۔

”یہی کہ ہمیں ان بوڑھوں کے ڈھونگ میں نہیں آنا چاہئے پرنتو میری ساس مانے تب ناں۔“ سندری کو ایک مرتبہ پھر غصہ آ گیا۔

”تم فکر مت کرو میں آج ہی سنتوش سے بات کرتی ہوں اللہ خیر کرے گا۔“ خدیجہ نے کسی خیال کے تحت کہا۔

”ہاں وہ کہہ تو رہا تھا کہ وہ بہت جلد اس ڈھونگی بابا کا راز فاش کرے گا۔“ سندری ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

”تم اس کے کارناموں سے بخوبی واقف ہو۔“ خدیجہ نے کہا۔

”ہاں میں نے اس کی بہادری کے کئی قصے سنے ہیں۔“ سندری نے جواباً اثبات میں سرہلایا۔

”ٹھیک ہے وہ تھوڑی دیر تک اماں سے ملنے آئے گا میں اس سے بات کروں گی۔“ خدیجہ نے کہا تو سندری نے اثبات میں سرہلادیا۔

☆......☆......☆

”اٹھو سندری میرے پاس آؤ تمہیں سنتان چاہئے۔“ ایک مردانہ کرخت آواز سندری کے کانوں میں پڑی تو اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں وہ اٹھ کر بیٹھی کمرے میں اس کی ساس اور تیسری چارپائی پر اس کا شوہر بوٹا سو رہا تھا۔

”چلو جلدی سے آجاؤ۔“ ایک مرتبہ پھر وہی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو سندری اٹھ کر کھڑی ہوئی اور بغیر چپل پہنے آگے بڑھی وہ گھر سے باہر نکلی اور ایک طرف چل پڑی وہ ایسے چل رہی تھی جیسے نیند میں ہو کافی دیر چلنے کے بعد وہ ایک جھونپڑی کے قریب رکی یہ اس خبیث بوڑھے کی جھونپڑی تھی پردہ ہٹا کر وہ جھونپڑی میں داخل ہوئی سامنے وہی خبیث بوڑھا بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

”آ گئی تو ......“ خبیث بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے وشواس تھا کہ تو آسانی سے نہیں آئے گی۔ اسی کارن مجھے اپنی شکتیوں کو استعمال کرنا پڑا۔“

سندری کچھ نہ بولی کیونکہ وہ اس بوڑھے کے زیراثر تھی۔

”آج میرے جیون کی سب سے سندر رات ہوگی۔ اب تو ایسا کر کہ میرے سامنے بیٹھ جا۔“ خبیث بوڑھا سندری کی تعریفیں کرنے کے بعد بولا اور سندری کسی تابع روبوٹ کی طرح خبیث بوڑھے کے سامنے بیٹھ گئی تو بوڑھے نے سندری کے ماتھے پر انگلی رکھی اب میری بات غور سے سن تو پندرہ راتوں تک روزانہ اسی نے میری کھولی میں آئے گی اگر تو نے میرے حکم کا پالن نہیں کیا تو میں تجھے جلا کر بھسم کردوں گا ......“ اتنا کہہ کر بوڑھے نے اپنی انگلی ہٹالی۔

”اب تو اپنے جسم پر موجود کپڑوں کو مکمل طور پر اتار دے۔“

سندری اٹھ کھڑی ہوئی اور خبیث بوڑھے کے حکم کی تعمیل کرنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ کپڑوں کی گرفت سے مکمل طور پر آزاد تھی سندری کا برہنہ بدن دیکھ کر خبیث بوڑھے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

اسی وقت جھونپڑی میں کئی افراد تیزی سے اندر داخل ہوئے اور خبیث بوڑھا گھبرا کر تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا ایسا شرمناک منظر دیکھ کر سب حیران رہ گئے کئی لوگوں نے تو چہرے پھیر لئے یہ سب گاؤں کے افراد تھے جن میں سنتوش اور گاؤں کی پولیس موجود تھی سنتوش

...جوڑی سے آگے بڑھ کر ایک چادر اٹھا کر سندری ...ودی سندری ابھی بھی بوڑھے کے زیراثر تھی سنتوش ...نے کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

”سندری ہوش میں آؤ...... سندری ہوش میں ...سندری کے سر کو زور کا جھٹکا لگا تو وہ حیرانگی سے ...ردو دیکھنے لگی۔

”مم...... مم...... میں کہاں ہوں۔“ سندری ...ی سے ارد گرد دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم اس پاپی کی کھولی میں ہو۔“ سنتوش نے ...ت پیتے ہوئے حیران و پریشان بوڑھے کی طرف ...رہ کیا جو حیرت سے سب کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر سندری بولی۔ ”میں یہاں کیسے آ گئی پتہ نہیں ...ی ساس نے کہا تھا کہ بابا سنتان دے گا۔“

”اگر ان جیسے خبیث ہوس پرست اولاد دینے ...تو اوپر والے پر کوئی وشواش نہیں کرے گا۔ اولاد دینا ...تو صرف اوپر والا کرتا ہے۔“

”یہ اوپر والے کا اپنے بندے سے پریم ہے کہ ...ی کہی ہوئی بات پوری کرتا ہے دنیا میں کوئی عورت ...نہیں ہوتی اس میں اوپر والے کے راز پوشیدہ ہوتے ...کسی عورت کو سنتان سال کے عرصے میں دیتا ہے ...ی کو دس سال کے عرصے میں۔ اس سے مانگتے رہو وہ ...ر دیتا ہے بس وچار اچھے ہونے چاہئے قسمت یا ...ر کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ یہ سوچ کر بیٹھیں کہ جب ...ت لکھی جائے تو پھر کیا فائدہ نہیں اچھے برے کا ...ن خود مالک ہے۔“

”عبداللہ انکل کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ...رت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ جب قسمت یا مقدر لکھ ...لیا ہے تو پھر ہاتھ پاؤں مارنے کا کیا فائدہ۔“

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ ”ہوسکتا ہے کہ ...والے نے تمہاری قسمت میں یہ لکھا ہو کہ یہ شخص مجھ ...مانگے گا تو میں اسے عطا کروں گا...... بس اوپر والے ...مانگو اپنی چھوٹی چھوٹی اچھا بھی اس کے آگے بیان ...آخر وہ دین و دنیا کا خالق اور مالک ہے وہ واحد ہے جو نہ مانگے اس سے وہ ناراض ہوتا ہے۔“

جھونپڑی میں موجود سارے افراد خاموش تھے ان افراد میں سندری کا شوہر بوٹا بھی تھا جو آنسو بھری نگاہوں سے سندری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دوسرے دن سنتوش خدیجہ کی ماں سے ملنے گیا تو خدیجہ نے کہا۔

”آپ نے تو بڑا اہم کارنامہ انجام دیا۔“

نقاب ابھی بھی خدیجہ کے چہرے پر تھا سنتوش جب سے گاؤں میں آیا تھا اس نے کبھی بھی خدیجہ کا چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے دل کی خواہش تھی کہ وہ خدیجہ کا چہرہ دیکھے۔

”اس سارے کارنامے کا اصل سہرا تو آپ کے سر پر جاتا ہے۔“ سنتوش نے مسکراتے ہوئے کہا تو جواباً خدیجہ بھی مسکرادی۔

”اگر آپ مجھے نہ بتاتیں کہ سندری کہیں اندھیرے کی طرف جارہی ہے تو میں اس طرف دھیان ہی نہ دیتا۔“ سنتوش نے کہا۔

”لیکن میں نے تو آپ کے کئی کارنامے سنے ہیں بچپن کے۔“ خدیجہ نے کہا۔

”میرے بچپن کے کارنامے......“ سنتوش حیران ہوا۔

”وہ کس سے سن لئے آپ نے۔“

”گاؤں والوں سے۔“ خدیجہ نے بتایا۔

”نہیں وہ تو بس۔“ سنتوش نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

”مجھے سب سے زیادہ حیرانگی اس بات پر ہے کہ بچپن میں جب آپ کے گھر ڈاکو آئے تھے وہ تو بھیس بدل کر آئے تھے لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا تھا کہ وہ ڈاکو ہیں۔“ خدیجہ نے پوچھا۔

”بس ایسے ہی۔“ سنتوش نے ٹالتے ہوئے کہا اسے اپنی تعریف اچھی نہیں لگتی تھی۔

”لیکن ابو نے تو بتایا تھا کہ جب وہ چور آئے تھے وہ لڑکی جو بڑھیا کے بھیس میں آئی تھی آپ نے کاغذ

پر پہلے ہی لکھ کر دے دیا تھا کہ یہ بڑھیا چور ہے۔" خدیجہ نے بتاتے ہوئے کہا اس سے پہلے کہ سنتوش کوئی جواب دیتا دروازے پر دستک ہوئی اور خدیجہ اٹھ کر بیرونی دروازہ کھولنے چلے گئی خدیجہ واپس آئی تو اس کے ساتھ ماسی تاجو تھی۔

"سنتوش پتر کیا حال ہے تیرا۔" ماسی تاجو نے سنتوش کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں ماسی۔" جواباً سنتوش مسکرایا۔

"بیٹا تو نے بڑی بھلائی کا کام کیا۔" ماسی تاجو نے کہا۔

"ماسی آدھا میں نے اور آدھا خدیجہ جی نے۔" سنتوش نے خدیجہ کی طرف اشارہ کیا۔

"خدیجہ نے۔" ماسی تاجو حیران ہوئی۔

"ہاں ماسی۔ سندری دراصل خدیجہ کے پاس آئی تھی اور اپنا دکھڑا سنایا انہوں نے مجھے بتایا اور میں نے رات کے سے گاؤں کے معزز لوگوں کو اکٹھا کیا اور اس بوڑھے کی جھونپڑی پر دھاوا بول دیا۔" سنتوش نے بتایا۔

"بس سنتوش پتر غلطی ہم لوگوں کی بھی ہے جو ایسے شیطانوں کے چکروں میں آتے ہیں، اللہ نے ہر انسان کو اچھے برے کی تمیز تو دی ہے نہ۔" ماسی تاجو افسوس زدہ لہجے میں بولی۔

"سندری کے شوہر کو اپنی ماں کے رویے پر بہت دکھ ہوا اس کی بیوی تو بے چاری مجبور تھی سندری اور اس کے شوہر نے اپنی ماں کا گھر چھوڑ دیا۔" خدیجہ نے بتایا۔

"بس بیٹی کبھی کبھی خوشی پانے کے لئے ماں باپ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔" ماسی تاجو نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"ہم یہ تو سمجھتے ہی نہیں کہ زندگی دینے والا اور چھیننے والا تو اللہ ہے یہ بابے یا سادھو نہیں۔ مگر سوائے افسوس کہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" ماسی تاجو نے کہا۔

"ویسے سندری کے شوہر کو میرے خیال سے اپنی ماں کا گھر نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔" سنتوش نے کہا۔

"سندری نے بھی اپنے شوہر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں مانا اس کا کہنا ہے کہ اگر سنتوش ہمیں وقت پر آگاہ نہیں کرتے تو میری تو عزت خاک میں مل جانی تھی ناں۔"

"ویسے علیحدہ ہونے کے باوجود وہ اپنی ماں کے گھر آتا جاتا رہتا ہے اور ہر بار کی طرح اپنی تنخواہ ماں کی جھولی میں ہی رکھتا ہے۔" خدیجہ نے بتایا۔

"بس بیٹی سندری کی عزت تمہارے اور سنتوش کی وجہ سے بچ گئی۔" ماسی تاجو نے کہا۔

"نہیں ماسی ہماری وجہ سے نہیں بلکہ سندری کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ خود اچھی لڑکی ہے اور اللہ تعالیٰ اسی لوگوں کے ساتھ برا نہیں ہونے دیتا ایسے لوگوں کی مدد سے ہی تو شیطان منہ کی کھاتا ہے۔" خدیجہ نے کہا۔

"یہی اچھے مسلمان کی پہچان ہونی چاہئے۔"

"ویسے سنتوش صاحب....." خدیجہ کچھ ہوئے رکی کیونکہ سنتوش اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آرے آپ کو کیا ہوا؟"

"آں..... کک..... کچھ نہیں۔" سنتوش گھبراتے ہوئے بولا۔

"تو پھر کن خیالوں میں کھو گئے....." خدیجہ نے پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" سنتوش نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے۔"

"جی پوچھیے۔" خدیجہ نے متوجہ ہو کر پوچھا۔

"پھر کبھی سہی۔" سنتوش نے اٹھتے ہوئے کہا

"ارے..... ویسے کئی دنوں سے آپ ایسا ہی کہہ رہے ہیں اور پھر جواباً یہی کہتے ہیں پھر کبھی۔" خدیجہ نے کہا تو سنتوش اللہ حافظ کہتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

"اب اس کی کمزوری میرے ہاتھ لگ چکی ہے۔" کہا گیا۔

"پر نتو وہ بھی تو....." کمرے میں بیٹھے لڑکے

نے کہا۔

"اس بات کو چھوڑو اب یہ کام جلدی ہو جانا چاہئے۔" سخت لہجے میں کہا گیا۔

"ٹھیک ہے میں کچھ کرتا ہوں۔" کمرے میں بیٹھے آدمی نے کہا۔

"بڑا سمے بیت گیا ہے۔ میری اب تک کی تمام کوششیں ناکام ہی ہوئی ہیں۔" غصہ بھرے لہجے میں کہا گیا۔

"چنتا مت کرو یہ کام ہو جائے گا۔" کمرے میں بیٹھے اس اکلوتے آدمی نے کہا۔

"بیٹا پریشانی والی بات یہ ہے کہ وہ کل دوپہر سے غائب ہے۔" خدیجہ کی ماں پریشان کن لہجے میں بولی۔

"پر نتو آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" سنتوش بھی پریشانی سے بولا۔

"بس بیٹا میں سندری کے گھر بھی گئی لیکن وہاں بھی نہیں تھی ساری رات اسی پریشانی میں بیت گئی صبح سندری کے شوہر کو تمہاری طرف بھیجا سندری بے چاری ساری رات میرے پاس رہی۔" خدیجہ کی ماں نے تفصیلاً ساری بات بتائی۔

"ہوں..... محلے کے کسی آدمی کو بھی نہیں پتہ یا کسی عورت نے اسے کہیں جاتے دیکھا ہو۔" سنتوش نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کچھ نے دیکھا تھا کل دروازے پر دستک ہوئی تو خدیجہ نے باہر دیکھنے کے لئے گئی لیکن واپس نہیں آئی باہر محلے کی عورتوں سے معلوم پڑا ہے کہ ایک کار جو نیلے رنگ کی تھی ہمارے دروازے کے قریب آئی تھی خدیجہ اس کی اگلی کھڑکی پر جھکی تھی اور پھر بڑی تیزی اور پریشانی سے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔" خدیجہ کی ماں نے پریشان کن لہجے میں بتایا۔

"ہوں..... آپ چنتا نہ کریں خدیجہ مل جائے گی۔ آپ نے تھانے میں رپورٹ وغیرہ درج کروائی کہ نہیں۔" سنتوش نے خدیجہ کی ماں کو حوصلہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹا ابھی تو نہیں۔" خدیجہ کی ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

"آپ چنتا نہ کریں وہ ضرور مل جائے گی۔" سنتوش نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے تھانے پہنچ کر رپورٹ درج کرائی اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا..... گاڑی میں کہیں گئی تھی۔ سنتوش پریشانی سے بڑبڑایا۔ کس کے ساتھ جا سکتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد سنتوش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گیئر لگا کر آگے بڑھا دی اس نے خدیجہ کے گھر کے آس پاس موجود گھروں کی عورتوں سے بھی گفتگو کی لیکن وہی معلومات حاصل ہوئی جو خدیجہ کی ماں سے معلوم پڑی تھی وہ اب خدیجہ کے گھر کے دروازے کے پاس آیا اور ارد گرد دیکھنے لگا اچانک اس کی نظر خدیجہ کے دروازے سے تھوڑی دور ایک نیلے رنگ کے کپڑے پڑی وہ تجسس کے عالم میں آگے بڑھا اس نے جھک کر وہ کپڑا اٹھایا وہ نیلے رنگ کا خوشبودار رومال تھا رومال کے کونے پر سفید رنگ کے دھاگے سے R لکھا ہوا تھا سنتوش کے دماغ کا بلب اچانک روشن ہو گیا اس لئے کہ یہ رومال کہیں دیکھا ہوا تھا وہ سوچنے لگا کافی دیر سوچتا رہا مگر ذہن نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

اچانک اسے کرشماتی لاکٹ کا خیال آیا آج اس نے کافی دنوں بعد اس کی ضرورت محسوس کی تھی یہ ایسا لاکٹ تھا جس نے زندگی کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کی تھی ایک ہندو مذہب کا ہونے کے باوجود اس کا اس لاکٹ پر کامل بھروسہ تھا اس لاکٹ کی وجہ سے وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوا تھا اس نے گلے میں پہنا ہوا وہ لاکٹ ہاتھ میں تھاما اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کی زنجیر اپنی شہادت کی انگلی میں گھمانے لگا اچانک اس کی زبان سے ہکلاتے ہوئے ایک نام نکلا۔

"ر.....رر.....رام۔"

☆.....☆.....☆

رام نے گاڑی کی بریکس لگائیں اور تیزی سے

گاڑی سے نیچے اتر کر اپنے گھر میں داخل ہوگیا وہ کافی پریشان تھا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے اپنی ماں نظر آئی۔

"ارے بیٹا رام تم کہاں تھے رات بھر۔" اس کی ماں نے رام کو حیرانگی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ماں..... میں رات کو سنتوش کے ہاں ٹھہرا تھا۔" رام نے بتایا اور مزید کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا وہ پریشانی میں اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔

"تمہیں پتا کس بات کی کھائے جا رہی ہے....." اچانک ایک کرخت آواز کمرے میں گونجی تو رام چونکا۔

"نہیں..... کک..... کک..... کچھ نہیں۔" رام ہکلایا۔

"چنتا مت کرو سنتوش تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" مسکراتی ہوئی آواز میں کہا گیا آواز کے مالک کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی اس بات کی حیرت رام کو تھی وہ شاید اب اسی بات کا عادی ہو چکا تھا۔

"اگر سنتوش کو پتہ چل گیا کہ خدیجہ کو اغوا میں نے کیا ہے تو وہ ناتو مجھے معاف کرے گا اور نہ ہی مجھے زندہ چھوڑے گا۔" رام بدستور پریشانی کے عالم میں بولا۔

"تم میرے ہوتے ہوئے چنتا کر رہے ہو۔" غرور میں ڈوبی ہوئی آواز رام کے کانوں میں پڑی۔

"چنتا کی بات تو خیر ہے..... یہ تو تم بھی جانتے ہو وہ تم سے زیادہ شکتی شالی ہے اگر تم اتنے ہی شکتی شالی ہوتے تو میری مدد نہ لیتے۔" رام کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔" غصے سے بھری آواز کمرے میں گونجی۔

"نن..... نن..... نہیں میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔" رام کانپتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے بات کرتے سمے اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھا کرو ایسا نہ ہو کہ تم میرے غصے کا شکار ہو جاؤ۔" سخت لہجے میں کہا گیا۔

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" رام نے تیزی سے کہا۔

"تم نے مجھے ایک وچن دیا تھا۔"

"ہاں مجھے اپنا وچن یاد ہے کام ختم ہوتے ہی وہ تمہاری ہو جائے گی۔" سنجیدہ لہجے میں کہا گیا۔

"اور سنتوش کا تم کیا کرو گے۔" رام نے پوچھا۔

"اس کی چنتا تم مت کرو۔" لہجہ ایک بار پھر سخت ہو گیا تھا اور رام خاموش ہو گیا۔

"مگر وہ تم تک پہنچے گا کیسے۔"

تھوڑی دیر بعد رام دوبارہ بولا۔

"وہ مجھ تک نہیں بلکہ تم تک پہنچے گا۔" مسکراتی ہوئی آواز میں کہا گیا۔

"کیا مطلب.....؟" رام چونکا۔

"ہاں..... وہ تم تک پہنچے گا۔ جب تم نے اپنی گاڑی خدیجہ کے گھر کے پاس روکی تھی تو میں نے تمہارا لکی رومال وہاں پھینک دیا تھا اور اب وہ تمہاری طرف ہی آ رہا ہے اس لئے اب تمہارا مرنا ضروری ہے۔" تیز لہجے میں کہا گیا۔

اسی لمحے کمرے میں نجانے کہاں سے ایک سایہ سا نمودار ہوا اور اس سائے نے مکمل طور پر رام کو اپنے گھیرے میں لے لیا، تھوڑی دیر وہ سایہ رام کے جسم سے علیحدہ ہوا تو ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ زمین پر جا گرا، رام کے ساتھ یہ حادثہ اتنی جلدی ہوا کہ اسے چیخنے کا موقع بھی نہ ملا کمرے سے اب وہ سایہ بھی غائب ہو چکا تھا۔

سنتوش نے گاڑی رام کے گھر کے سامنے روکی اور تیزی سے کار کا دروازہ کھول کر کار سے باہر نکل آیا سنتوش نے دیکھا رام کے گھر لوگوں کا کافی بڑا ہجوم تھا وہ حیرانگی کے عالم میں رام کے گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا رام کے ماں باپ کے علاوہ گاؤں کی پولیس بھی وہاں موجود تھی فرش پر کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

سنتوش آگے بڑھا رام کی ماں نے سنتوش کی طرف دیکھ کر مزید رونا شروع کر دیا۔

"سنتوش بیٹا دیکھو تمہارے دوست کو کیا ہو گیا۔" رام کی ماں نے روتے ہوئے فرش پر کپڑے میں لپٹی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

سنتوش تجسس کے عالم میں آگے بڑھا اور لاش پر سے کپڑا ہٹا دیا لاش کی حالت دیکھ کر سنتوش کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے کیونکہ وہاں لاش کی بجائے ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔

"کیا کروں میں۔" سنتوش پریشانی کے عالم میں بڑبڑایا آج وہ بہت افسردہ تھا ایک دکھ تو اسے اپنے بچپن کے دوست رام کی موت پر تھا اور دوسرا دکھ خدیجہ کی گمشدگی کا اور تیسرا دکھ یہ تھا کہ وہ رام سے یہ بھی جان نہیں پایا تھا کہ خدیجہ کے گھر کے پاس اس کا رومال کیا کر رہا تھا۔

رام کے ڈھانچے کو دیکھ کر کئی سوالوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، ایک تو وہ بچپن میں جب اغوا ہوا تھا تو وہ کس لئے اور اس کس نے اغوا کیا تھا وہاں بھی ہڈیوں کے ڈھانچے انسپکٹر دیال کو ملے تھے ایسی حالت ہی اس کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی ایسا اس نے اپنے ماں باپ اور انسپکٹر دیال سے سنا تھا وہ سادھو بھی نجانے اس سے کیا چاہتا تھا لیکن ایک اہم نقطہ جو اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا وہ یہ تھا کہ اس لاکٹ کے پیچھے ضرور کوئی راز تھا اور کوئی چاہتا تھا کہ وہ یہ لاکٹ نہ پہنے لیک کیوں؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

ان گوشت پوست کے بغیر ڈھانچوں کا تعلق بھی ایک ہی شخص سے تھا۔ آج چوتھا دن تھا خدیجہ گھر سے لاپتہ تھی سنتوش نے ابھی تک اس لاکٹ کا استعمال بھی نہیں کیا تھا۔

"سنتوش بابو کوئی یہ چھٹی آپ کے نام دے کر گیا ہے۔" اچانک سنتوش کے ملازم نے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کاغذ لہراتے ہوئے کہا تو اس نے چونکتے ہوئے وہ کاغذ پکڑا۔

"یہ کون دے کر گیا ہے۔" سنتوش نے وہ کاغذ پکڑتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں سنتوش بابو..... کوئی اجنبی شخص تھا۔" ملازم نے بتایا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" سنتوش نے کہا تو ملازم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ سنتوش نے وہ کاغذ پکڑا اور اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ خدیجہ تمہیں صحیح سلامت مل جائے تو اپنے گلے میں پہنا ہوا لاکٹ اتار دو۔"

کاغذ پر بس اتنی سی تحریر تھی اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ سنتوش نے حیرانگی سے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اس نے تین چار مرتبہ کاغذ کی تحریر پڑھی لیکن ان چند الفاظ کے علاوہ کاغذ پر کچھ نہ تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" سنتوش نے کہتے ہوئے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا۔

"یہ آخر چکر کیا ہے۔"

اس نے لاکٹ کو ہاتھ لگایا تو اس کے کانوں میں عبداللہ چوکیدار کے وہ الفاظ گونجے جو اس نے سنتوش کو لاکٹ دیتے وقت کہے تھے۔

"بیٹا زندگی کے کسی بھی مشکل وقت میں یہ لاکٹ تمہاری مدد کرے گا کبھی بھی پریشانیوں اور وسوسوں میں گھر کر اس لاکٹ کو اپنے آپ سے جدا نہ کرنا۔"

اس نے لاکٹ پر سے ہاتھ ہٹایا اب وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا کبھی وہ لاکٹ کے بارے میں سوچتا تو کبھی خدیجہ کے بارے میں، لاکٹ نے زندگی کے ہر مشکل موڑ پر اس کی مدد کی تھی اور خدیجہ اس کے محسن اور رہبر کی بیٹی تھی آخر اس نے لاکٹ کی زنجیر میں انگلی ڈال کر گھمانا شروع کر دی آنکھیں بھی اس نے بند کر لیں تھیں تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی اس نے کئی عرصے سے پہنا ہوا وہ لاکٹ اتارا اور اسے چوم کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اسی وقت سنتوش کو ایک چکر سا آیا اور وہ لہرا کر بیڈ پر جا گرا۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک میز پر لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں بندھے پایا یہ اس کا کمرہ نہیں

تھا کمرے میں سے انسانی خون کی بو آرہی تھی۔

"یہ..... یہ کون سی جگہ ہے۔" سنتوش پریشانی کے عالم میں خود سے ہمکلام ہوا۔ اس کے سامنے اب کمرے کی چھت تھی جسے وہ کافی دیر گھورتا رہا تھوڑی دیر بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"کیسے ہو سنتوش....." وہ ایک نقاب پوش تھا جس نے اس سے یہ سوال پوچھا تھا۔

"کون ہو تم۔" الٹا سنتوش نے اس سے سوال کر ڈالا۔

"مجھے تم بڑی اچھی طرح جانتے ہو۔" نقاب پوش نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر تم آواز بدل کر مجھ سے بات کر رہے ہو۔" سنتوش نے خدشہ ظاہر کیا۔

"بالکل..... اور چنتا کرنے کی ضرورت نہیں تم مرنے سے پہلے میرا چہرہ ضرور دیکھو گے۔" نقاب پوش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کک..... کک..... کیا مطلب؟" سنتوش ہکلایا۔

"بالکل..... تمہارا مرنا تو طے ہے یہ جو اتنی ہتھیائیں اتنی مشکلیں اور اتنا بڑا اور اتنا لمبا ڈرامے رچا ہے صرف تمہیں ختم کرنے کے لئے ہیں تو ہے۔" نقاب پوش نے بتایا۔

"پرنتو تم میری ہتھیا کیوں کرنا چاہتے ہو آخر میں نے تمہارا بگاڑا کیا ہے۔" سنتوش تقریباً چلاتے ہوئے بولا۔

"تھوڑا دھیرج رکھو تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔" نقاب پوش نے کہا۔

"خدیجہ کہاں ہے۔" سنتوش نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"وہ بھی یہیں ہے اور بالکل ٹھیک ہے اس کی تم چنتا مت کرو۔" نقاب پوش نے کہا۔

"مجھے بتاؤ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور کیوں مجھے اس طرح باندھ رکھا ہے۔" سنتوش غصے سے بولا۔

"پہلے اپنی پریمیکا سے نہیں ملو گے کیا۔" نقاب پوش یہ کہتے ہوئے مسکرایا۔

"کک..... کون پریمیکا۔" سنتوش ہکلایا۔

"خدیجہ اور کون جس سے تم من ہی من میں پریم کرتے ہو۔" نقاب پوش نے کہا۔

"پر..... پر تمہیں کیسے معلوم۔" سنتوش حیران ہوا۔

"میرا بھائی تمہارا ذہن پڑھ سکتا ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"کون سا بھائی۔" سنتوش نے پوچھا۔

"وہی بھائی جس نے بچپن میں تمہارا اپہارن کروایا تھا جس نے تمہارے دوست کو بھیڑیا بنایا تھا سادھو کو تمہارے پیچھے لگوایا تھا اور رام کی ہتھیا بھی اسی نے کی تھی۔" نقاب پوش نے ایک ہی سانس میں کئی انکشاف کر دیئے اور سنتوش حیرت سے نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا بھائی تمہارا اپہارن نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اس سے (بچپن میں) ایک گروہ کا سہارا لیا اس نے اسکول سے تمہارا اپہارن کیا لیکن تم وہاں سے اس لاکٹ کے کارن بھاگ نکلے تھے غصے میں میرے بھائی نے ان گروہ کو انسان سے انسانی ڈھانچے بنا ڈالا میرا بھائی انسان کا گوشت کھا جاتا تھا تاکہ وہ شریر حاصل کر سکے پھر رام اور تم دونوں قبرستان میں گئے تو تم نے وہاں شما کا نام جن کا خاتمہ کر دیا یاد ہے جب بچپن میں تمہارا دوست قبرستان میں ایک درخت کے پیچھے پیشاب کرنے گیا تھا تو پیشاب کے کچھ چھینٹے شما کا پر پڑ گئے جو اس سے چمگادڑ کے روپ میں تھا پرنتو تمہارے لاکٹ نے اس کا کام تمام کر دیا اب اس کا بھائی لیا نا انتقام کی آگ میں جھلسنے لگا اس نے تم پر کئی بار حملے کئے پرنتو تم اس لاکٹ کے کارن بچتے رہے میرے بھائی نے اس کا ساتھ دیا اور تمہارے دوست رام کو اپنے وش میں کر لیا۔

رام نے بھی تم سے لاکٹ چھیننے کی کوشش کی

پرنتو تم نے رام کو چھت سے دھکا دے دیا۔ پھر تم نے سادھو کے کام میں بھی رکاوٹ ڈالی وہ بھی تمہارے کارن انسپکٹر دیال کا دشمن بن بیٹھا میرے بھائی نے اس سادھو کی بھی مدد کی اور تمہارے دوست رنبیر کو انسان سے خونی بھیڑیا بنا دیا۔

"اب تمہیں صرف ایک ہی طریقے سے قابو کیا جا سکتا تھا اور وہ تھی خدیجہ..... میرے بھائی نے خدیجہ کا اغوا رام کے ذریعے کروایا۔ اور لیانا کا آدھا انتقام پورا کرنے کے لئے رام کی ہتھیا بھی کر دی۔"

"اور آج..... آج میرا بھائی تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔" یہاں تک کہہ کر نقاب پوش خاموش ہو گیا۔

"پرنتو تمہارا بھائی میرے پیچھے کس کارن پڑا ہے۔" سنتوش نے پوچھا۔

"اس کی ایک الگ کہانی ہے۔" نقاب پوش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور وہ کیا ہے۔" سنتوش نے پوچھا۔

"یہ کئی برس پہلے کی بات ہے۔ تین دوست تھے ایک تو ان میں مسلمان تھا جس کا نام احمد تھا اور باقی دونوں ہندو دھرم کے اور آپس میں سگے بھائی تھے ان میں سے ایک کا نام راکیش تھا وہ دونوں بھائی کافی غریب تھے راکیش کالے جادو کا ماہر تھا اس کی نظر احمد کی دولت اور پتنی پر تھی جو بے انتہا سندر تھی احمد کا ایک بیٹا بھی تھا راکیش کالے جادو کے ذریعے احمد کی پتنی عائشہ پر کالے جادو کے کافی وار کئے پرنتو عائشہ پر کوئی وار اثر انداز نہ ہوا کیونکہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتی تھی۔

راکیش کے دوسرے بھائی کی نظر صرف اور صرف احمد کی دولت پر تھی ایک رات اپنی ہوس کی آگ کے ہاتھوں مجبور ہو کر راکیش رات کے سمے احمد کے گھر چلا گیا احمد اس دن کسی کام کے کارن دوسرے شہر گیا ہوا تھا وہ احمد کے بیڈ روم میں تو عائشہ اپنے پانچ چھ ماہ کے بچے کے ساتھ سو رہی تھی راکیش کسی بھوکے پیاسے کی طرح عائشہ پر جھپٹا تو عائشہ چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"را..... را..... را..... کیش ..... تت..... تم....." عائشہ اپنا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ہاں میں..... راکیش۔" اس کے سندر جسم پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"تت..... تت..... تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔" عائشہ گھبراتے ہوئے بولی۔

"میں..... میں تم سے پریم کرتا ہوں۔" راکیش نے کہا۔

"پپ..... پریم تمہارا تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے میں شادی شدہ ہوں۔" عائشہ غصے سے بولی۔

"تو کیا ہوا۔" پریم کی راہوں میں کوئی دیوار نہیں آتی۔" راکیش نے کہا اور پھر عائشہ کی طرف بڑھا۔

"حرام زادے۔" احمد کی گرجتی ہوئی آواز راکیش کے کانوں میں پڑی اور راکیش حیرانگی سے واپس گھوما تو سامنے احمد کھڑا غصے سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

"تت..... تت..... تم تو دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔" راکیش نے ہکلاتے ہوئے احمد سے پوچھا۔

"ہاں..... لیکن کمینے انسان تیری درندگی مجھے واپس لے آئی۔" احمد چلاتے ہوئے کہا۔

"آج تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے احمد۔" راکیش نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔

"حرام زادے دوست ہو کے دغا دیتا ہے میں تیرا خون پی جاؤں گا۔" اتنا کہہ کر احمد غصے سے راکیش کی طرف بڑھا۔

راکیش نے تیزی سے اپنا ہاتھ احمد کی طرف کیا تو احمد چیختا ہوا ٹیبل کے شیشے میں جا لگا۔

ادھر راکیش کے دوسرے بھائی کی آنکھ کھلی تو دوسرے کمرے میں راکیش کو نہ پا کر حیران ہوا پھر اس کے ذہن نے کام کیا تو وہ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو راکیش احمد کی پتنی کی طرف ہی گیا ہے کیونکہ وہ اپنے دل کی ہر بات اپنے بھائی کو بتاتا تھا وہ احمد کے گھر پہنچا تو گھر کا دروازہ کھلا ملا تو اس کا وشواس پکا ہو گیا کہ راکیش یہی ہے وہ جب احمد کے بیڈ روم میں پہنچا تو اس نے ایک حیران کن

منظر دیکھا احمد اچھل کر ٹیبل کے شیشے پر جا لگا جس کے کارن اس کا سر پھٹ گیا اور چہرہ خون سے نہا گیا۔

راکیش نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار چاقو آ گیا اس نے وہ چاقو احمد کے سینے میں دے مارا اسی وقت کمرے میں تین چیخیں بلند ہوئیں عائشہ کی احمد کی اور راکیش کے دوسرے بھائی کی۔

راکیش نے تیزی سے عائشہ کو پکڑا راکیش کا بھائی تیزی سے آگے بڑھا.....

"یہ کیا کر دیا تم نے۔" راکیش کا بھائی غصے سے بولا۔

"بھیا آج میں نے عائشہ کو پا لیا۔" راکیش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف تم نے احمد کی ہتھیا کر دی پولیس تمہیں نہیں چھوڑے گی۔" راکیش کے بھائی نے اسے سمجھایا۔

"پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بھیا۔" راکیش مسکراتے ہوئے بولا۔ دونوں بھائی کو باتوں میں مصروف دیکھ کر تڑپتے ہوئے احمد نے ٹیبل کی دراز سے پستول نکالا اور چھ کی چھ گولیاں راکیش کے سینے میں پیوست کر دیں اور راکیش کے منہ سے بھی چیخ نہ نکل سکی۔

عائشہ تیزی سے احمد کی طرف بڑھی مردہ احمد کو دیکھ کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری راکیش کا بھائی راکیش کی موت پر آنسو بہا رہا تھا اسی سے ایک اور عجیب واقعہ ہوا عائشہ کو کچھ اور تو نہ سوجھا اس نے اپنے پتی کے سینے میں پیوست خنجر باہر نکالا اور اپنے پیٹ میں مار لیا عائشہ کی چیخ سے راکیش کا بھائی عائشہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حیران رہ گیا عائشہ فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی اور پھر چند لمحوں میں عائشہ مر چکی تھی۔

پل بھر میں وہ کمرہ خونی کمرہ بن گیا تھا ایک ساتھ تین تین ہتھیائیں ہوئی تھیں اس کمرے میں اس کمرے میں راکیش کا بھائی پریشانی کے کارن کبھی اپنے بھائی کا مردہ شریر دیکھتا کبھی احمد کا اور کبھی عائشہ کا اور کبھی بیڈ پر روتے احمد اور عائشہ کے بیٹے عبدالرحمٰن کی طرف جو اس کارروائی کے دوران جاگ گیا تھا۔

اچانک راکیش کے بھائی کے ذہن میں ایک ماسٹر پلان نے روشنی کی اس نے روتے ہوئے عبدالرحمٰن کو اٹھایا اور اپنی پتنی کے پاس لے گیا اسے بتایا کہ احمد اور عائشہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور راکیش بھی اس ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا ہے۔

بھولی بھالی پتنی اس کی باتوں میں آ گئی اور اس نے عبدالرحمٰن کو سینے سے لگا لیا ویسے بھی اس کے ہاں سنتان نہیں تھی اب راکیش کا بھائی احمد کے گھر میں دوبارہ واپس آیا اس نے تینوں لاشوں کو ٹھکانے لگایا اسے گھر کی تجوری سے کافی مال مل گیا پر نتو دور دور تک پھیلی جائیداد کے کاغذات ملے تو اس نے پڑھا احمد نے اپنی ساری جائیداد اپنی پتنی کے نام اور اس کے بعد عبدالرحمٰن کے نام کی تھی اب راکیش کا بھائی سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس نے احمد کے وکیل کو خریدا۔

وکیل نے مشورہ دیا کہ تم گھر سے ملنے والے کیش سے کسی گاؤں میں گھر خریدو اور عبدالرحمٰن کی دیکھ بھال کرو جب عبدالرحمٰن جوان ہو جائے گا تو کسی طریقے سے تم وہ جائیداد اپنے نام کروا لینا۔" اور پھر راکیش کے بھائی نے وکیل کے منصوبے پر عمل کر ڈالا۔

راکیش کا بھائی تو پہلے ہی چاہتا تھا کہ کب وہ عبدالرحمٰن کی جائیداد حاصل کرے اور کب وہ عبدالرحمٰن کی ہتھیا کرے راکیش عبدالرحمٰن کے چند قطرے خون کے چاہتا تھا پر نتو وہ ہر بار ناکام رہا راکیش نے عبدالرحمٰن کا اپہرن کروایا پر نتو عبدالرحمٰن بچہ ہونے کے کارن اس لاکٹ کی شکتیوں کے کارن بچتا رہا لاکٹ کے ہونے کے کارن راکیش عبدالرحمٰن کو کبھی چھو بھی نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے کئی حربے آزمائے پر نتو وہ اتنا شکتی شالی ہونے کے باوجود ناکام رہا اور آج ..... آج وہ کامیاب ہو گیا ....." اتنا کہہ کر نقاب پوش خاموش ہو گیا اور سنتوش حیرانگی سے نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں میں ہوں راکیش کا بھائی۔" نقاب پوش

نے کہا۔

پر سنتوش کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔

"ہاں بالکل احمد کے بیٹے عبدالرحمٰن تم ہی ہو۔" نقاب پوش نے بظاہر سنتوش پر بم پھینکا۔

"اور میں ہو تمہارا فرضی چاچا دیانند اور راکیش کا بھائی۔"

یہ ایک ایسا دھماکا تھا جس نے سنتوش کو اندر تک ہلا دیا تھا اور اس کے دل کا غبار آنسوؤں کی صورت میں نظر آیا تھا دیانند نے اب اپنا نقاب اتار دیا تھا سنتوش غم اور حیرت سے دیانند کی طرف دیکھ رہا تھا اسے اس بات کی بالکل بھی توقع نہ تھی کہ اس کھیل کا اصل کھلاڑی دیانند ہو گا دیانند اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"صرف دولت کے کارن تم نے اتنا بڑا ڈرامہ رچایا۔" سنتوش درحقیقت عبدالرحمٰن غم زدہ لہجے میں بولا۔

"دولت بہت کچھ کرواتی ہے بیٹا میں نے کوشش کی تمہیں اپنا سپوت سمجھوں پر نتو تم احمد کے بیٹے ہی نکلے اسلام دھرم کی ہی باتیں کرتے رہے اسی کارن میں نے سوچا تم سے دولت حاصل کروں اور تمہارا کام تمام کروں اب تم جلدی سے ان کاغذات پر سائن کر دو۔" دیانند نے جیب سے پراپرٹی کے کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... میں یہ سائن ہرگز نہیں کروں گا۔" عبدالرحمٰن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کا اپائے ہے میرے پاس۔" دیانند نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا دوسرے کمرے میں خدیجہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی دیانند اسے بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر کمرے میں لے آیا ٹیبل کے قریب لا کر اسے زمین پر لٹا دیا اور جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ خدیجہ کی طرف کیا۔

"بولو ان کاغذات پر سائین کرو گے یا ختم کر دوں تمہاری اس پریمیکا کو۔" دیانند سفاک لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے کرتا ہوں ان کاغذات پر سائن۔" عبدالرحمٰن نے دیانند کا رویہ دیکھتے ہوئے آخر کار ہار مانتے ہوئے کہا۔

"میرے ہاتھ کھولو۔"

دیانند مسکرایا اور اس نے آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کے ہاتھ کھول دیئے اس نے کاغذات عبدالرحمٰن کے قریب کئے تو عبدالرحمٰن نے ان کاغذات پر سائن کر دیئے۔

"ویری گڈ سنتوش بیٹا اب میں تمہاری جائیداد کا اکلوتا وارث ہوں۔" دیانند کسی بچے کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"دولت کی ہوس انسان کو لے ڈوبتی ہے صرف دولت کی خاطر تم نے اتنا بڑا ڈرامہ رچایا پر نتو موت کے سے انسان خالی ہی جاتا ہے صرف انسان کے کرم اور عمل ساتھ جاتے ہیں پر نتو افسوس تم ان دونوں چیزوں سے خالی ہو۔" عبدالرحمٰن افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

"جب مروں گا تب دیکھا جائے گا۔" دیانند لاپرواہی سے بولا۔

"ٹھیک ہے میرا کام تو ختم ہوا اب تم اپنا ادھوار کام پورا کرو۔"

اسی وقت کمرے میں ایک سایہ سا نمودار ہوا اور عبدالرحمٰن کے قریب آیا عبدالرحمٰن نے سایہ کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا کیونکہ وہ اس کے ماں باپ کا قاتل تھا۔

"اللہ اکبر....." اچانک خدیجہ نے آنکھیں کھول کر کہا اسی وقت سایہ کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ "بھیا اس کی آواز بند کرو۔" سایہ میں سے تیز اور کرخت آواز خارج ہوئی دیانند تیزی سے خدیجہ کی طرف بڑھا سایہ نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تیز چاقو آ گیا خدیجہ کے قریب پہنچتے پر دیانند نے اس کے گال پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا تھپڑ کی وجہ سے خدیجہ کا ہونٹ پھٹ گیا اور پھر دیانند نے تیز دھار چاقو عبدالرحمٰن کے سینے میں دے مارا اسی وقت

کمرے میں ایک تیز اور زوردار چیخ گونجی۔

وہ چیخ خدیجہ کی تھی جو خوف کے باعث اس کے منہ سے نکلی تھی۔

"یہ..... یہ کیا..... راکیش یہ..... کیا ہوا۔" دیانند ہکلائی ہوئی آواز میں بولا۔ ان دونوں بھائیوں (راکیش اور دیانند) نے جو کچھ سوچا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا چاقو سنتوش کے سینے میں لگتے ہی پورا ٹیڑھا ہو گیا تھا جیسے لوہے کی کسی سخت چیز سے ٹکرایا ہو۔

"یہ..... یہ کیا۔" راکیش بھی ہکلایا خدیجہ بھی کم حیران نہ تھی۔

"تم کیا سمجھے ہو..... میں نے وہ لاکٹ اتار دیا تو کیا میری شکتیاں کم ہو گئیں ارے بے وقوفو اب وہ لاکٹ میرے دل میں محفوظ ہو چکا ہے الحمدللہ یہ اس ذات کا کرم ہے کہ اس نے میرا جسم ایک علمی گھرانے میں کیا پر نتو سماج کے کچھ بے دھرم لوگوں نے میرا دھرم بدلنا چاہا پر نتو اللہ کی اس ذات نے مجھ پر کرپا کی مجھے عبداللہ انکل سے ملوایا جنہوں نے مجھے میرے اصل مقصد سے آگاہ کیا۔"

"اللہ نام کا وہ لاکٹ ہر مشکل موڑ پر میری مدد کرتا رہا تم جیسے شیطان کے پجاریوں سے میرا بچاؤ کرتا رہا بار بار تم دونوں بھائیوں نے وہ لاکٹ میرے گلے سے اتروانے کی کوشش کی پر نتو اللہ کی ذات نے ہر مشکل قدم پر میری رہنمائی کی میں نے جب جب وہ لاکٹ اتارنا چاہا میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں تب ہی میرے کانوں میں آواز گونجی۔ "اللہ کی ذات تو تیرے دل میں ہے۔" اور میں مسکرا دیا اور اب وہی ذات راکیش کا خاتمہ کرے گی۔" اتنا کہہ کر سنتوش نے نگاہیں اوپر کیں اور اونچی آواز میں "اللہ اکبر" کہا۔

راکیش کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی سنتوش بار بار اللہ اکبر کے نعرے لگاتا رہا اور راکیش کے منہ سے تیز چیخیں نکلتی رہیں۔

اچانک کمرے میں نجانے کہاں سے ایک تیز روشنی نمودار ہوئی اور تیزی سے سایہ سے چمٹ گئی سایہ کی چیخوں کی آواز میں مزید اضافہ ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد وہ روشنی غائب ہوئی تو وہ سایہ راکیش بھی غائب تھا۔

"مم..... مم..... میرا بھائی کہاں غائب ہو گیا۔" دیانند چیختے ہوئے بولا..... وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، خدیجہ اپنی جگہ سے اٹھی اور عبدالرحمٰن کی زنجیریں کھولنے لگی۔

"ویسے آپ کے فرضی باپ کا پلان تو بڑا حیران کن تھا۔" خدیجہ نے کہا۔

"برے کام کا برا نتیجہ ہی ہوتا ہے خدیجہ اسی لئے تو وہ پاگل ہو گیا ہے۔ حیران تو میں بھی بہت ہوں کہ جس دولت کے حصول کے لئے دونوں بھائیوں نے اتنا کچھ کیا اسے وہ نہ استعمال کر سکے۔" عبدالرحمٰن نے کہا۔

"افسوس دیانند پاگل ہو گیا۔"

"انسان حرص اور ہوس میں کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔" خدیجہ نے کہا۔

"ویسے ایک بات کہوں تم سے۔" عبدالرحمٰن کہتے کہتے رکا۔

"جی کہیئے۔" خدیجہ متوجہ ہوئی۔

"نہیں کچھ نہیں۔" جواباً عبدالرحمٰن مسکرایا۔

"یہی بات آپ شادی سے پہلے کہتے تھے اور پھر اسی طرح رک جاتے تھے۔" خدیجہ نے کہا۔

"آخر بتایئے تو سہی یہ کیا راز ہے۔"

"دراصل میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ کیا تم اپنا نقاب اتار کر اپنا چہرہ مجھے دیکھا سکتی ہو لیکن پھر میں خاموش ہو جاتا۔" عبدالرحمٰن نے بتایا۔

"اچھا..... تو یہ بات تھی..... تو پھر نقاب اترنے کے بعد آپ نے کیا دیکھا۔" خدیجہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ماشاء اللہ تم بہت خوبصورت ہو اللہ نے تمہیں چہرے کے ساتھ ساتھ تمہارا دل بھی خوب صورت بنایا ہے۔" عبدالرحمٰن نے کہا تو خدیجہ نے مسکراتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

(ختم شد)

آسیب زدہ مکان

ڈاکٹر رانا عامر شہزاد۔ ننکانہ صاحب

ایک خوفناک وجود نمودار ہوا اس کے چہرے کی ہڈیاں صاف نظر آرہی تھیں، اور منہ سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، اور جب چھت پر نظر گئی تو پوری چھت پر چھوٹے چھوٹے سانپ رینگ رہے تھے۔

قدم قدم پر خوف پھیلاتی اور دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی..... ناقابل فراموش کہانی

شہزاد آج بہت خوش تھا کیونکہ ایم بی اے کرنے کے بعد ایک طویل انتظار کے بعد اسے اپنے گاؤں سے بہت دور ایک پہاڑی علاقہ میں واقع سیمنٹ کی فیکٹری میں بطور منیجر کی نوکری مل گئی تھی لیکن فیکٹری میں جا کر اسے معلوم ہوا کہ یہاں رہائش کا انتظام نہیں ہے اور دوسرے ملازمین فیکٹری سے ملحقہ بستی میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے زیادہ تر لوگ صرف ایک ایک کمرے پر مشتمل گھروں میں رہتے تھے اس لیے اس کے ساتھی ملازم چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد کرنے سے قاصر تھے۔

مگر مجبوری کی وجہ سے اس کے نائب قاصد کاشف نے اسے ابتدائی کچھ دن اپنے گھر میں ٹھہرالیا، اور ان دنوں شہزاد نے ہر ممکن کوششیں کیں کہ کسی طرح اسے کوئی کمرہ وغیرہ کرایہ پر مل جائے کیونکہ وہ جلد از جلد کاشف کے گھر

سے چلا جانا چاہتا تھا، اس کا ضمیر اسے مسلسل ملامت کر رہا تھا کہ ایک کمرے پر مشتمل گھر جس میں کاشف کے بیوی بچے بھی رہتے تھے وہ کس طرح ٹھہرے؟

اس بے روزگاری کے دور میں شہزاد کو انتہائی اچھی ملازمت ملی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت خوش تھا اور وہ ہر حال میں کسی کرائے کے کمرے کو حاصل کرنا چاہتا تھا جب رہائش کا کوئی انتظام نہ ہوا تو اسے کسی ساتھی ملازم سے معلوم ہوا کہ اس پوری بستی میں صرف شوکت فورمین جو کہ اسی فیکٹری کا ملازم ہے اس کے پاس ایک خالی گھر موجود ہے جسے کافی عرصہ سے کسی نے بھی بھی بطور رہائش استعمال نہیں کیا کیونکہ جو بھی وہاں ٹھہرا ایک ماہ سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ گیا وجہ آسیب بتایا جاتا کرایہ داروں کی یہ شکایت تھی کہ اس مکان میں جنات اور بدروحوں کا قبضہ ہے کبھی کسی کے رونے اور کبھی کسی کے چلنے کی آوازیں آتی ہیں اور کبھی عجیب و غریب سائے نظر آتے ہیں۔

شہزاد یہ باتیں سن کر کھل کھلا کر مسکرانے لگا اور اپنے ساتھی کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔ ”میں ایسی دقیانوسی اور جاہلانہ باتوں پر قطعی یقین نہیں رکھتا یہ سچ ہے کہ دنیائے عالم میں جنات موجود ہیں مگر وہ اپنی مقررہ جگہوں پر ہی رہتے ہیں لوگوں کے مکان وغیرہ پر قبضے نہیں کرتے اور جنات کے بارے میں مذاقاً طرح طرح کی باتیں کرنے لگا اپنے ساتھی کے منع کرنے کے باوجود اس نے مالک مکان سے ملنا چاہا، اسے کاشف پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ جب بستی میں ایک خالی مکان موجود ہے تو اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟

جلد ہی کاشف سے اس نے بات کی تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ”سر جی! میں بھلا آپ کو کیسے مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہوں؟ وہ مکان نہیں بدروحوں کا مسکن ہے، وہاں آپ کو کسی صورت بھی نہیں جانا چاہیے۔“

شہزاد نے اس سے کہا۔ ”یار یہ سب باتیں لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں ایسی فرسودہ باتوں پر میں یقین نہیں رکھتا۔“ اور اگلے ہی کچھ لمحوں میں وہ دونوں شوکت کے پاس موجود تھے۔

شوکت تو پہلے ہی یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کا مکان کرائے پر چڑھ جائے لہٰذا اس نے مناسب کرایہ میں فوراً گھر دینے کی حامی بھر لی اور ساتھ یہ خوش خبری بھی دی کہ گھر میں ضروریات زندگی کا بیشتر سامان پہلے سے ہی موجود ہے بس آپ اپنا بیگ لے کر شام ہوتے ہی تشریف لے آئیں، میں ابھی جا کر صفائی وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔“

کاشف نے شہزاد کو بتایا کہ ”شوکت فورمین کے دو بچے ہیں بیوی انتقال کر چکی ہے اس بستی میں اس کے دو مکان ہیں ایک میں خود رہتا ہے اور دوسرا کرائے پر دینے کے لیے بنایا تھا مگر اس پر آسیب نے قبضہ کر لیا۔“ اور یہ بات سن کر شہزاد طنزیہ مسکرا دیا۔

چھٹی کے بعد کاشف کسی ضروری دفتری کام کی وجہ سے شہزاد کے ہمراہ نہ جا سکا لہٰذا شہزاد نے اکیلے ہی اپنا سامان کاشف کے گھر سے اٹھایا اور شوکت کے گھر کی جانب چل پڑا، راستے میں ہی شوکت اسے مل گیا جو کہ آج بہت خوش نظر آ رہا تھا جلد ہی وہ دونوں اس مکان کے اندر موجود تھے مکان خوبصورت تھا صحن کافی کشادہ، واحد کمرے کے آگے چھوٹا سا برآمدہ، علیحدہ کچن اور واش روم اور چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں بھی موجود تھیں اور گھر میں مکمل ضروری سامان مثلاً بیڈ، چارپائی، صوفے، پردے، برتن وغیرہ حتیٰ کہ فرش پر کارپٹ بھی بچھا ہوا تھا، ان سب چیزوں کو دیکھ شہزاد بہت خوشی محسوس کر رہا تھا۔

شوکت فورمین نے اسے بتایا کہ ”منیجر صاحب بستی کے لوگوں نے اس مکان کے بارے میں صرف حسد کی وجہ سے عجیب و غریب باتیں پھیلا رکھی ہیں۔

لہٰذا آپ مکمل اطمینان اور سکون سے یہاں ٹھہریے کوئی بھی مسئلہ ہو تو میں چوبیس گھنٹے آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔“

پہلی رات دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر شوکت نے یہ کہتے ہوئے

شہزاد سے جانے کی اجازت چاہی کہ اس کے ”گھر میں بچے اکیلے ہیں ورنہ کم از کم آج کی رات میں آپ کے پاس ضرور ٹھہرتا۔“

دن گزرتے رہے اور شہزاد کے ساتھ کوئی نا خوشگوار واقعہ پیش نہ آیا جس کی وجہ سے اس کا دل اس مکان کی طرف سے مطمئن ہو گیا اردگرد کے تمام لوگ اس بات پر حیران تھی کہ آخر شہزاد اب تک اس آسیبی مکان میں کیسے رہ رہا ہے؟

اچھی ملازمت اور بہترین رہائش ملنے کی وجہ سے شہزاد بہت خوش تھا اسے صرف ایک ہی مسئلہ تھا اور وہ تھا ”تنہائی“ کیونکہ لوگ اس مکان میں آنا تو دور کی بات اس کے قریب سے گزرنے سے بھی ڈرتے تھے بلکہ بعض لوگ تو شہزاد کو بھی مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے، ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا اسے تنخواہ بھی مل چکی تھی حالات اطمینان بخش تھے۔

ایک رات ٹھیک بارہ بجے شہزاد کو گھبراہٹ محسوس ہوئی اور وہ پانی پینے کی غرض سے کچن میں گیا لائٹ آن کی اور پانی کا نل کھولا، نل کھلتے ہی اس کے ہاتھوں پر تازہ خون گرنے لگا، خون دیکھ کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے مگر اگلے ہی لمحے نل سے پانی نکل رہا تھا۔ اور خون کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

جلد ہی شہزاد نے خود کو سنبھالا اور نیند کی حالت میں اٹھ کر آنے کی وجہ سے اس بات کو اپنا وہم سمجھ کر پانی پیا اور جا کر بیڈ پر لیٹ گیا، ابھی اسے لیٹے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس نے کھڑکی سے کسی سائے کو واضح طور پر گزرتے دیکھا، وہ فوراً اٹھ کر باہر آیا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا اس نے سارا گھر حتیٰ کہ چھت پر بھی دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔

اب وہ اندر سے کچھ ڈر چکا تھا پھر وہ سونے کی کوشش کرنے لگا نجانے رات کے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔

اگلے دن رات رونما ہونے والے واقعات کے بارے اس نے صرف شوکت سے بات کی مگر شوکت نے اس کی باتوں کی نفی کرتے ہوئے کہا۔ ”منیجر صاحب! یہ صرف آپ کا وہم ہے بھلا آج کل کے زمانے میں ایسی دقیانوسی باتوں پر کون یقین کرتا ہے؟

نمائش

ایک صاحب اپنے بیوی بچوں کو میلہ دکھانے گئے۔ گھومتے گھومتے وہ ایک خیمے کے پاس سے گزرے جس کے باہر ایک شخص ڈھول پیٹتے ہوئے چلا رہا تھا۔

”آیئے آیئے۔“

وہ اپنے بیوی بچوں سمیت وہاں کھڑے نہایت سنجیدگی سے اس شخص کو دیکھنے لگے۔

”جناب! کیا آپ اندر جا کر بارہ سنگھا نہیں دیکھیں گے۔“ اس نے پوچھا۔ ”صرف دو روپے کا ٹکٹ ہے۔“

”نہیں جناب میں اتنا خرچہ برداشت نہیں کر سکتا۔ ان صاحب نے مزید کہا تم دیکھ رہے ہو۔ میرے ساتھ میرے انیس بچے اور ایک بیوی بھی ہے۔“

”یہ انیس بچے آپ کے ہیں۔“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”بے شک“

اس کا مطلب ہے کہ آپ کل اکیس افراد ہیں؟“ تب آپ یہیں ٹھہریئے، میں اندر سے بارہ سنگھا کو لے آؤں تاکہ وہ آپ کو دیکھ لے۔“ اس نے پرجوش ہو کر کہا۔

(انوری رمضان، پنڈ دادن خان)

اور ویسے بھی ماشاء اللہ آپ تو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔“ یہ سن کر شہزاد کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔

مزید ایک ہفتہ گزر گیا مگر کسی نا خوشگوار واقعہ سے شہزاد کا سامنا نہ ہوا۔

ایک رات جب چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا شہزاد کھانا کھا کر جلد ہی سو گیا۔ رات کے تیسرے پہر اسے محسوس ہوا کہ جیسے صحن میں کوئی چہل

قدمی کررہا ہے اس نے گھبراتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے ایک عجیب وغریب منظر اس کا منتظر تھا، پورا صحن بے شمار بکریوں سے بھرا ہوا تھا جن کی ٹانگیں بہت لمبی تھیں اوان کے سر دیواروں سے بھی اونچے تھے یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور فوراً کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا دم بخود کافی دیر وہ کھڑا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو صحن میں کچھ بھی نہیں تھا۔

آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ واقعی یہ مکان آسیب زدہ ہے۔

صبح ہوتے ہی اس نے کافی دنوں بعد نماز فجر ادا کی اور اپنے رب کا شکر ادا کیا کہ رات وہ غیر مرئی مخلوق سے محفوظ رہا۔

دن کے اجالے میں اس کا ڈر کافی حد تک رفو ہو چکا تھا، آج ایک بار پھر اس نے کوئی اور رہائش ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی، وہ رہائش اتنی مشکل سے ملی نوکری کو کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہتا تھا وہ شرم کے مارے پیش آنے والے خوفناک واقعات کے متعلق کسی سے بات بھی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ سب نے اسے اس آسیبی مکان میں رہنے سے منع کیا تھا۔

شوکت قسمیں کھا کر اسے تسلیاں دے رہا تھا کہ اس مکان میں کچھ بھی نہیں ہے شام ہو چکی تھی وہ اس مکان میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر مرتا کیا نہ کرتا کے مقصداق اسے مکان میں جانا ہی پڑا اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب خدانخواستہ اس کے ساتھ کوئی بھی خوفناک واقعہ پیش آیا تو وہ ملازمت ہی چھوڑ دے گا۔

اس رات اسے نیند نہیں آرہی تھی اس کے دل میں عجیب سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے، آخر تھک ہار کر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا زیرو واٹ کا بلب اس نے آن ہی رہنے دیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بیڈ پر اس کے ساتھ کوئی اور بھی لیٹا ہوا ہے، اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک انتہائی ہیبت ناک، خوفناک اور دلخراش منظر اس کے سامنے تھا۔

ایک شخص سر سے پاؤں تک مکمل جلا ہوا اور کپڑوں سے آزاد اس کے بالکل ساتھ لیٹا ہوا تھا جس کی آنکھیں انتہائی سرخ اور چہرے کی اندرونی ہڈیاں صاف نظر آرہی تھیں اور منہ سے عجیب وغریب چنگاریاں نکل رہیں تھیں، جسم سے بدبو کے بھبھکے اٹھ رہے تھے جس کی وجہ سے اس کا دم گھٹنے لگا وہ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر کمرے کی چھت اور دیواروں پر پڑی تو وہاں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے سانپ رینگ رہے تھے

اور پھر اسی لمحے کمرے کا دروازہ خود بخود کھلا اور ایک انتہائی بدصورت چڑیل جس کا نچلا دھڑ کسی خطرناک جانور جیسا تھا نیز اس کے کئی بازو تھے۔

وہ دل پھاڑ دینے والی چیخ کے ساتھ اس کی جانب دوڑی کہ اچانک شہزاد کی زبان پر ذکرِ الٰہی شروع ہو گیا اور وہ آنکھیں بند کرکے اونچی آواز میں ورد کرنے لگا، آج اسے اپنی موت بالکل سامنے نظر آرہی تھی۔

مگر ذکرِ الٰہی کی برکت سے کوئی چیز بھی اسے نقصان پہنچانے سے قاصر رہی، تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا، وہ فوراً ہی اٹھ کر سجدے میں گر گیا۔

اللہ اللہ کر کے وہ رات گزری اور صبح ہوتے ہی اس نے اپنا سامان پیک کیا اور سیدھا شوکت کے گھر گیا، اسے بقیہ کرایہ اور چابی واپس کی پھر کاشف کو ملازمت سے اپنا استعفیٰ تھما کر کہا کہ اسے دفتر پہنچا دینا اور خود صبح کی پہلی بس سے اپنے گاؤں کے لئے روانہ ہو گیا۔

راستے میں وہ سوچ رہا تھا کہ انسان جتنی مرضی سائنسی ترقی کر لے پھر بھی وہ غیر مرئی طاقتوں اور مخلوقات کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کا مذاق اڑا سکتا ہے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو پھر خود غیر مرئی طاقتیں اپنے وجود کا احساس دلانے اور مذاق اڑانے کا جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتی ہیں اور انسان کو ایسی سزائیں دیتی ہیں جنہیں انسان پوری زندگی بھلانا چاہے بھی تو بھلا نہیں سکتا۔

سامانِ عبرت

رضوان قیوم-راولپنڈی

کمرے میں ایک مرد اور ایک عورت تھے اور جب کمرہ کھولا گیا تو کمرے سے ایک کالی بلی باہر نکلی اس بلی کے منہ پر خون لگا ہوا تھا وہ اپنا منہ چٹخارتی ہوئی نکلی اور ایک طرف کو چلی گئی اور پھر.....

بری عادتوں کے عادی لوگ اکثر نشانِ عبرت بن جاتے ہیں، کہانی پڑھ کر دیکھیں

یہ ناقابل یقین مافوق الفطرت واقعہ مجھے ایک بوڑھے ریٹائرڈ پولیس مین نے سنایا جو کہ ابھی بھی حیات ہے اور اس جناتی واقعہ کا چشم دید گواہ ہے..... میں اس کہانی کا نام کردار اور جہاں یہ واقعہ رونما ہوا اسے راوی کی خواہش کے پیش نظر تبدیل کررہا ہوں۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر استدعا کی تھی کہ یہ جو کہانی سنا رہا ہے۔ وہ صرف کہانی نہیں بلکہ اس کی زندگی کا ایسا شرمندہ راز ہے جسے وہ صرف مجھے اس لیے سنا رہا ہے کہ اسے پڑھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

خاص طور پر انہیں جو دائمی شرابی اور زانی عادات کا شکار ہوتے ہیں۔

اس مذکورہ سچی کہانی میں روایاتی انداز سے اس بات سے اجتناب کررہا ہوں کیونکہ یہ بوڑھا ریٹائرڈ مجھے کہاں اور کیسے ملا یا اس سے میری شناسائی کیسے ہوئی۔ اس وجہ سے کہ میں چونکہ اکثر اچھوتی اور سچی کہانیوں کی جستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہتا ہوں میرا مقصد ان لوگوں کی زندگی سے لپٹی ہوئی کچھا لوکھی کہانیاں تلاش کرنا ہوتا ہے۔

ایک دن میرے کریدنے پر اس ریٹائرڈ پولیس مین نے اپنی زندگی میں بیتی جوانی کے دنوں کا ایک دلخراش واقعہ سنایا۔ اس نے چائے کی چسکی لی اور اپنی کہانی سناتے

ہوئے اپنے لب ہلائے۔ بقول اس کے۔ ”میں وزیر آباد شہر کے ایک مضافاتی گاؤں میں پیدا ہوا۔ یہ علاقہ اس زمانہ میں انتہائی نہ گفتہ اور سرکاری سطح پر بالکل عدم توجہ کا شکار تھا۔ گاؤں کا ایک پانی کا کنواں وہاں کے باسیوں کی نہ صرف پیاس بجھاتا تھا بلکہ تمام آبی ضروریات کو بھی پورا کرتا تھا۔ ڈسپنسری اسکول، مسجد، اور مندر دور دور تک یہاں موجود نہ تھے۔ میرا باپ ایک ہندو زمیندار آنند پال کا مزارعہ تھا۔ یہ ہی نہیں اور بھی بے شمار غریب لاچار مزارعے اپنی معاشی مجبوری کی بناء پر اس کی چاکری کرنے پر مجبور تھے۔ ان میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی تھی مسلمان تو اس زمانہ میں گوروں، سکھوں، ہندوؤں کی نظر میں کانٹے کی مانند چبھا کرتے تھے۔ ان کا اور ان کی نسلوں کا مستقبل ہر لحاظ سے تاریک تھا۔ اس لیے ہم مسلمان بچے غیر ارادی طور پر تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے۔

میں جب اس گاؤں میں تھا تو میری عمر تقریباً 13 سال تھی۔ میں سارا دن اپنے گاؤں کے دیگر ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بے مقصد ادھر ادھر پھرا کرتا تھا۔ میرا ایک ہم عمر دوست ہیرا سنگھ تھا اس کا باپ دور شہر کے کسی سینما کا منیجر تھا۔ وہ شرابی، عیاش آدمی تھا۔ ہیرا سنگھ مجھے کہتا تھا کہ۔ ”اس کا باپ روزانہ شراب کا چسکا حاصل کرتا ہے۔ اسے میری ماں بہن بھائیوں کی کوئی فکر نہیں۔ بس ہمیں ماہانہ معقول خرچ بھیج دیتا ہے۔ یہ بھی اس کی نیکی ہے ماں بھی اسے کچھ نہیں کہتی بلکہ صبر کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔ ویسے اس زمانہ کے لحاظ سے بہت سا روپیہ پیسہ ہیرا سنگھ کے پاس ہوتا تھا۔ جسے وہ خرچ کرتے ہوئے ذرا بھی ہچکچاتا نہیں تھا۔ باپ کی لاپرواہی عیاشی کی وجہ سے وہ خود بھی ایک عیاش اور آوارہ بن چکا تھا۔ یوں تو اس کی اور بھی گاؤں میں بہت سے ہم لڑکوں سے دوستی تھی۔ لیکن میری سنگت اس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

ایک دن ہم گنے کے کھیت میں بیٹھ کر شراب پی رہے تھے۔ یہ شراب وہ اپنے باپ کی الماری سے چرا کر لایا تھا۔ شروع میں تو وہ کڑوی لگی خیر آہستہ آہستہ شراب کے گھونٹ حلق میں انڈیل رہے تھے کہ ہمارے سامنے کھیت میں گاؤں کی ایک بہت غریب لڑکی رفع حاجت کے لیے آئی۔ اس نے ہمیں نہیں دیکھا ہم نے اسے دیکھ لیا تھا۔

ہیرا سنگھ نے للچائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اور میں نشے میں تھے۔ اس نے مجھے کہا کہ۔ ”تو تھوڑی دیر رک میں ذرا آتا ہوں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد اس کو نہ جانے کس طرح ورغلا کر لے آیا۔ پھر میں نے اور ہیرا سنگھ نے اس کی معاشی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کی عزت سے کھلواڑ کیا۔

خیر وقت گزرتا رہا۔ میرا باپ مر گیا، ہیرا سنگھ کی غلط سنگت اس کی آوارگی میرے ذات پر اتنی اثر انداز ہوئی کہ شراب نوشی اور عورت میری کمزوری بن گئی تھی۔ میں نے بیوہ ماں اور یتیم چھوٹے بہن بھائیوں کی بھی کفالت کی ہرگز پرواہ نہ کی اور میں جالندھر بھاگ کر محکمہ پولیس میں بطور سپاہی بھرتی ہو گیا۔ اب میرا واسطہ یہاں پر نئے شرابی اور زانیوں سے پڑا۔

پاکستان بننے کے ٹھیک تین سال پہلے یعنی 1944ء میں میری ڈیوٹی جالندھر کے ایک ایسے صاحب کی کوٹھی کے باہر لگا دی گئی جو میری طرح اول درجے کا زانی، شرابی تھا لیکن اسے میری طرح قوم لوط کی طرح ناپاک گندی عادت نہ تھی۔

اسے جب میری ان عادتوں کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ”تم میرے اور اپنے لیے شراب کے ساتھ شباب کا بھی میرے خرچے پر بندوبست کیا کرو۔“

میرا صاحب اگرچہ شادی شدہ تھا اس کی بیوی خوبصورت، نیک اور جوان تھی اسے اپنے شوہر کی اس عادت کے بارے میں قطعی علم نہیں تھا۔ وہ اسے بہت پارسا سمجھتی تھی۔ اور صاحب بھی اس کے سامنے بہت معزز بنے ہوئے تھے۔ میرے صاحب کا نام محمود تھا۔ وہ ریلوے کے محکمے میں افسر تھے۔

ایک دن میں ان کی کوٹھی کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ تو ان کی بیگم گھبراہٹ میں میرے پاس آئیں اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ ”میرے والد کا اچانک گجرات شہر میں انتقال ہو گیا ہے۔ وہاں سے ٹیلی گرام آیا ہے۔ میں

نے محمود صاحب کو دفتر ٹیلی فون کیا تھا۔ ان کے چپڑاسی نے بتایا کہ وہ دفتر میں نہیں ہیں۔ بہر حال تم کوٹھی کی چابیاں پکڑو اور اپنے صاحب کے کھانے پینے اور کوٹھی کا خیال رکھنا۔ میں ایک ہفتہ تک آجاؤں گی اور یہ بھی انہیں کہنا کہ پہلے میں اپنی بہن کے گھر جاؤں گی اور وہیں سے گجرات کے لیے نکل جاؤں گی۔“

وہ مجھے جلدی میں چابیاں دے کر چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد صاحب آئے تو میں نے بیگم صاحبہ کے جانے کے بارے میں بتایا۔ ”صاحب آپ نہیں جائیں گے۔“ میں نے ان سے پوچھا۔

”دفع کرو کوئی بہانہ کر دوں گا۔ اچھا ہوا بڈھا ٹھکانے لگا۔ چل اسی بہانے ہم دونوں مزے سے گھر میں ڈرنکس پئیں گے۔“

اور انہوں نے مجھے 100 روپے کا نوٹ دیا اور کہا۔ ”جا میرے لیے رتن برادرز سے فلاں شراب لا۔“ میں شراب لایا میں نے اور صاحب نے خوب جی بھر کے پی۔ یار کتنا اچھا موقع ہے۔ کوٹھی میں ہم اکیلے ہیں بیگم گجرات گئی ہوئی ہے یار آج کوئی تتلی پھنس جاتی تو وارے نیارے ہو جاتے۔ صاحب نے نشے کے عالم میں کہا۔

کوٹھی میں صرف صاحب کا راج تھا۔ ہم دونوں خوب پی رہے تھے مجھے تو کوئی نہ کوئی اپنی تفریح کے لیے مل جاتی تھی۔ صاحب مجھ سے روز کہتا کہ ”یار میری لائن کے مطابق پروفیشنل لڑکی لے کر آیا کر۔

ایک روشن صبح میں جب کسی کام سے کوٹھی سے باہر نکلا تو میری نگاہ اتفاق سے سڑک پر کاغذ چننے والی کم عمر جوان لڑکی پر پڑی وہ شکل سے واجبی سی تھی۔ خدوخال اس کے بالکل ٹھکے ہوئے اور بیکار تھے۔ وہ اوپر تا پیر تک غربت اور مفلسی کی زندہ تصویر تھی۔

وہ کاغذ چنتی چنتی جب میرے قریب آئی تو میں نے اس سے پوچھا ”کاغذ چاہئے؟“

”ہاں باؤ جی! کاغذ چاہئے۔“ اس نے مسکین سی صورت بنا کر کہا میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا کہ اسے بڑے طریقے سے اپنی اور اپنے صاحب کی حوس کے لیے پٹایا جا سکتا ہے۔ ”تو اندر آجا۔“ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ کوٹھی میں آئی میں نے اس کو کریدتے ہوئے پوچھا کہ۔ ”کتنے پیسے کما لیتی ہو؟“

”بس گزارہ ہو جاتا ہے۔ باؤ جی 3 سے 4 روپے بن جاتے ہیں بس۔“ کافی اندر آکر اس نے کہا کہ ”کاغذ کہاں ہے؟“

کاغذوں کو چھوڑ اگر میں تجھے 10 روپے دے دوں تو۔“ ویسے تو اس لمحے اپنے منہ سے یہ الفاظ یکدم نکال کر مجھ کا ضرور لیکن یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ اگر اس نے شور مچا بھی دیا تو مکر جاؤں گا اور میرا صاحب تو ویسے بھی مجھ سے ملا ہوا ہے اس کی معزز گواہی دلوا کر اسے منہ پر جھوٹا کر دوں گا۔

اس لڑکی نے ایک لمحہ کے لیے میری طرف دیکھا میرے دل و دماغ کے خلاف تو قع اس نے ہلکی سی شیطانی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر لاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں 50 روپے لوں گی۔ تم کتنے ہو؟“

میں نے اس سے کہا۔ ”چل تجھے 40 روپے دے دیں گے ہم دو ہیں۔“ میں صاحب کے پاس گیا اور صاحب سے بولا۔ ”مبارک ہو کام ہو گیا۔“ میری بات سن کر صاحب خوشی خوشی اپنے بستر سے اچک کر اٹھے۔

جگہ تو محفوظ ہے؟“ اس لڑکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ہاں بے فکر رہو۔“

”پیسے پہلے لوں گی۔“

صاحب نے جھٹ سے اپنی جیب سے 50 کا نوٹ نکالا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ”10 روپے میں تمہیں دے دوں گی۔ چلو یہ کل کے لیے ایڈوانس ہے۔“ وہ خود ہی بولی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عیاشی کا مستقل انتظام ہو گیا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کاغذ واغذ چننا ایک بہانہ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”بس جو مرضی سمجھ لیں میں منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتی کچھ تو شرم و رم ہونا چاہئے بس ادائیں دل کا حال کہہ دیتی ہیں ویسے میں یہ سب پیٹ کی مجبوری کے لیے کر رہی ہوں۔“

صاحب نے مجھ سے کہا کہ۔ ”شراب کی بوتل

میرے پاس چھوڑ اور تو ایسا کر دروازہ بند کر کے باہر چلا جا اور تقریباً 20 منٹ بعد آ جانا۔"

"20 منٹ کیوں؟" اس لڑکی نے اپنے کالے بد شکل ہونٹوں کو ہلاتے ہوئے کہا۔ سچی بات ہے وہ اس وقت بہت بدصورت لگ رہی تھی لیکن یہ اس لمحے مجبوری کا سودا تھا۔ "تم آرام سے آنا میں صاحب کو پوری طرح خوش کروں گی میرے پاس بہت وقت ہے ویسے بھی ابھی صبح کے 8 بجے ہیں۔ تقریباً 40 سے 45 منٹ بعد دروازہ کھٹکھٹانا۔ پھر دوسرا نمبر تمہاری عیاشی کا ہے۔ اب تم جاؤ۔" کاغذ چننے والی نے بڑی کیشلی انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

میں کمرے کے باہر بے چینی سے 40 سے 45 منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے دبا کر شراب کے 3,4 پیگ لئے اور شدت کرب سے اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ کبھی ادھر ٹہلتا اور کبھی ادھر بے چینی سے میری نظریں مسلسل گھڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ 10 منٹ رہ گئے 9 منٹ رہ گئے۔ صاحب نے کہا تھا کہ 40 سے 45 منٹ بعد تم دروازہ کھٹکھٹانا۔ ایک ایک منٹ مشکل سے گزر رہا تھا۔ جب 40 سے 45 منٹ گزر گئے۔ تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر میں نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ پھر بھی دروازہ نہ کھلا۔

میں نے زور زور سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ "صاحب جی صاحب جی۔" لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی، دروازے پہ اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ میں گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں جب کمرے کے پچھواڑے گیا تو وہاں روشن دان جو کہ بہت چھوٹا تھا وہاں سے یہ منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کہ ایک کمبل میں کوئی لیٹا ہوا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو یہ صاحب ہی تھے۔ جو بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور ان پر کمبل پڑا ہوا تھا۔

میں نے زور زور سے روشن دان سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ "محمود صاحب محمود صاحب۔" اور اندر کا نقشہ دیکھ کر میرا نشہ کافور ہو گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں لگتا تھا کہ جیسے خوف سے ٹھنڈے ہو گئے ہوں۔ میرے زور زور سے چلانے کی وجہ سے خاموش ماحول میں شور پیدا ہوا۔ اڑوس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے میں دل میں ڈر رہا تھا کہ جب کنڈی کھلے تو پتہ چلے کہ اصل بات کیا ہے وہ کالی لڑکی اور شراب بھی ہوگی۔ جب لڑکی اور شراب اندر سے ملے گی تو میں لوگوں کو کیا جواب دوں گا۔

ہزاروں وسوسے میرے ذہن میں کوندنے لگے۔ اس وقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ کیا ہو رہا ہے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت معدوم ہو چکی تھی۔

دوسری طرف صاحب بے سدھ تھے کچھ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مردہ تھے یا زندہ، لیکن جس حالت میں وہ روشن دان سے مجھے نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین ہو رہا تھا کہ وہ مر چکے ہیں۔

میں نے اپنے اعصاب پر قابو پا کر سوچا کہ لڑکی لازمی اندر ہوگی۔ لیکن اس نے صاحب کو کیوں مارا اور وہ نظر کیوں نہیں آ رہی میں نے جلدی میں اس کم بخت کا نام بھی نہیں پوچھا تھا۔ اصل راز کہ چور تو میرے اندر چھپا ہوا تھا اور کسی کو یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ کہ صاحب اس لڑکی کو عیاشی کے لیے لائے تھے۔

بیگم صاحبہ کو کیا بتاؤں گا......؟ انہوں نے تو میری ذات پر بہت اعتماد کر کے کوٹھی کی چابیاں مجھے دیں تھیں اور کہا تھا کہ صاحب، کوٹھی اور اپنا خیال رکھنا۔ میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ دماغ میں مختلف سوالات آ رہے تھے۔ میں نے آخری بار دروازے کو دھکا دے کر کھولنے اور توڑنے کی کوشش کی لیکن چونکہ کنڈی اندر سے لگی ہوئی تھی لہٰذا دروازہ نہ کھلا۔

عجیب سوچوں نے مجھے گھیرا ہوا تھا۔ یہ لڑکی کہاں ہوگی یا تو اندر ہے یا دونوں کسی وجہ سے مر گئے......؟ اگر لڑکی قاتل ہے تو وہ اتنی چھوٹی کھڑکی سے بھاگ نہیں سکتی

"کیا ہوا......؟"

دو تین پڑوسیوں نے مجھ سے پوچھا لیکن میری زبان ورحقیقت بتانے سے کترا کر لڑکھڑا رہی تھی۔

"بھئی تم صاحب کے پہرے دار ہو بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

سچی بات یہ تھی کہ اس لمحے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی معدوم ہو کر رہ گئی تھی۔ میں جان بوجھ کر سکتہ کے عالم میں کھڑا تھا۔ اس وقت تک کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے مل کر بند دروازہ توڑنا شروع کر دیا۔ یا اللہ لڑکی اور شراب اندر سے نکلے گی تو میں بیگم صاحبہ کو اور دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ مرتو صاحب گیا تھا لیکن لگتا تھا مجھے بھی موت آ جائے گی۔" میں نے دل میں سوچا۔

تھوڑی دیر بعد دھڑام سے دروازہ فرش پر گرا، تو کمرے سے ایک کالی بلی چلاتی ہوئی جس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ تیزی سے اچھل کر باہر کی جانب بھاگی۔ حیرت کی بات ہے کہ وہاں لڑکی کا وجود نہ تھا۔ البتہ صرف شراب کی کھلی بوتل پڑی ہوئی تھی۔

بستر پر پڑے صاحب کے وجود سے جب کمبل ہٹایا گیا تو صاحب کی روح اس دنیا فانی سے پرواز کر چکی تھی ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان کے سینے پر عجیب سے پنجوں کی نشان بڑے زخموں کی صورت میں نمایاں تھے۔

"یہ کیا ماجرہ ہے......؟" لوگوں نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے جھوٹ بولا کہ میں تو باہر پہرہ دے رہا تھا صاحب کمرے میں سو رہے تھے۔ لیکن لوگوں نے مجھے پکڑ لیا اور الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیئے۔

میں اصل حقیقت بتاتا تو صاحب کی کیا میری بھی مٹی پلید ہو جاتی۔ بیگم صاحبہ روتی پیٹتی آ گئیں۔ انہوں نے میرا گریبان پکڑ کر میرے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ "میں تو تجھے اپنا شوہر کوٹھی تیرے حوالے کر کے گئی تھی بتا تو نے تو نہیں صاحب کو پیسے کے لالچ میں مارا کمرے سے شراب کی بوتل بھی ملی ہے۔ وہ تو شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔"

حالانکہ بیگم بیچاری کو کیا معلوم کہ وہ کتنے درجے کے شرابی اور زانی تھے، میں نے جھوٹ بولا کہ "میں تو باہر پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم کے اندر کمرے میں صاحب کیا کر رہے ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے میری بات پر یقین نہ کیا۔ انہوں نے مجھے پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس میرا جسمانی ریمانڈ لیتی رہی۔ بہرحال پولیس کی مار میرا جسم برداشت نہ کر سکا میں نے پھر مجبوراً سچ بولا۔ پولیس نے میرے بیان کو من گھڑت قرار دیا۔ میرے وکیل نے کورٹ سے استدعا کی کہ میرے موکل کے بیان کی روشنی میں مرحوم کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے۔

عدالت نے اس درخواست پر غور کرتے ہوئے جالندھر پولیس کو حکم دیا کہ وہ اس کیس کی غیر جانبدار انکوائری کر کے رپورٹ پیش کرے، اور پھر حتمی انکوائری آتے ہی اگلی پیشی تک جیل بھیج دیا گیا۔

میں نے جیل میں اپنے ماضی کے گناہوں پر توبہ کی اور ہیرا سنگھ کی لگائی ہوئی گندی دائمی عادتوں پر پچھتاوا اور مسلسل توبہ کرتا رہا۔

پولیس کی انکوائری رپورٹ بڑی عجیب آئی۔ اس میں ایک چیز میرے حق میں تھی اس میں لکھا ہوا تھا کہ مسٹر محمود کی موت کسی پراسرار مخلوق کے پنجوں کے لگنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مرحوم نے آخری بار شراب پی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے آخری بار کسی سے جنسی فعل بھی سرزد کیا تھا۔

استغاثہ وکیل جج اور اس کیس میں دلچسپی لینے والے اچنبھے کا شکار ہو گئے۔ عدالت نے مجھے شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کر دیا لیکن مجھے پولیس کی نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ بدفعل شراب، عادتوں کا نشہ سب ہرن ہو گیا۔

بری ہو کر جالندھر سے اپنے شہر وزیر آباد آنے والی ٹرین میں جب سوار ہوا تو سامنے والی دہلی جانے والی ٹرین میں مجھے وہی کالی لڑکی کھڑکی کے ساتھ بیٹھی شیطانی مسکراہٹ مسکراتی ہوئی صاف نظر آئی لیکن اسے دیکھ کر میں حیرت سے چلا کر یہ کہہ نہ سکا۔ "تو نے کالی بلی کا روپ دھار کر زانی شرابی محمود صاحب کو قتل کر کے نہ صرف میرے لیے اور اس کہانی کو سننے والوں کے لیے عبرت کا سامان پیدا کر دیا ہے۔"

مہمان

شکیل نیازی-میانوالی

یہ حقیقت ہے کہ ایک دن ہر انسان کو مرنا ہے کوئی کسی اور کی زندگی نہیں جی سکتا ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے مرنے کے بعد ایک ہستی کے روبرو پیش ہونا ہے، وہ ہستی بہت ہی منصف ہے۔

خوف وہراس.....کے شکنجے میں جکڑی ہوئی یاس ومحرومی کی.....خوف ناک کہانی

اس کی آنکھ کھلی تو وہ چند لمحے سیدھا بیڈ پر لیٹے چھت کو گھورتا رہا، وہ اس وقت اپنے بڑے اور شاندار بیڈ روم میں اکیلا تھا۔ یعنی میں اب تک زندہ ہوں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ مگر کب تک.....؟؟؟ دل کے اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالی تو صبح کے 7 بج رہے تھے۔ یہ دیکھ کے اس کے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ ''کاش انسان کے پاس قیمتی گھڑی ہونے کے ساتھ وقت بھی اسی حساب سے زیادہ ہوتا۔''

مگر اس کے پاس وقت ہی تو نہیں تھا وقت کے علاوہ سب کچھ تھا۔ ''اگر انسان کے پاس وقت ہی نہ ہو تو وہ باقی چیزوں کا کیا کرے گا۔'' یہ سوچ کر وہ بے دلی سے اٹھ بیٹھا، وہ سلیپر پہنے بغیر ہی واش روم کی جانب بڑھ گیا اور سلیپنگ سوٹ اتارے بغیر ہی شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ اس نے پانی کا ٹمپریچر چیک کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ ''جب انسان کے اندر کا موسم ہی ٹھیک نہ ہو تو پھر باہر کی سردی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔'' وہ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح کھڑا رہا۔ پانی اس کے سر پر پڑ کے اس کے جسم سے ہوتا ہوا فرش پر پھیل رہا تھا۔

مگر وہ تمام احساس سے عاری ہو کے سامنے لگے قد آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے کلر زدہ سیاہ بالوں نے اس کے ماتھے کی جھریوں کو چھپا رکھا تھا مگر باقی چہرہ اس کی اصل عمر کی چغلی کھا رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو وہ خیالات کے تسلسل سے آزاد ہوا اور شاور بند کئے بنا ہی بھیگے کپڑوں کے ساتھ باہر نکل آیا تو روم میں اس کا سیکریٹری روبن کھڑا تھا۔ جو اس کی طرح ایک بوڑھا شخص تھا۔

''سوری سر میں نے بہت بار دستک دی مگر آپ نے جواب نہ دیا تو مجبوراً مجھے اس طرح اندر آنا پڑا۔ آپ میٹنگ کے لئے لیٹ ہو رہے تھے۔'' ہاتھ باندھے اس نے سر جھکا کے کہا۔

''تم باہر جاؤ میں دس منٹ میں آتا ہوں۔'' اس نے کہا تو روبن باہر نکل گیا۔ اس نے کپڑے کی الماری کھولی اور اس میں سے ایک سیاہ رنگ کا نیو تھری پیس سوٹ نکالا وہ شاید ایک بار جو کپڑے پہنتا تھا دوبارہ وہ نہیں پہنتا تھا۔ اس کی الماری میں موجود تمام کپڑے ایک سے تھے کسی ایک سوٹ میں بھی شکن نہیں تھی۔ سوٹ پہننے کے بعد اس نے جوتوں پر نظر دوڑائی وہاں اس کے جوتوں کی لائن لگی ہوئی تھی جو تے دیکھ کے اسے شیکسپیئر کا وہ معقولہ یاد آ گیا جس میں اس نے کہا تھا۔

"جوتے کسی بھی انسان کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں جتنے اچھے جوتے اتنا ہی اچھا انسان۔"

یہ سوچ کے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جو اس کی مضبوط شخصیت کا حصہ تھی۔

اس کے کاروباری مخالف اس کی اس مسکراہٹ سے خوف کھاتے تھے اور دوست اس کی اس مسکراہٹ کے دیوانے تھے۔ جب شخصیت ہی مٹ جائے تو جوتوں کا کیا تصور۔ اس نے سوچا۔

کہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ "مسٹر وارنر پلیز!....." روبن کی آواز سنائی دی۔

"ویٹ....." اس نے مڑے بغیر کہا اور دراز کھولا تو اس میں چند فائلز اور مختلف نسلیٹ کے پتے موجود تھے اس نے مختلف پتوں میں سے ایک نسلیٹ کو نکالا اور وہ تمام ایک جھٹکے سے منہ میں ڈال لیں اور ساتھ ہی میز پر موجود پانی کا گلاس ایک سانس میں چڑھا گیا اور پھر دراز بند کر کے باہر نکل آیا۔

وہ روبن کے ساتھ باہر نکلا تو سامنے ہی گاڑی کھڑی تھی، ڈرائیور نے ادب سے دروازہ کھولا تو وہ اس میں بیٹھ گیا اور روبن بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ سیاہ رنگ کی گاڑی کے شیشے بھی سیاہ تھے اور گاڑی چل پڑی اور محل نما بنگلے سے باہر نکلی تو آگے اور پیچھے چار عدد سیاہ کاریں بھی دوڑ رہی تھیں۔ جن میں تھری پیس سیاہ بوٹوں میں ملبوس باڈی گارڈز سوار تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہولسٹر میں پسٹل لگے ہوئے تھے۔

دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ایک 50 منزلہ بلڈنگ کے سامنے رکے جس پر جلی حروف میں "وارنز" لکھا تھا۔

ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ باہر نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا بلڈنگ میں داخل ہوا۔ "گڈ مارننگ سر۔" ایک نوجوان نے کہا۔ تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا اور لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

روبن اس کے پیچھے پیچھے سیاہ رنگ کا بریف کیس اٹھائے چل رہا تھا وہ اور روبن لفٹ میں سوار ہوئے تو روبن نے 41 منزل کا بٹن دبا دیا تو وہ چند لمحوں میں 41 ویں منزل پر تھے، لفٹ کا دروازہ کھلا تو وہ راہداری راہ داری میں چلتے ہوئے ایک بڑے اور انتہائی شاندار آفس میں داخل ہوئے۔ آفس سجاوٹ میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ جا کے سیدھا کرسی پر بیٹھ گیا۔ "آج کا پروگرام؟" اس نے مخصوص لہجے میں روبن کو مخاطب کیا تو روبن نے ایک چھوٹی سی فائل اس کے آگے رکھ دی اس نے عینک لگا کے ایک نظر دوڑائی اور پھر فائل کو بند کر دیا۔ "مارک سے کوئی رابطہ ہوا یا اس نے خود کوئی رابطہ کیا۔" اس نے پہلی بار اشتیاق سے روبن سے پوچھا۔

"نہیں مسٹر وارنر نہ تو اس نے کال اٹھائی نہ میل کا جواب دیا۔ اور نہ ہی خود سے رابطہ کیا۔" روبن کے لہجے سے یہ سن کے اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی اور وہ عینک اتار کے اپنی آنکھیں ملنے لگا تو روبن کو یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ اپنے آنسو چھپانے کے لئے اپنی آنکھیں مل رہا ہو۔

"ایک بات کہوں مسٹر وارنر اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"

"ہاں بولو....." وارنر نے بدستور آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں جس شخص کو آپ کی کوئی فکر نہیں نہیں۔ آپ کو بھی اس کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ وہ اس ظالم معاشرے سے لڑتے ہوئے تھک جائے گا تو خود ہی واپس آ جائے گا۔" روبن نے کہا۔

"نہیں روبن وہ غلط نہیں کر رہا وہ ایک خوددار نوجوان ہے بس اپنے آپ کو منوانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے اور کچھ نہیں۔" وارنر نے کہا۔ تو روبن کے ہونٹ پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ تم مسکرا رہے ہو۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟" وارنر نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ہنسی اس بات پر آ رہی ہے کہ اتنا سمجھدار فل بزنس مین بھی ایک روایتی باپ نکلا اور اپنی ناکام اولاد کے کرتوتوں پر پردہ ڈال رہا ہے۔ آپ بھول رہے

اس نے آپ کو اس وقت تنہا چھوڑا جب آپ کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔"

"نہیں مجھے اس کی کبھی ضرورت نہیں تھی۔" وارنر نے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی یا اس کو آپ کی ضرورت نہیں تھی.....؟" روبن نے تلخ لہجے میں کہا تو وارنر اسے غصے سے دیکھنے لگا۔

"مسٹر وارنر مجھے آپ کی فکر ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ اس کے لئے ٹینشن میں مبتلا ہوں کہ میری بھی دو بیٹیاں تھیں جیسے ہی جوان ہوئیں مجھے چھوڑ کے چلی گئیں، میں نے ان کے جانے کا کوئی ٹینشن نہیں لیا، کیوں کہ یہ ہمارے آزاد معاشرے کی روایت ہے اور ہم روایتوں سے نہیں لڑ سکتے۔" روبن نے کہا اور پھر خود ہی ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا اور وارنر اسے اس طرح جاتے ہوئے دیکھ کے افسوس سے سوچتا رہ گیا۔

روبن کے جاتے ہی اس کی ادھیڑ عمر پی اے اندر داخل ہوئی جو گزشتہ بیس سال سے اس کی پی اے تھی۔

"مسٹر وارنر یہ آپ کے لئے ہے۔" سیکریٹری نے لیٹر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔ اس پر "پرسنل" کے الفاظ درج تھے۔ سیکریٹری کے جاتے ہی اس نے ٹیبل سے لیٹر اٹھایا اور عینک لگا کے اسے کھولا اور تحریر کو بغور دیکھنے لگا۔

"مسٹر وارنر صرف ہم ہی نہیں جو آپ کی پریشانی کو سمجھتے ہیں کہ اس ٹائم آپ کس مصیبت سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی آپ کو متعدد بار اپنے ہاں آنے کی دعوت دی مگر آپ نہیں آئے، لہٰذا ہم آخری بار کوشش کر رہے ہیں آپ کو بچانے کی اور یہ ہمارا آخری پیغام ہے اگر آپ ایک بھرپور زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو آج شام کے بعد ہم سے مل لیں۔ فقط آپ کا مخلص۔

اس خط کے آخر میں پتہ درج تھا جہاں اسے آنے کی دعوت دی گئی تھی۔

وارنر نے کچھ دیر سوچا اور پھر میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن پریس کر کے ریسیور کان سے لگا لیا۔ "آج کا ڈنر کینسل کر دو آج ڈنر ہم کسی اور کے ساتھ کریں گے۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا اس کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆.....☆.....☆

شام کے بعد وہ روبن کے ساتھ ایک عام سے بار میں گیا۔ ان کے پیچھے دو عدد گارڈز بھی تھے۔ مطلوبہ بتائی گئی ٹیبل پر وہ پہنچا تو وہ وہاں ایک پرکشش نوجوان بیٹھا تھا۔

"مسٹر وارنر آپ آ گئے مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے ڈنر کی دعوت قبول کر لی، ویسے میں نے صرف آپ کو دعوت دی تھی ان حضرات کو نہیں۔" اس نوجوان نے کہا۔

"مسٹر وارنر کبھی سیکورٹی کے بغیر کسی اجنبی جگہ جاتے ہیں اور نہ ہی کہیں اجنبی سے ملتے ہیں۔" روبن نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"تو کیا میں اجنبی ہوں؟" نوجوان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ایک انسان جس کا نام تک نہ جانتا ہو وہ اجنبی ہی ہوتا ہے۔"

اس بار وارنر نے کہا تو نوجوان نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

"یہ بھی ٹھیک کہا مگر بات یہ ہے کہ میں اپنا تعارف کسی اجنبی سے نہیں کراتا، میں آپ کو ضرور جانتا ہوں مسٹر وارنر مگر ان فری ہینڈ سروس لوگوں کو نہیں، اور جیسا کہ آپ نے خود کہا کہ انسان جس کا نام تک نہ جانتا ہو وہ اجنبی ہوتے ہیں تو اس طرح یہ لوگ بھی میرے لئے اجنبی ہیں۔" نوجوان نے کہا تو روبن اسے غصے سے دیکھنے لگا کیوں کہ اس نوجوان نے اسے اور گارڈز کو فری ہینڈ سروس کہہ کے ایک طرح ان کی توہین کی تھی۔

"کوئی ایک وجہ تو بتاؤ کہ میں ان لوگوں کو یہاں سے دور بھیج دوں۔" وارنر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"دیکھیں مسٹر وارنر مجھے آپ کو یہاں بلانے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے آپ کے پرسنل مسائل کا اچھی طرح سے علم ہے اور میرے پاس ان تمام مسائل کے حل کی چابی ہے۔"

"پرسنل مسائل سے تمہاری کیا مراد ہے؟" وارنر

نے حیران ہو کے کہا تو نوجوان سوال کا جواب دینے کے بجائے روبن اور گارڈز کی جانب دیکھنے لگا تو وارنر نے انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا تو روبن کے چہرے پر فکر مندی کے اثرات ابھرے۔

''تم بے فکر رہو، روبن اب میں اتنا بھی کمزور نہیں کہ اپنی حفاظت نہ کرسکوں اس بار میں۔'' وارنر نے کہا تو روبن نے ہلکا سا سر جھکایا اور پھر گارڈز کے ساتھ باہر چلا گیا۔ بار میں اس وقت بہت کم لوگ تھے۔

''لگتا ہے آپ کے ملازمین کو آپ کی بہت فکر ہے اور ہونی بھی چاہئے وہ آپ کی حفاظت کی ہی تو تنخواہ لیتے ہیں۔''

''روبن ملازم سے زیادہ میرا دوست ہے اور وہ بھی بچپن سے......'' وارنر نے لفظ چباتے ہوئے کہا، اسے نوجوان کے روبن کے بارے میں الفاظ بہت برے محسوس ہوئے تھے۔ ''سوری میری بات سے آپ کی فیلنگ ہرٹ ہوئی۔'' نوجوان نے کہا اس سے پہلے کہ وارنر کوئی جواب دیتا ویٹر ان کے پاس آیا۔ ''سر آپ کیا پینا پسند کریں گے۔'' ''میرے لئے اورنج جوس اور ان کے لئے......'' نوجوان نے کہا اور وارنر کی طرف دیکھا تو وارنر بولا۔ ''میرے لئے اورنج جوس......''

یہ سن کر ویٹر نے خوش اخلاقی سے سر جھکایا اور چلا گیا۔

''تو اب کام کی بات کریں تم نے میری پرسنل پرابلم کے بارے میں بات کی تھی تم کیا جانتے ہو میری پرسنل پرابلم کے بارے میں......؟ وارنر نے کہا۔

اس سے پہلے کہ نوجوان کوئی جواب دیتا ویٹر اورنج جوس کے گلاس لے کر پہنچ گیا اور ان کے سامنے گلاس رکھ دیا۔ ''تھینک یو......'' نوجوان نے ویٹر سے مسکرا کے کہا اور پھر اس کے جاتے ہی وارنر سے مخاطب ہوا۔ ''میرا نام ہیرس ہے میرے دوست مجھے ہیری بلاتے ہیں......''

''میرے خیال میں ہم ابھی تک صرف اجنبی ہیں تو میں آپ کو ہیرس ہی بلاؤں گا۔'' وارنر نے سنجیدگی سے کہا۔

''او کے جیسی آپ کی مرضی میں جانتا ہوں آپ کا نام وارنر ڈگلس ہے اور آپ معروف بزنس مین ہیں آپ کے کل اثاثوں کی مالیت 20 بلین ڈالر ہے اور آپ اس پوری دنیا کے پانچویں نمبر کے امیر ترین فرد ہیں آپ کا ایک پرائیویٹ جیٹ ہے۔ چار عدد محل نما گھر ہیں۔ دو ہزار کے لگ بھگ آپ کی گاڑیاں ہیں، یہ مشہور برانڈ کمپنیوں اور اداروں میں آپ کے شیئرز ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے تین بحری جہاز بھی ہیں۔ جن میں ایک جہاز آپ کے پرسنل استعمال میں بھی ہے۔ جہاں آپ چھٹیاں گزارتے ہیں ان سب سے بڑھ کے آپ کا ایک ذاتی آئی لینڈ بھی ہے......''

''کیا تم نے مجھے یہاں میری تعریف کرنے کے لئے بلایا ہے۔'' وارنر نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''آپ نے میری بات مکمل ہی کہاں ہونے دی، اس کے بعد آجاتی ہے آپ کی پرسنل لائف آپ کی جوانی میں متعدد اسکینڈل آئے ہیں پھر آپ نے ایک معمولی عورت سے شادی رچالی جو آپ کے بیٹے کو جنم دیتے ہی گزر گئی آپ کا ایک ہی بیٹا ہے جو کہ آپ کی شکل دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا۔ سوری آپ کو برا لگا ہوگا۔ مگر مجبوری ہے مجھے ایسا کہنا پڑ رہا ہے مسٹر وارنر۔'' ہیرس نے کہا۔

''یہ باتیں تو سب کو معلوم ہیں تم نے ... مسائل پر بات کرنی تھی تا وہ کرو۔'' وارنر نے گھڑی ... ہوئے کہا۔

''میں یہ جانتا ہوں کہ آپ بیٹے سے ... کرتے ہیں مگر وہ آپ سے نفرت کے علاوہ اور ... کرتا اور افسوس اس بات کا ہے کہ اب آپ ... زیادہ وقت بھی نہیں کہ آپ اسے اپنی پدری محبت کا ... دلا سکیں۔'' ہیرس نے کہا۔

''کیا مطلب کہ میرے پاس زیادہ ... نہیں؟'' وارنر نے چونک کر کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ کینسر آپ کے پورے ... میں پھیل گیا ہے۔ اور نامی گرامی ڈاکٹروں نے ا...

...اف جواب دے دیا ہے۔ آپ بس گنتی کے دن اس ...میں گزار رہے ہیں......'' ہیرس نے کہا تو وارنر حیرت ...شل ہو گیا......اور چند لمحوں کے لئے موت کا سکوت ...گیا۔ ''یہ......بات تم سے کس نے کہی......؟'' وارنر ...نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا وہ واقعی میں ایک مضبوط ...اعصاب کا مالک شخص تھا اس نے اتنے بڑے انکشاف ...نے کے بعد بھی فوراً اپنے جذبات کو ہیرس پر ظاہر نہیں ...ہونے دیا تھا۔

''آپ اس بات کو چھوڑیں آپ کے خیر خواہ ...آپ کے بارے میں اتنی خبر تو رکھتے ہی ہیں۔'' ہیرس ...نے کہا۔

''آپ کو پتہ ہے کہ اس بارے میں میرے اور میرے معالجین ڈاکٹرز کے علاوہ کسی کو بھی علم نہیں حتیٰ کہ ...بن کو بھی نہیں میں پرسنل معلومات تک رسائی کے جرم ...میں تم پر جیوری میں کیس درج کرسکتا ہوں۔''

''فائدہ......؟'' ہیرس نے اس کی جانب دیکھتے ...ہوئے کہا۔

''کیا مطلب کیا فائدہ؟'' وارنر نے حیران ...ہو کے کہا۔

''میرا مطلب ہے یہ کیس کرا کے آپ کو کیا فائدہ ...ملے گا کچھ بھی نہیں مجھے زیادہ سے زیادہ تین دن کی جیل ...ہوگی اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ آپ ...کے لئے میرے پاس آپ کے فائدے کے لئے ڈیل ...ہے۔'' ہیرس نے مسکرا کے کہا۔

''کیسی ڈیل؟'' وارنر نے چونک کے پوچھا۔

''آپ کے خیال میں اگر گلیلیو، آئن اسٹائن، ...ن نہ مرتے تو وہ اس دنیا کا اور کتنا فائدہ کرسکتے تھے۔'' ...ہیرس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ اس دنیا میں قدرت کا قانون ہے جس سے ...فرار ممکن نہیں تم سیدھا مطلب پہ آؤ میرے پاس زیادہ ...وقت نہیں کہ تم سے یہاں عظیم لوگوں کے گزر جانے پر ...ان کے ماتم کروں۔'' وارنر نے منہ بنا کے کہا اسے اس ...نوجوان ہیرس کی اب تک کسی بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''مسٹر وارنر موت قدرت کا ایک اٹل قانون ہے جس سے انکار کسی بھی طرح ممکن نہیں مگر میں آپ کو کہوں کہ میں نے اس قانون میں ترمیم کرلی ہے۔ تو کیا آپ مجھ پر یقین کریں گے؟''

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' وارنر نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ کو پتہ ہے مسٹر وارنر سائنس کے مطابق انسان کی موت کب واقع ہوتی ہے، جب اس کا دماغ کام کرنا بند کردیتا ہے انسانی جسم کا کمانڈ سسٹم دماغ سے منسلک ہے اس کے کام بند کردینے کی وجہ کوئی بھی ہوسکتی ہے، ہارٹ اٹیک، کوئی بیماری جو جسم کو ہی کھا جائے یا کوئی گہری چوٹ وغیرہ جب سے دنیا بنی ہے انسان اسی طرح تو مرتے آرہے ہیں اگر کسی طریقے سے انسان دماغ کو زندہ رکھے تو وہ کبھی نہیں مرسکتا لیکن ایک بوڑھا یا بیمار جسم کبھی بھی دماغ کو زندہ نہیں رکھ سکتا، اس لئے انسان مرجاتے ہیں اور اس کے مرتے ہی اس کے ساتھ ہی اس کے تمام احساسات ہمیشہ کے لئے فنا ہوجاتے ہیں۔ اس کی تمام حس ہمیشہ کے لئے ختم اور اس انسان کی زندگی کا باب بھی اس کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔''

''اس تقریر کا مقصد؟'' وارنر نے کوفت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں نے ایک ایسا طریقہ ڈھونڈ لیا ہے جس سے انسانی دماغ کو زندہ رکھا جاسکے۔'' ہیرس نے کہا۔

''اچھا بھلا وہ کون سا طریقہ ہے۔'' وارنر نے خوش ہو کے مصنوعی دلچسپی سے کہا۔

''اگر میں ایک مرے ہوئے انسان کا دماغ نکال کے ایک صحت مند جسم میں ڈال دوں تو کیا خیال ہے انسانی دماغ انسان کے جسم کے مرجانے کے بعد بھی دس منٹ تک زندہ رہتا ہے اور اس دس منٹ کے وقفے میں اگر اسے دوسرے جسم میں ٹرانسفر کردیا جائے تو موت پر قابو پانا ممکن ہے یعنی آپ اپنے احساسات کے ساتھ ایک جوان جسم میں ایک نئی زندگی کی شروعات کرسکتے ہیں۔'' ہیرس نے کہا تو وارنر ہنسنے لگا۔

''میں نے کوئی جوک تو نہیں سنایا۔'' ہیرس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ جوک نہیں تو اور کیا ہے بچے اب تک

سائنسی دنیا نے اتنی ترقی نہیں کی کہ انسان کی دماغ کی پیوندکاری کی جاسکے کیا تمہیں بے وقوف بنانے کے لئے اور کوئی نہیں ملا۔" وارنر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"پلیز مسٹر وارنر آپ بیٹھ جائیں میرا آپ کو یہاں بلانے کا مقصد محض مفروضہ پہ بنی کہانی سنانا ہرگز نہیں ہے میں اپنی کہی ہر بات ثابت کرنے کو تیار ہوں۔" ہیری نے جلدی سے کہا۔ "سوری مسٹر تم نے پہلے ہی میرا بہت سا وقت ضائع کیا ہے۔ تمہیں پتہ ہے میرا ایک ایک منٹ کتنا قیمتی ہے شکر کرو کہ میں تمہارے خلاف اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کر رہا ورنہ تم بہت بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔" وارنر نے مڑتے ہوئے کہا۔

"مصیبت میں تو آپ پڑے ہوئے ہیں مسٹر وارنر موت آپ کی جانب دھیرے دھیرے بڑھ رہی ہے اور آپ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے دل کو یہ تسلی دینے میں مصروف ہیں کہ سب ٹھیک ہے۔" ہیری نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "مرنا تو سب کو ہے ایک نا ایک دن، کیا تم نے نہیں مرنا مسٹر؟" وارنر نے مڑ کے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تو ہیری بھی ایک قدم مزید آگے بڑھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہیں میں کبھی نہیں مروں گا اور نہ ہی ایک بری دنیا میں موجود لوگوں کو مرنے دوں گا۔" ہیری کی بات سن کے ایک لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔ "اب مجھے پورا یقین ہوگیا ہے۔"

"کس بات کا؟" ہیری نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہی کہ تم بہت بڑے دھوکے باز ہو اور آئندہ تم نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ تمہاری آخری کوشش ثابت ہوگی۔" وارنر نے کہا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تو ہیری نے آگے بڑھ کے اس کا راستہ روک لیا۔

"مسٹر وارنر یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ آپ کو کبھی میری باتوں کی سچائی کا یقین ہو تو آپ ان نمبرز پر میرے ساتھ کونٹیکٹ کر سکتے ہیں۔" ہیری نے اس کی جانب کارڈ بڑھا کے کہا۔ "نہیں میرے خیال میں مجھے اس کی ضرورت نہیں؟" وارنر نے کہا۔

"یہ اتنا بھاری نہیں ہے آپ اسے رکھ لیں اس وقت تک جب تک آپ خیریت سے ہیں جب آپ ہی نہیں رہیں گے تو یہ بھی بے حیثیت ہو جائیں گے۔" ہیری نے دھیرے سے کہا۔ "اوکے۔" وارنر نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ "بل کی فکر مت کریں میں دے دوں گا۔" ہیری نے بلند آواز سے کہا۔ "دینا بھی تمہیں چاہئے۔" وارنر نے بھی بلند آواز میں جواباً کہا اور دوبارہ سے باہر نکل آیا، ادھر روبن اور اس کے گارڈ فکرمندی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"کون تھا یہ آدمی مسٹر وارنر۔" روبن نے کہا۔

"ایک پرانا دوست تھا اور کچھ نہیں۔" وارنر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی کار کی جانب بڑھا۔ ڈرائیور نے جلدی سے لانگ ویو کا دروازہ کھولا اس سے پہلے کہ وہ گاڑی میں بیٹھتا اسے ایک دم گھٹن کا احساس ہونے لگا تو اس نے گلے میں پڑی ٹائی کی ناٹ کو ذرا ڈھیلا کر دیا مگر اس کے ساتھ ہی اسے لگا جیسے اس کی سانس رک رہی ہے اس نے سانس لینے کی کوشش کی مگر بے کار ثابت ہوئی، سانس جیسے اس کے حلق میں اٹک گئی ہو، اس کا چہرہ تکلیف سے سرخ پڑ گیا۔ "مسٹر وارنر آپ ٹھیک تو ہیں" روبن نے اس سے کہا مگر اسے روبن کی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتانے کی کوشش کی مگر بے سود اس کے ساتھ ہی اسے زوردار کھانسی آئی تو اسے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہوا اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا تو اس کی انگلیاں خون سے سرخ ہوگئیں۔

"او مائی گاڈ......" روبن کے منہ سے نکلا اس کے ساتھ ہی وارنر کو آخری احساس ہوا کہ وہ گر رہا ہے اور روبن گارڈز سے چلا چلا کے اسے اٹھانے کا کہہ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وارنر کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

نہ جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنا

آپ کو اسپتال کے ایک بڑے کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے آکسیجن لگی ہوئی تھی اور وہ مریضوں کے سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی دھندلاہٹ تھی آہستہ آہستہ چھٹتی جا رہی تھی اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے خود پر ڈاکٹر کو جھکے ہوئے پایا۔

"تھینک گاڈ مسٹر وارنر آپ کو ہوش آ گیا۔" ڈاکٹر نے خوش ہو کے کہا تو اس نے اردگرد دیکھا اس وقت اس ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی بھی کمرے میں موجود نہیں تھا۔

"مسٹر وارنر میرے خیال میں وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے قریبی لوگوں کو حقیقت بتا دیں کہ یہ کام میں ہی کر سکتا تھا لیکن میں نے آپ سے کیا وعدہ نبھایا اور آپ کے علاوہ کسی کو بھی آپ کے اس موذی مرض کے بارے میں نہیں بتایا آپ کے جسم میں کینسر بری طرح پھیل گیا ہے اور اس نے اب آپ کی سانس کی نالیاں بھی بند کرنا شروع کر دی ہیں جس کی وجہ سے آپ کو لنگسٹ اٹیک ہوا میں نے چھوٹا آپریشن کر کے انہیں عارضی طور پر تو دبا دیا ہے مگر یہ زیادہ دیر کام نہیں کرے گا آپ کے پاس وقت بہت کم ہے آپ کو چاہئے کہ آپ یہاں ایڈمٹ ہو جائیں تاکہ آپ کی ٹریٹمنٹ اچھے سے ہو سکے۔" ڈاکٹر نے کہا تو وارنر نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے منہ سے لگا آکسیجن ماسک ہٹانے کی کوشش کی تو ڈاکٹر نے آگے بڑھ کے آرام سے ماسک ہٹا دیئے۔

ماسک ہٹتے ہی وارنر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"تم نے اسٹاف کے لوگوں کو کیا کہا کہ مجھے کیا ہوا تھا۔" وارنر نے اکھڑے ہوئے سانس سے کہا۔ "میں نے انہیں کہا کہ آپ کو معمولی سا اسمونیا اٹیک ہوا ہے اور کچھ نہیں۔" ڈاکٹر نے کہا تو وارنر نے سر ہلا دیا۔ "تو کیا اب آپ یہاں ایڈمنٹ ہونے پر غور کریں گے؟" ڈاکٹر نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں ڈاکٹر مرنا مجھے دونوں صورتوں میں ہے تو کیوں نا میں ان چند دنوں میں وہ کام کر جاؤں جو میں اپنی پوری زندگی میں نہیں کر سکا۔" وارنر نے کہا تو ڈاکٹر اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

اسے اسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ اس ایک ہفتے میں وہ دفتر نہیں گیا تھا۔ وہاں روبن کام سنبھال رہا تھا۔ اس ایک ہفتے میں وہ اور بھی زیادہ کمزور ہوگیا تھا۔ چلتے وقت بھی اسے چکر آتے تھے، کھانا کھانے کے لئے دل نہیں چاہتا تھا، وہ بس اپنے کمرے میں محصور ہو کے رہ گیا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود اس نے روبن یا ملازمین میں سے کسی کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کسی موذی مرض سے لڑ رہا ہے۔ وہ سب سمجھتے تھے کہ یہ نقاہت ہیلس اٹیک کی وجہ سے آئی ہے۔ وہ سب ہی اس حقیقت سے لاعلم تھے اس نے اپنے بیٹے مارک کو کال کی مگر اس نے کال نہیں اٹھائی جب اس نے متعدد بار کال کی تو جواب میں مارک کا ٹیکسٹ آیا۔ "اگر آپ نے اب کال کرنے کی کوشش کی تو میں یہ نمبر بھی باقی نمبروں کی طرح ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔" مارک کا میسج پڑھ کے وہ اور نڈھال ہوگیا۔

اسے اپنے مرنے سے زیادہ اس بات کا دکھ تھا کہ وہ آخری دنوں میں بھی مارک سے اتنا ہی دور تھا جتنا اس کی باقی تمام زندگی میں اس سے دور رہا تھا۔ یہ سوچتے وقت اس کی تمام امیدیں دم توڑتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ مرنے سے پہلے ہی خود کو مرا ہوا تصور کرنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر ہزاروں جہاں کی مسرتیں تھیں کہ اچانک وہ چونک اٹھا اور بیڈ سے اٹھ کے کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھا اور اس کی دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا کہ اچانک اس کے ہاتھ ایک کارڈ لگا جسے دیکھ کے اس کی آنکھوں میں پہلی بار امید کی چمک پیدا ہوئی۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت ایک پبلک پارک کے ویران گوشہ میں بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بینچ پر ہیری بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ "تو مسٹر وارنر فون پہ ہوئی تمام باتیں آپ کو یاد ہیں نا۔" ہیری نے سوالیہ انداز میں وارنر کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں یہاں اکیلا آیا

ہوں۔ سب سے چھپ کے اور نہ ہی میں نے تمہارے بارے میں کسی کو بتایا ہے۔"

"اوکے اور میری فیس؟"

"ہاں اس بریف کیس میں پورے ایک بلین ڈالر ہیں۔" وارنر نے اپنے پیروں کے ساتھ رکھے بریف کیس کی جانب اشارہ کرکے کہا۔ "مسٹر وارنر آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں جواب کوئی بھی دیں مگر دیں ضرور۔" ہیری نے کچھ سوچ کے پوچھا۔ "بولو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" وارنر نے ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پوچھنا یہ ہے مسٹر وارنر کہ آپ نے اتنی جلدی مجھ پر اعتماد کیسے کرلیا کہ ایک بلین ڈالر کی اتنی بڑی رقم لے کر آپ یہاں اس طرح پہنچ گئے۔ آپ تو یہ تک نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔" ہیری نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وارنر مسکرا پڑا۔

"تم تو جانتے ہی ہو دولت میرے پاس بے شمار ہے۔ اگر اس دولت میں سے ایک حصہ دے کر مجھے نئی زندگی مل سکتی ہے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے رہا سوال اعتماد کرنے کا تو میرے خیال میں زندگی تقریباً آخری لمحے جی رہا ہوں اور اس وقت کسی انسان کو کوئی دھوکا دے یا نا دے میرے خیال میں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ مجھے نہیں پتا کہ تم یہ کام کرپاؤ گے یا نہیں بس ایک بات ہے کہ تمہاری باتوں سے کم از کم امید کی کوئی کرن نظر آئی، اس سے پہلے تو وہ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔" وارنر نے کہا۔ تو ہیری نے سر ہلا دیا۔

"مسٹر وارنر آپ کے پاس سیل ہے۔" ہیری نے کہا تو وارنر نے سر ہلا دیا۔ "پلیز وہ سیل مجھے دے دیں۔" ہیری نے کہا تو وارنر نے ایک طرف پڑا آئی فون اسے دے دیا تو ہیری نے وہ سیل آف کرکے اسے قریبی جھیل میں پھینک دیا۔ "یہ کیا کیا تم نے؟" وارنر نے حیران ہو کے کہا۔ "سوری مسٹر وارنر یہ مجبوری تھی آپ کی گمشدگی کی صورت میں آپ کو ٹریس کیا جاتا اور سیل کی مدد سے ہم ٹریس ہوجاتے۔ مجھے جاننے میں یہ کوئی عار محسوس نہیں ہورہی کہ ہم جو کام کرنے جارہے ہیں وہ قطعی غیر قانونی ہے اس لئے میں پولیس کے جھمیلے میں پڑ کے جیل جانا چاہتا۔" ہیری نے کہا تو وارنر خاموش ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کے قریب ایک بڑی سی [illegible] آ کے رکی تو ہیری کے اشارے پر وہ اس میں [illegible] ہوگئے۔ ہیری نے بریف کیس اپنے ہاتھ میں لے [illegible] وارنر ہیری کے ساتھ بیٹھا تھا ان دونوں کے علاوہ [illegible] صرف ڈرائیور تھا گاڑی کے شیشے مکمل سیاہ تھے۔ باہر کوئی بھی اندر کا منظر نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اندر سے باہر خوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ "مسٹر وارنر آپ ناراض نہ ہوں [illegible] میں آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھنا چاہتا ہوں یہ [illegible] ریکوری پرانز ہے امید ہے آپ کو برا نہیں لگے گا۔" ہیری نے کہا تو وارنر نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ بیٹھا رہا تو ہیری نے آہستہ سے اس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی۔ وارنر نے اس کی اس حرکت پر ذرا بھی احتجاج نہ کیا ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ کسی بلڈنگ میں داخل ہوئے کہاں اس بات کا وارنر کو ذرا بھی اندازہ نہ ہوسکا۔ گاڑی ایک جگہ رکی تو ہیرس نے اسے سہارا دے کے گاڑی سے نیچے اتارا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے چلنے لگا پٹی اب بھی بدستور اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی تھی۔ کافی دیر چلنے کے بعد ہیری نے ایک جگہ اسے روک دیا۔ اور اس کی آنکھوں سے پٹی اتار لی تو وارنر بے اختیار آنکھیں ملنے لگا۔ پھر جب اس نے دیکھا تو وہ ایک بڑے سے کمرے میں موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک اسٹریچر رکھا ہوا تھا۔"

مسٹر وارنر میرے خیال میں ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے آپ لیٹ جائیں۔" ہیری نے کہا تو وہ بیڈ پر لیٹ گیا تو اس کے ساتھ منسلک پلیٹوں کی مدد سے ہیری نے اسے باندھ دیا وارنر کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اسے احساس ہورہا تھا کہ جو بھی ہورہا ہے ٹھیک نہیں ہورہا۔ "مسٹر وارنر ریلیکس رہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" ہیری رکا اور قریبی ٹیبل سے سرنج اٹھا کے اسے مختلف وائلز سے بھرا اور پھر انجکشن اس کے دائیں بازو میں انجیکٹ کردیا۔ "تھوڑی دیر کی بات ہے مجبوری ہے یہ درد تو

[illegible] آپ کو برداشت کرنا ہی ہوگا۔" ہیرس نے کہا تو وارنر کو [illegible] لگا جیسے اس کی آنکھیں دھندلی ہوں اور اس کے [illegible] ساتھ ہی اس کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے۔ تو درد کی [illegible] شدت سے اس نے دانتوں کو سختی سے دبالیا۔

ہیری نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے [illegible] اسٹریچر کو لے جا کے ایک بڑی مشین کے پاس رکھ دیا اور [illegible] مشین کے ایک سوراخ میں اسٹریچر کا وہ حصہ دیا جس کی [illegible] جانب وارنر کا سر تھا اب وارنر کا سر مشین کے اندر تھا اس کے دماغ میں شدت سے دھماکے ہورہے تھے جسے [illegible] برداشت کرنا بہت مشکل ہورہا تھا۔ ہیرس نے دو تین بٹن [illegible] پریس کئے تو مشین آن ہوگئی اور وارنر کو اپنے سر کے اوپر [illegible] بجلیاں سی چمکتی ہوئی محسوس ہوئیں اس کے ساتھ ہی وارنر کے دماغ میں اور شدت سے دھماکے ہونے لگے تو وارنر کی برداشت جواب دے گئی اور اس کے منہ سے [illegible] چیخیں نکلنے لگیں اور پھر اسے لگا کہ اس کے دماغ میں اتنا [illegible] دھماکہ ہوا کہ اس کے سر کے پرزے تک بکھیر کے رکھ [illegible] دیئے ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کے سامنے بے [illegible] ہوشی کی سیاہ چادر پھیل گئی۔

☆......☆......☆

وارنر کی آنکھ کھلی تو وہ چھت کو گھورنے لگا شاید [illegible] کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا [illegible] پھر ارد گرد دیکھا مگر کمرہ خالی تھا اور اس کا اکلوتا دروازہ [illegible] بند تھا۔ وہ کمرہ نہیں تھا جس میں وہ بے ہوش ہوا تھا۔ [illegible] وہ اسٹیچر پر نہیں ایک سادہ سے سنگل بیڈ پر لیٹا تھا۔ یہ [illegible] کمرہ بھی اس کے لئے اجنبی تھا۔ یعنی میں نے کوئی [illegible] خواب نہیں دیکھا تھا وہ ایک حقیقت تھی اس نے سوچا تو [illegible] ایک بار پھر اس کے دماغ میں جیسے دھماکے ہونے لگے اور [illegible] وہ بستر سے اٹھ بیٹھا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے [illegible] سر تھام لیا پھر وہ دھماکے آہستہ ہونے لگے اور پھر ختم ہی [illegible] ہوگئے تو اس نے سکون کی سانس لی۔ "کوئی ہے؟" وارنر [illegible] نے اونچی آواز میں پکارا مگر اس کی آواز پر کوئی رد عمل نہ آیا [illegible] پھر وہ فوراً ہی چونک پڑا۔ اسے اپنی آواز اجنبی محسوس [illegible] ہوئی پھر ایک خیال آتے ہی وہ جلدی سے نیچے اترا

اور کھڑا ہوگیا اور اپنے جسم کو بری طرح ٹٹولنے لگا اور پھر تیزی سے دیوار پر لگے آئینے کی جانب بڑھا اور جب اس نے اپنی شکل آئینے میں دیکھی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "او میرے خدایا یہ کیا ہے......" اس کے منہ سے رک رک کے نکلا کیوں کہ آئینے میں دیکھنے والی صورت اس کی نہیں تھی وہاں تو کوئی اور ہی موجود تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے چہرے کو چھوا اور چہرے کی جلد کو ٹٹول کے دیکھنے لگا اور پھر دوسرا خیال آتے ہی اس نے جلدی سے اپنی شرٹ اتاری اور آئینے کے سامنے اپنے جسم کا جائزہ لیا تو وہ حیران رہ گیا یہ تو انتہائی جوان اور مسکر تھا۔

"تو کیا یہ میرا وجود نہیں ہے......؟" اس نے حیرت سے خود سے پوچھا۔ "نہیں یہ اب تمہارا ہی وجود ہے۔" اسے اپنے پیچھے سے آواز آئی تو اس نے دیکھا اس کے پیچھے ہیرس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ "نئے وجود میں نئی زندگی مبارک ہو مسٹر وارنر۔" ہیرس نے مسکرا کے کہا۔

"مگر یہ سب کیسے ہوا یہ وجود تو قریب تیس سال کے نوجوان شخص کا لگتا ہے اور بس تو......" وارنر نے کہنا چاہا۔ "میرے خیال میں آپ نے میری باتوں کو غور سے نہیں سنا تھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ آپ کا دماغ نکال کے کسی اور بے کار مگر صحت مند وجود میں ڈال دیں گے اور میں نے ایسا ہی کیا دنیا کی نظر میں مسٹر وارنر مر چکے ہیں آپ کا پرانا وجود میں ایک پارک میں چھوڑ آیا۔ جسے پولیس نے اپنی تحویل میں لے کر آپ کے اسٹاف کے حوالے کردیا ہے۔ اور ان سب نے آپ کو مردہ تسلیم کرلیا ہے۔" ہیرس نے کہا۔ "مگر میں زندہ ہوں ابھی تک...... اور اب تو صحت مند ہونے کے ساتھ ساتھ جوان بھی......" وارنر نے کہنا چاہا تو ہیرس نے اسے ٹوک دیا۔

"ایک منٹ مسٹر وارنر آپ کو کیا لگتا ہے یہاں کوئی سرکس کا شو چل رہا ہے جس میں آپ اور میں دنیا کو تماشہ دکھا رہے ہیں میں نے آپ کو کہا تھا نا کہ ہم نے جو کام کیا وہ قانونی نہیں ہے آپ کے خیال میں آپ دنیا کو بولیں گے کہ آپ مسٹر وارنر ہیں تو وہ آپ پر یقین کرلیں گے

نہیں ہرگز نہیں وہ آپ کو ایک نوسر باز سمجھیں گے اور پولیس کے حوالے کر دیں گے جو آپ کو اپنے پاس نہیں رکھے گی بلکہ پاگل خانے میں بھجوا دے گی سمجھے کیوں کہ اب نا تو آپ کی شکل اور نا ہی آپ کی کل شخصیت مسٹر وارنر جیسی رہی ہے اب آپ کو شکل اور وجود کے ساتھ ساتھ اپنا نام اور انداز سب کچھ بدلنا پڑے گا۔ میں نے آپ کی شکل کے حساب سے آپ کا نیا گرین کارڈ اور شناخت پیپر بنوائے ہیں جو جلد ہی آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے آپ چند دن یہیں رہیں گے تا کہ مکمل طور پر فٹ ہو سکیں اور آپ کا دماغ ایک بار اس نیو وجود کو قبول کر لے اس کے بعد آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔" ہیرس نے اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا تو وارنر بیڈ پر بیٹھ کے سر تھام کے بیٹھ گیا اور اسے محسوس ہوا جیسے پھر سے اس کے دماغ میں چھوٹے چھوٹے دھماکے ہو رہے ہیں۔"

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد وہ اپنے نئے فلیٹ میں بیٹھا تھا۔ اور اس کے سامنے ہیری بیٹھا تھا یہ رہا تمہارا گرین کارڈ اور ضروری ڈاکومنٹ جو میں نے منسٹری میں موجود اپنے لوگوں سے بنوائے ہیں ان کاغذات کے مطابق تمہارا نام جوتھن ہے۔ تمہاری عمر قریب تیس سال ہے۔ نسل سے برٹش ہو، تمہارے والدین تمہارے بچپن میں ہی اس دنیا سے چلے گئے تم نے اپنی پہلی زندگی نیوجرسی میں گزاری ہے اور اب تم یہاں نیویارک میں اپنی قسمت آزمائی کرنے آئے ہو اور بقایا تمام باتیں اس فائل میں درج ہیں جو تم اچھی طرح ذہن نشین کر لو تو اچھا ہے اس سے تمہیں کسی سے اپنا تعارف کرانے میں آسانی ہوگی۔" ہیرس نے ایک فائل اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ میں نئی زندگی صرف اس لئے چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کے لئے ایک اچھا باپ ثابت ہو سکوں مگر تم کہہ رہے ہو کہ میں جوتھن بن جاؤں اس طرح تو میں اپنے بیٹے سے بہت دور ہو جاؤں گا۔" وارنر نے پریشان ہو کے کہا۔ تو ہرس ہنسنے لگا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم یہ شکل لے کر اپنے کے پاس جاؤ گے اور وہ تمہیں اپنا باپ تسلیم کر لے گا تم نے اسے بیٹا بھی کہا تو وہ تمہارا حلیہ بگاڑ دے گا۔ لگے گا تم اسے گالی دے رہے ہو میرا مشورہ ہے اس دور ہی رہو تو بہتر ہے۔ ہاں اس سے ملو جیسے ایک عا سے آدمی ہو اس سے گپ شپ لگاؤ مگر اسے حقیقت کا علم نہیں ہونا چاہئے اگر ایسا ہوا تو یہ میرے لئے برا ہو گا اگر میرا کچھ برا ہوا تو میں تمہارا بھی برا کر سکتا ہوں سمجھے" ہیرس کے لہجے میں موجود پوشیدہ دھمکی اسے محسوس ہوئی

"لیکن اب میں یہاں کیا کروں گا۔" وارنر نے بے زاری سے کہا۔

"اس فلیٹ کا ایک مہینے کا کرایہ میں نے کر دیا ہے۔ اور یہاں موجود کھانے کا سامان پھر تو ہی مہینہ بھر چلے گا۔ اس ڈاکومنٹ کے حساب سے تم نے بزنس میں ماسٹر کیا ہوا ہے تو تم چاہتے ہو کہ ایک نوجوان آدمی کی طرح نوکری تلاش کرو اور اسی فرم میں کلرک کی جاب کرو کسی ہاٹ کولیگ سے افیئر چلاؤ جوان آدمی یہی سب کرتے ہیں مانا تمہاری روح بوڑھی ہے مگر جسم تو جوان ہے اور اس کے کچھ تقاضے ہیں۔" ہیرس نے بات کے آخر میں معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مگر جو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے ذہن میں دھماکے ہو رہے ہیں ان کا کیا؟" وارنر (جوتھن) نے سر تھام کے کہا۔

"یہ درد کس ٹائم ہوتا ہے۔" ہیرس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "اس کا کوئی خاص ٹائم نہیں ہے اچانک یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے سر میں دھماکے ہو رہے ہوں۔"

"او کے ایسا کرو یہ لو ایک ٹیبلٹ 24 گھنٹے میں یہ ایک ہی کھانی پڑتی ہے۔ اگلے 24 گھنٹے بعد دوسری گولی میں تمہیں بھیج دوں گا۔ اور ہر 24 گھنٹے بعد یہ ایک گولی میں بھیجتا رہوں گا۔"

"مگر 24 گھنٹے بعد ایک کیوں دینی ہے ابھی کے ابھی بہت سی دے دو تا کہ تمہیں روز ٹیبلٹ بھیجنے کی

نہ کرنی پڑے۔" وارنر نے جلدی سے کہا۔ "تم تکلیف کو چھوڑو میں بذریعہ ڈاک روز ایک ٹیبلٹ تم پہنچا دوں گا۔"

"مگر......"

"اگر مگر کو چھوڑ جتنا کہا جائے اتنا ہی کیا کرو تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔" ہیرس نے کہا تو وہ ہو گیا۔

اس بات کو ایک ماہ ہو گیا تھا اس ایک ماہ میں اس ایک عام نوجوان کی طرح نوکری تلاش کی تو ایک فرم اسے کلرک کی پوسٹ پر بھرتی کر لیا گیا جب اس کا لیٹر ملا تو وہ لیٹر دیکھ کے ہنسنے لگا جو شخص چند دن تک 20 بلین ڈالر کا مالک تھا آج اسے 1000 کی تنخواہ والی نوکری مل گئی تھی۔ اس نے اس عرصہ میں بیٹے سے ملنے کی متعدد بار کوشش کی مگر وہ اپنے فلیٹ تا ہی نہیں تھا۔ اس کے سر درد کی گولی ہر روز بلا ناغہ اس پہنچ رہی تھی۔ اور اب اسے سر کا درد نہیں ہوتا تھا۔ اس تجربے کے لئے ایک دن گولی نہ کھائی تو شام کو اس کا غ درد کی شدت سے پھٹنے لگا اور اسے عجیب عجیب سی ازیں سنائی دینے لگیں تو اس نے جلدی سے گولی کھائی گولی ایک طرح سے اس کی ضرورت بن گئی تھی۔ س سے اس دن کے بعد اس کی کوئی ملاقات نہ ہوئی نہ ہی اسے اس کے کسی ٹھکانے کا علم تھا۔ وہ اسے ھوں پر پٹی باندھ کے لے گئے تھے اور اسے اس فلیٹ بھی آنکھوں پر پٹی کر کے لائے تھے۔ اس لئے وہ اندازہ قائم کرنے سے قاصر رہا تھا کہ اس کا ٹھکانہ ن سا ہے وہ صبح نو بجے آفس جاتا اور شام 7 بجے چھٹی کے گھر آ جاتا یہی اس کا روز مرہ کا معمول بن گیا تھا۔

اب وہ دنیا والوں کے لئے وارنر نہیں جوتھن تھا۔ ڈیز تھیں اس لئے آفس میں کام زیادہ تھا۔ اس وہ رات نو بجے فارغ ہوا وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس رہا تھا وہ لوکل ٹرین سے اپنے گھر کے پاس والے ن پر اترا پلیٹ فارم سنسان تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ٹیشن سے باہر نکلا، سردی میں اضافہ ہو گیا تھا اس لئے بلڈنگ کے سارے لوگ اپنے کمروں میں دبکے ہوئے تھے۔ وہ ایک سنسان نیم تاریک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کے سر پر پسٹل رکھ دیا۔

"تمہارے پاس جو بھی ہے فوراً میرے حوالے کر دو خبردار اگر کوئی حرکت کی تو گولی کھوپڑی میں گھسا دوں گا۔" اس نے گرج کے کہا تو جوتھن (وارنر) رک گیا "جو بھی ہے تمہارے پاس سب باہر نکالو...... جلدی......" پستول بردار سیاہ فام نیگرو نے کہا۔ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ جو کر رہا ہے وہ ضرور کرے گا۔

وارنر نے جیب سے والٹ اور موبائل نکال کے اس کے حوالے کر دیا۔

"بس اتنے سے پیسے...... اور بھی نکالو۔" اس نیگرو نے سخت لہجے میں کہا۔ "میرے پاس اتنے ہی تھے۔" وارنر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے تم ایسے نہیں مانو گے۔" نیگرو نے کہا اور پسٹل کا بلٹ چڑھایا اور دوبارہ پسٹل کی نال وارنر کے سر پر لگائی تو وارنر نے ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑی۔ جس میں پسٹل تھا۔ اسے اتنی زور کا جھٹکا مارا کہ اس کے ہاتھ سے پسٹل نکل گیا اور اس کی کلائی بھی ٹوٹ گئی۔ نیگرو کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ مگر وارنر نے اسے چھوڑا نہیں اور اس کا سر گردن سے پکڑ کر سامنے موجود دیوار پر دے مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا کچھ دیر وارنر لمبے لمبے سانس لیتا رہا پھر حیرت سے اس گرے نیگرو کو دیکھ رہا تھا اور پھر حیرت سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا وہ گھبرا کے نیگرو کی جانب بڑھا اور اس کی نبض چیک کی تو وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

یہ دیکھ کے وارنر کی حالت اور خراب ہو گئی کیونکہ نیگرو کی حالت خراب لگ رہی تھی وارنر تیزی سے وہاں سے اٹھا اور تیزی سے دوڑتا ہوا اپنی بلڈنگ کی جانب بڑھا اور اپنے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا مگر اس کا دل ابھی بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔" اس نے خود سے سوال کیا اور باتھ روم میں گھس کے شاور آن کر دیا۔ اس کے جسم پر

پڑنے والا پانی اس کے جسم کو سکون دے رہا تھا مگر اس کا دماغ ہرگز پرسکون نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے یہ سب کیسے کرلیا وہ نیگرو وزن میں مجھ سے بہت زیادہ اور طاقت ور تھا، میں نے کس طرح اسے ادھ موا کرکے رکھ دیا۔ میں نے تو اس کی تقریباً اس کی جان ہی لے لی تھی۔" وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کررہا تھا۔

"یہ اچانک مجھے کیا ہوا کہ میں غیر ارادی طور پر یہ سب کر بیٹھا۔" وہ بڑبڑایا۔ "مگر میں نے جواباً ٹھیک کیا ورنہ وہ مجھے مارتا پیٹتا میں نے صرف اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسے چوٹ پہنچائی، وارنر نے خود کو یہ تسلی دی اور شاور لینے کے بعد وہ اپنے بیڈ پر آکے سوگیا۔ یہ الگ بات ہے کہ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆......☆......☆

"گولیوں کی بڑبڑاہٹ سے پہاڑ لرز رہے تھے۔ فضا میں بارود کی بو رچی ہوئی تھی وقفے وقفے سے ان پہ گولے برس رہے تھے جس کی وجہ سے زمین تک کانپ اٹھی تھی۔ "ہیلو ایلفا، الیون...... ایلفا الیون......" میجر رینک کے فوجی نے چلا کے وائرلیس پر کہا۔ "بیٹو الیون اوور......" دوسری طرف سے آواز ابھری...... "سر ہماری بٹالین پوری طرح سے دشمنوں کے گھیرے میں آگئی ہے اور واپسی کے لئے وہ اکلوتا پل تھا اسے بھی دشمن نے بم سے اڑادیا ہے۔ اب ہم واپس بھی نہیں جاسکتے اوور......" میجر نے چلا کے کہا کیوں کہ گولیوں کی آواز سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ "تم چاہتے کیا ہو میجر......؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کرنل میں چاہتا ہوں آپ فوری بیک اپ بھیجیں اوور......" "سوری میجر یہ ناممکن ہے ملٹری اور گورنمنٹ نے یہ آپریشن بند کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ لہٰذا اب انہیں کسی طرح وہاں سے خود ہی باہر آنا ہوگا اس سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا اوور......"

"بھاڑ میں جاؤ......" میجر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے لائن کٹ گئی تو میجر نے مایوسی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر اسے مخاطب کیا۔

"ڈیکلڈ ہمارا بچنا اب بہت مشکل ہے۔ ہمارے آدھے سے زیادہ سولجر یا تو مارے جاچکے ہیں یا پھر شدید زخمی ہیں۔ یہاں سے واپس جانے کا بھی کوئی رستہ نہیں تم کیوں نا ایک سولجر کی طرح لڑتے ہوئے مارے جاتے۔" میجر نے اس کی جانب مسکرا کے دیکھا تو اس نے سر ہلادیا تو وہ اور میجر اپنی گنز سنبھالے مورچے سے باہر نکل آئے اور دشمنوں پر گولیاں برسانے لگے اور آگے بڑھتے رہے کہ اچانک اسے ایک گولہ اپنی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ میجر کو بتاتا کہ گولا آرہا ہے گولا ان کے قریب آکے گرا...... "ڈیکلڈ......" میجر نے چلا کے کہا اور اس کے ساتھ ہی کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور اسے لگا اس کے وجود کو کسی نے ہوا میں اچھال دیا ہو......

☆......☆......☆

اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ وارنر پسینے سے شرابور تھا۔ میں نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے اس نے سوچا اور پھر گھڑی کی جانب نظر دوڑائی تو رات کے 2 بج رہے تھے۔ وہ بیڈ سے اترا اور کچن میں گیا وہاں موجود فریج کا دروازہ کھولا اور پانی کی بوتل نکال کے پوری بوتل سے منہ لگالیا اور دو ہی سانسوں میں بوتل خالی کردی، فریج بند کرکے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں واپس آیا اور بیڈ پر سید ھا لیٹ کے سوچنے لگا بڑا ہی عجیب خواب تھا۔ میں ایک فوجی...... اور جنگ بھی...... یہ ناممکن ہے بڑا ہی بے ہودہ خواب تھا اس نے سوچا اور ایک بار پھر نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

دو دن بعد شام کے وقت ہیرس اس کے گھر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا اس کی ہاتھ کی بنائی ہوئی کافی پینے میں مصروف تھا۔ "تو بتاؤ تمہاری روزمرہ کی روٹین کیسے جارہی ہے۔" ہیرس نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "نارمل جارہی ہے۔" وارنر نے کہا حالانکہ وہ ہیرس کو اپنے اوپر نیگرو کے کئے حملے اور پھر اپنے بچاؤ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر پتہ نہیں کیونکہ اس کی چھٹی

ں نے کہا کہ یہ بتانا مناسب نہیں ہوگا۔ "چلو کوئی خاص بات نہیں ہے تو کوئی عام بات ہی سنادو۔" ہیرس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "تو کیا اب تمہیں رات کو آنے والے خواب سنادوں؟" وارنر نے مذاق کرنے والے انداز میں کہا۔ "چلو خواب ہی سنادو؟" ہیرس نے مسکرا کے کہا۔ "میں نے دو دن پہلے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک فوجی ہوں اور جنگ لڑ رہا ہوں پتہ نہیں کہاں پر لڑ رہا تھا میرے تمام ساتھی فوجی مارے جاچکے تھے اور پھر ایک گولہ مجھے بھی آن لگا مگر اس سے پہلے وہ گولہ مجھے لگتا میری آنکھ کھل گئی۔ ورنہ میں بھی مارا جاچکا ہوتا۔ وارنر نے ہنس کے کہا تو ہیرس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ "کیا کہا تم نے تم ایک فوجی ہو یہ خواب تمہیں کب آیا؟" ہیرس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بتایا تو ہے یہی کوئی دو روز پہلے......" وارنر نے حیرت سے کہا۔ "اس کے علاوہ بھی کوئی خواب آیا ہے تمہیں میرا مطلب ہے کہ کچھ اور بھی دیکھا تم نے خواب میں۔" ہیرس نے بدستور تیز لہجے میں کہا۔ "نہیں کچھ خاص نہیں کہا کوئی پرابلم ہے؟" وارنر نے پریشان ہو کے کہا۔ "نہیں...... فی الحال تو نہیں لیکن تمہیں اس طرح کے عجیب وغریب خواب آنا ٹھیک نہیں ہے۔ تمہاری صحت کے لئے اس سے تمہاری ذہنی حالت بگڑ سکتی ہے۔" ہیرس نے فکرمندی سے کہا۔ "تو اس کا کیا حل ہے۔" وارنر نے پریشان ہو کر کہا۔ "آج سے تمہاری گولی کی مقدار بڑھا رہا ہوں ہوسکتا ہے اس سے تھوڑے چکر وغیرہ آئیں مگر اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے گولی اب بھی ایک ہی ہوگی البتہ یہ پہلی والی گولی سے سائز میں کچھ بڑی ہوگی۔" ہیرس نے کہا اور اپنی جیب سے ایک بڑی سائز کی ٹیبلٹ نکال کے اسے تھمادی۔ "اور یاد رہے کبھی اسے کھانا مس مت کرنا اگر تم نے ایک روز بھی اسے کھانا چھوڑا تو تمہاری ذہنی حالت پاگل پن تک جاسکتی ہے سمجھے۔" ہیرس نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن آخر آپ مجھے ایک ہی بار بہت سے ٹیبلٹس کیوں نہیں دے دیتے۔" وارنر نے کہا۔ "اس کے پیچھے بھی ایک وجہ ہے۔"

"کیسی وجہ......؟" وارنر نے حیران ہو کے کہا۔

"تم نہیں سمجھ پاؤ گے...... اوکے میں چلتا ہوں۔" ہیرس نے مسکرا کے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تو وارنر بھی اٹھ کھڑا ہوا......

☆......☆......☆

سنڈے کو وارنر نے اپنے لئے شاپنگ کا پروگرام بنایا، حقیقت میں آج وہ پہلی بار عام دکانوں سے اپنے لئے کچھ خرید رہا تھا۔ اس کے پاس 4500 ڈالر تھے اس سے پہلے تو برانڈ ایمبسڈر خود اس کے دفتر یا گھر اپنی تمام کولیکشن بھجوادیا کرتے تھے مگر اب حالات ویسے نہیں رہے تھے اس کی شکل وشخصیت بدلتے ہی سب کچھ بدل گیا تھا۔ اب وہ بھی عام لوگوں کی طرح ریٹ اور چیزیں دیکھ کر خریداری کررہا تھا۔ وہ ایک اسٹور پر کپڑے دیکھنے میں مصروف تھا ایک لڑکی جس کے گولڈن بال تھے اور چاندی کی طرح شفاف رنگت تھی اس کی جانب تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ وہ جینز اور ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی اس کی یوں ڈھیلی ٹی شرٹ پہننے کی وجہ بھی بہت جلد اسے پتہ چل گئی اسے اس کا پھولا ہوا پیٹ بتا رہا تھا کہ وہ پریگننٹ تھی۔

وہ جیسے ہی وارنر کے قریب آئی اس نے ایک زور دار تھپڑ وارنر کے گال پر رسید کردیا۔ تھپڑ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وارنر کا منہ دوسری جانب گھوم گیا اور تھپڑ کی آواز سے اسٹور میں موجود ہر شخص چونک اٹھا۔ وارنر نے پہلے اسے حیرت اور پھر غصے سے دیکھا۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا مگر اس سے کہیں زیادہ غصہ اس لڑکی کے چہرے پر تھا۔ "تم ایک ہارے ہوئے انسان تو تھے ہی...... تم نے یہ بھی ثابت کردیا کہ تم ایک بزدل انسان بھی ہو......" لڑکی نے غصے سے چلا کے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے آپ عورت ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کسی بھی راہ گزرتے ہوئے شخص کو تھپڑ جڑ دیں گی......" وارنر نے غصے سے بھنا کے کہا۔ "میں تو جانتی ہوں کہ میں ایک عورت ہوں مگر تم شاید بھول گئے

ہو ڈیکڈ کہ تم ایک مرد ہو اور تمہاری کچھ ذمہ داریاں ہیں۔" لڑکی نے تیز لہجے میں کہا۔

"اب یہ ڈیکڈ کون ہے محترمہ۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" وارنر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"سمجھ آئے گا بھی نہیں کیوں کہ تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے ڈیکڈ۔" لڑکی نے غصے سے کہا۔

"میرے خیال میں ان محترمہ نے پی رکھی ہے اس لیئے یہ مجھے ڈیکڈ پکار رہی ہیں آپ سن لیں کہ ان کے برے رویہ کے باوجود میں نے انہیں معاف کیا......" وارنر نے اونچی آواز میں اسٹور میں موجود لوگوں کو مخاطب کرکے کہا جو یوں یہ منظر دیکھ رہے تھے جیسے اسکرین پلے دیکھ رہے ہوں۔" یہ کہہ کر وارنر پلٹا اور دروازے کی جانب بڑھا تو وہ لڑکی بھاگ کے اس کے سامنے آگئی۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"جہاں بھی جارہا ہوں آپ کو اس سے کیا آپ پلیز میرا راستہ چھوڑیں، اس سے پہلے کہ میں بھول جاؤں آپ ایک عورت ہیں۔" وارنر نے کہا اور تیزی سے ایک سائیڈ سے ہو کے باہر نکل گیا۔ "ڈیکڈ میں اس طرح تمہیں جانے نہیں دوں گی۔" لڑکی نے چلا کے کہا اور اس کے پیچھے لپکی وارنر نے یہ دیکھا تو پریشان ہوگیا باہر سڑک پر ایک پولیس کار اسے کھڑی دکھائی دی جس میں کولیز بیٹھے ہوئے کہا۔ "ہائے جینٹل مین وہ لڑکی جو میرے پیچھے آرہی ہے اسے روکیں۔ وہ مجھے جنسی طور پر ہراساں کررہی ہے۔" وارنر نے پولیس کولیز کو کہا تو وہ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے اتنے میں وہ لڑکی وارنر کے قریب آگئی اور اسے پکڑنا چاہا مگر پولیس اہلکار نے اسے دبوچ لیا۔ "ہیلو میڈم آپ اس طرح کسی کو مجبور نہیں کرسکتیں۔" پولیس اہلکار نے سخت لہجے میں کہا۔ "چھوڑ دو مجھے میں اسے جانے نہیں دوں گی۔" لڑکی نے چلا کے کہا۔ "دیکھیں میڈم آپ ہمیں سختی پر مجبور نہ کریں۔" پولیس اہلکار نے سخت لہجے میں کہا۔ انہیں الجھا دیکھ کر وارنر نے موقع غنیمت جانا اور وہ وہاں سے کھسک گیا کچھ دیر دوڑنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا اور دروازہ لاک کردیا۔ "پتہ نہیں کیسی کیسی دنیا پھر رہی ہے بے وقوف لڑکی۔" وارنر بڑبڑایا اور فریش ہو کے کھانا کھا کے سو گیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح ہیرس اس کے فلیٹ پر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا وارنر نے کل صبح اپنے ساتھ ہونے والے واقع کے بارے میں بتانا مناسب نا سمجھا اور صرف اپنے خواب کے بارے میں بتایا تو کچھ دیر تک ہیرس اسے پُرسوچ نگاہوں سے دیکھتا رہا اسے یوں اپنی طرف دیکھتے ہوئے آیا کہ وارنر کو تھوڑی بے چینی سی ہونے لگی آخر ہیرس نے اس طویل خاموشی کو توڑا۔

"دیکھو......اس طرح دماغ کی پیوند کاری میں دماغ شعوری طور پر اور لاشعوری طور پر بہت متاثر ہوتا ہے۔ کچھ عرصے تک عجیب و غریب خوابوں کا آنا یا ہوش میں بھی مختلف آوازوں کا سنائی دینا معمول کی باتیں ہیں اس پراسس سے سبھی کو گزرنا پڑتا ہے۔"

"مگر اس مسئلہ کا حل کیا ہے اس وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔" وارنر نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ "آپ کو ان تمام خوابوں اور خیالات کو یکسر نظر انداز کرنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں یہ تھوڑا مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں اس کے بعد آہستہ آہستہ خود آپ کو یہ خواب آنا بند نہیں ہوں گے اور ایسا اس وقت ہوگا جب آپ کا دماغ مکمل طور پر اس نئے جسم کو تسلیم کرے گا۔" ہیرس نے کہا تو وارنر نے سر ہلا دیا۔ "چلو اب جلدی جلدی اپنے ہاتھ کی ہاٹ کافی پلادو۔ تمہاری کافی کا تو میں فین ہوگیا ہوں۔" ہیرس نے وارنر کو مخاطب کرکے کہا۔ "کیوں نہیں ضرور......" وارنر نے خوش اخلاقی سے کہا اور اٹھ کے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے خوابوں کے موضوع پر ہیرس سے بات ضرور کرلی تھی مگر ہیرس کا کوئی بھی جواب اسے ذہنی طور پر مطمئن نہ کرپایا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح وہ دفتر جانے کی تیاری کرنے میں مصروف تھا۔ اپنا ماضی یاد کرکے اس کے ہونٹوں پر

ایک مسکراہٹ آجاتی تھی۔ ایک وقت تھا کہ وہ گاڑیوں کے قافلے کے پروٹوکول میں دفتر جاتا تھا اور ایک وقت اب یہ تھا کہ وہ جلدی سے تیاری کررہا تھا کہ اس سے لوکل ٹرین نہ چھوٹ جائے اور وہ دفتر سے لیٹ ہوجائے، وہ جلدی جلدی تیاری کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ "اب کون آگیا اس نے تلخی سے سوچا اور جلدی سے جاکے دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے کہ وہ آنے والے سے مخاطب ہوتا، کوئی اسے دھکا دے کر اندر گھس آیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ لاک کردیا۔ اس نے حیرت سے آنے والے کو دیکھا تو وہ کوئی اور نہیں وہی لڑکی تھی جو دو دن پہلے اسٹور میں اس کے گلے پڑگئی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے......؟" وارنر نے غصے سے اونچی آواز میں کہا تو اس لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "تمہیں زیادہ اداکاری کرنے کی ضرورت نہیں اگر میں نے شور مچادیا تو پوری بلڈنگ کے لوگ تمہارے فلیٹ کے سامنے آکھڑے ہوں گے اور تمہاری رہی سہی عزت کا بھی جنازہ نکل جائے گا سمجھے۔ لڑکی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے دھمکی دے رہی ہو اور وہ بھی میرے فلیٹ میں کھڑے ہو کے؟" وارنر نے غرا کے کہا۔

"تم کب سے دھمکیوں سے ڈرنے لگے ڈیکڈ......" لڑکی نے طنزیہ انداز میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ "اب تم بیٹھ کیوں گئی ہو اور یہ تم مجھے ڈیکڈ کیوں بلاتی ہو؟" وارنر نے غصے سے کہا۔

"ارے واہ تمہیں تو جیسے اپنا نام پتہ نہیں یہ تم بے وقوف کسے بنارہے ہو مجھے یا خود کو......" لڑکی نے غصے سے کہا۔ "بہت ہوگیا اب میں پولیس کو بلارہا ہوں وہ خود ہی تم سے نمٹ لیں گے۔" وارنر نے کہا اور فون کا ریسیور کان سے لگا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "اچھی بات ہے بلاؤ پولیس کو کیا بتاؤ گے کہ تمہاری بیوی تمہارے گھر میں موجود ہے اور تم اسے زبردستی اپنے گھر سے نکالنا چاہتے ہو۔"

"کیا......؟ بیوی...... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" وارنر نے چلا کے کہا۔

"تو کیا اب تم ہم دونوں میں موجود رشتے کے وجود سے بھی انکاری ہوگئے ہو اپنی ذمہ داریوں سے تو تم نے بہت پہلے سے پیچھا چھڑالیا تھا۔" لڑکی نے منہ بنا کے کہا۔ "دیکھیں میڈم آپ کو کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام جو تھمن ہے۔ میں نے اپنی تمام عمر نیوجرسی میں گزاری اور حال ہی میں نیویارک آیا ہوں۔ اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں آپ کا ہسبنڈ ہوں کمال ہے۔" وارنر نے تلخ انداز میں کہا۔

"ڈیکڈ اب بس بھی کرو یہ جھوٹ دنیا کے سامنے بے شک بولو کم از کم میرے سامنے تو نہ بولو۔" لڑکی نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ "او مائی گاڈ تمہیں کیسے سمجھاؤں بے وقوف عورت کہ میں ڈیکڈ نہیں ہوں یقین نہیں ہوتا تو یہ میرا گرین کارڈ دیکھ لو۔" وارنر نے اپنے جیب سے کارڈ نکال کے اس کی آنکھوں کے سامنے کارڈ کیا۔ "حیرت ہے تم نے مجھ سے بچنے کے لئے جعلی کارڈ بھی بنوالیا۔"

"شٹ اپ......" وارنر نے چلا کے کہا۔ اب معاملہ اس کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔

"تم میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہو۔

"یہی کہ تمہارا نام ڈیکڈ ہے اور تم میرے ہسبنڈ ہو تمہارا بچپن برازیل میں گزرا پھر تم آرمی میں میرین بھرتی ہوئے، اس کے بعد تم ایک مشن پر صومالیہ گئے، وہاں تم شدید زخمی ہو کے لوٹے پھر واپس آئے مجھ سے شادی کی اور پھر......"

"اور پھر کیا......" وہ لڑکی کہتے کہتے رک گئی تو وارنر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں......" لڑکی نے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کی بات سن لی، آپ کے پاس ان باتوں کا ثبوت ہے۔" وارنر نے اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"تم مجھ سے ہم دونوں کے درمیان موجود رشتے کا ثبوت مانگ رہے ہو۔ بلکہ نہیں تم تو اتنے خود غرض ہوگئے ہو ڈیکڈ کہ اپنی شناخت سے بھی انکاری ہوگئے ہو۔" لڑکی نے تاسف بھری نظروں سے وارنر کو دیکھتے

ہوئے کہا۔

"پلیز کوئی ثبوت ہے تو دکھاؤ ورنہ یہاں سے چلی جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں پولیس کو بلالوں۔" وارنر نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تو لڑکی نے آگے بڑھ کے اپنے سیل سے اس کی اور اپنی رومانوی پکچر اور سیلفیاں دیکھائیں۔

"یہ فوٹو شاپ آج کل کون سے مشکل کام ہے۔" وارنر نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا کہ اچانک ایک پکچر پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ "ایک منٹ پیچھے والی پکچر دکھانا ذرا....." وارنر نے کہا تو لڑکی نے فوراً پچھلی پکچر اوپن کی تو وہ اس کی اور ایک آدمی کی پکچر تھی اور وہ دونوں ہی فوجی یونیفارم میں تھے۔ "میرے خیال میں میں نے اس آدمی کو کہیں دیکھا ہے۔" وارنر نے ذہن پر زور دینے والے انداز میں کہا۔

"کمال ہے میرے ساتھ اپنے بیسٹ فرینڈ کو بھی بھول گئے، یہ تمہارے ساتھ میرین میں ہوا کرتا تھا اور تم جس یونٹ میں تھے یہ اس کا کمانڈنٹ آفیسر تھا۔ پھر دشمنوں نے تمہاری پوری یونٹ کا صفایہ کردیا اور پوری یونٹ میں صرف تم ہی زندہ بچے اور وہ بھی شدید زخمی حالت میں۔" لڑکی نے کہا۔ تو وارنر دنگ رہ گیا۔ اسے وہ خواب یاد آیا جو اس نے کچھ دن پہلے ہی دیکھا تھا تو کیا اس خواب کا حقیقت سے کوئی تعلق تھا۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے میرا اصل نام تو وارنر ہے اور میں ایک مشہور بزنس مین ہوں، پھر ہیرس نے میرے دماغ کی پیوند کاری کرکے میرے دماغ کو نئے وجود میں داخل کردیا اور اب اس لڑکی کا یہ دعوہ کہ میں ڈیکڈ ہوں کیا یہ صحیح تو نہیں کہہ رہی کیا میں واقعی ڈیکڈ ہوں اس نے سوچا۔ "تم وارنر ہو۔" دماغ میں ایک آواز ابھری۔ "نہیں میں ڈیکڈ ہوں..... جواب میں دوسری آواز ابھری اور پھر اس کے دماغ میں مختلف آوازوں کی ایک ایسی جنگ شروع ہوگئی کہ وہ بے اختیار اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی اسے زوردار چکر آیا اور وہ گرتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ وہ فرش پر پڑا ہے اور وہ لڑکی اس کے ہاتھ پیر مسل رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔

"مجھے کیا ہوا تھا۔" وارنر نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ "تم اچانک سے سر تھام کر گر گئے میں تو پریشان ہی ہوگئی تھی۔"

"میں کتنی دیر بے ہوش رہا؟" وارنر نے اسے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ایک دو منٹ شکر ہے ڈیکڈ تمہیں فوراً ہوش آ گیا ورنہ میرا تو پریشانی سے برا حال ہوگیا تھا۔" لڑکی نے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام۔" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں یہاں صرف تم ہی ہو تو ظاہر ہے تم سے ہی سوال کروں گا۔" وارنر نے منہ بنا کے کہا۔

"میرا نام سینڈرا ہے ویسے یہ بتانا بہت عجیب لگ رہا ہے کہ یہ سوال مجھ سے ایسا شخص کررہا ہے جس کے ساتھ میں نے اپنی زندگی کے سب سے اچھے دن گزارے ہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہمارا بریک اپ کیسے ہوا؟" وارنر نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ کیا تم میرے ساتھ ڈرامہ کررہے ہو کیا تمہیں خود کچھ بھی یاد نہیں۔"

"یقین جانو مجھے کچھ بھی یاد نہیں آرہا شاید میری یادداشت کام کرنا چھوڑ گئی ہے۔" وارنر نے بے چارگی سے کہا۔ "ہمارے اکلوتے بیٹے کا برتھ ڈے تھا وہ چھ سال کا تھا اس کے کہنے پر ہم اپنی کار پر لانگ ڈرائیو پر نکلے ہوئے تھے۔ وہ رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ ہمارے بیٹے کے کہنے پر تم نے ایک کار کو تیز رفتاری سے کراس کیا کہ اچانک کار پول سے ٹکرائی جس کے نتیجے میں ہمارا بیٹا موقع پر ہی فوت ہوگیا۔ تم معمولی زخمی ہوگئے مجھے زیادہ چوٹیں آئیں اور میں دو ہفتے اسپتال میں رہی اور تم مجھے جھوٹے دلاسے دیتے رہے کہ ہمارا بیٹا ٹھیک

ہے اور میں اپنے مرے بیٹے کو دیکھ بھی نہ سکی، مانا کہ ڈاکٹر نے تمہیں مجھے حقیقت بتانے سے منع کیا تھا مگر تم نے دو بہت بڑی ناقابل معافی غلطیاں کیں ایک تو تم نے جانسن کے کہنے پر کار کی رفتار بڑھائی حالانکہ میں نے تمہیں بہت منع کیا تھا تم جانتے تھے کہ وہ ایک بچہ ہے اس کے باوجود تم نے اس کی ناجائز خواہش کو پورا کیا جس کے نتیجے میں وہ بے چارہ خود اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ بچہ تھا مگر تم تو بچے نہیں تھے نا، دوسری غلطی تم نے اس کے مرنے کی خبر تک مجھے نہ ہونے دی اور میں اسے آخری بار چوم بھی نہ سکی۔" سینڈرا نے کہا اور پھر پھوٹ کے رونے لگی۔

تو وارنر نے اپنا رومال اس کی جانب بڑھادیا۔

"جب مجھے حقیقت کا علم ہوا تو میں نے تمہیں دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا اور حالانکہ وہ گھر تمہارا اپنا تھا، مجھے تمہاری شکل تک سے نفرت ہوگئی، جب میں نے کچھ دن بعد ٹھنڈے دماغ سے سوچا تو مجھے تمہاری کہیں بھی غلطی نظر نہ آئی تم واپس گھر بھی نہیں آئے تو میں تمہیں ڈھونڈنے نکل پڑی اور آج جا کے تقریباً چھ ماہ بعد تم مجھے یہاں ملے ہو اور ملے بھی ہو تو اس حالت میں کہ مجھے پہچاننے تک سے انکاری ہو اور اس وقت بھی جو وجود میری کوکھ میں پل رہا ہے یہ بھی تمہارا ہے۔"

"سینڈرا نے کہا تو وارنر سر تھام کے ایک بار پھر بیٹھ گیا۔

"اب کیا ہوگیا تمہیں۔" سینڈرا نے کہا۔

"میں تمہیں کچھ اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں دراصل میں....." وارنر نے اتنا ہی کہا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔ "او ہو اب کون آ گیا....." وارنر نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے ڈور آئی کی مدد سے باہر دیکھا تو وہ گھبرا گیا باہر ہیرس آیا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور سینڈرا کی جانب آیا اور بولا۔ "دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھ سے بہت سے سوالات کرنے ہیں۔ اسی طرح میں بھی بہت سے سوالات کے جوابات کو جاننا چاہتا ہوں، باہر میرا ایک دوست آیا ہے جو شاید میرے سوالوں کا صحیح جواب دے، میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم چھپ جاؤ، مجھے لگتا ہے تمہارا اس کے سامنے آنا ہم دونوں کے لئے ٹھیک نہیں سمجھیں....." وارنر نے کہا تو سینڈرا نے کچھ سوچ کے سر ہلادیا۔ "او کے تم اب باتھ روم میں جا کے چھپ جاؤ اور کوئی بھی ایسی حرکت نہ کرنا، جس سے اسے تمہاری یہاں موجودگی کا احساس ہو، او کے اب جلدی سے چھپ جاؤ۔" وارنر نے کہا تو وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ ڈور بیل مسلسل بجی جارہی تھی۔ وارنر نے جلدی سے جا کے دروازہ کھولا۔

"کیا بات ہے اتنی دیر لگادی دروازہ کھولنے میں کہیں میں غلط وقت پر تو نہیں آ گیا....." ہیرس نے اندر داخل ہو کے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" وارنر نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج تم دفتر نہیں گئے خیریت تو تھی۔" ہیرس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس وہ ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے نہیں گیا۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت کو؟" ہیرس نے چونک کے کہا۔

"وہی مسئلہ عجیب وغریب خوابوں کا آنا جیسے میں کسی فوجی کی طرح جنگ لڑ رہا ہوں یا پھر میں ایک ایسا شادی شدہ نوجوان ہوں جس کا ایک بیٹا بھی ہے کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی اس پریشانی کی وجہ سے میں اپنے بیٹے تک کو نہ ملنے جاسکا جس کے لئے میں موت کو شکست دے کے یہاں بیٹھا ہوں۔ میں کیا کروں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ مجھے لگتا ہے میرے اندر کوئی اور انسان بھی موجود ہے جو میں ہرگز نہیں، وہ کوئی اور ہی ہے جسے میں نہیں جانتا۔" وارنر یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا تو ہیرس چند لمحے اسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ دنیا کے ماہر ترین نیورو سرجن بھی دماغ کی پیوند کاری کو ناممکن تصور کرتے ہیں

اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایسا واقعی میں ممکن نہیں، دماغ کے نظر نہ آنے والے باریک ریشوں کو دیکھنا ہی ممکن نہیں، اس کی پیوند کاری یعنی اس کی دوسرے دماغ میں منتقلی تو دور کی بات ہے دنیا میں اب تک اس کے جتنے بھی تجربات ہوئے وہ بری طرح ناکام رہے۔ پوری دنیا کے سائنٹسٹ اور بیالوجیکلز اس بات پر زور دیتے رہے کہ دماغ کی دوسرے جسم میں منتقلی کیسے کی جائے اور وہ یہ بھول گئے کہ قدرت نے انسانی دماغ کو کمپیوٹر یا رڈ کی طرح بنایا ہے اگر ہم ایک دماغ میں موجود انسان کی تمام یادداشتیں، احساسات، جذبات، وہ ہر چیز جو اس کے شعور، لاشعور یعنی دماغ میں موجود ہے ایک کمپیوٹر ہارٹ میں اسٹور کرلیں اور پھر وہ تمام یادداشت ہم ایک ایسے انسانی دماغ میں ڈال دیں جسے ہم نے واش کیا ہو۔ یعنی اس کی یادداشتوں کو ری موو کرکے اپنے من پسند آدمی کے دماغ کا ریکارڈ اس میں ڈال دیں تو ہمارا آدمی ایک نئے روپ میں زندہ ہوجائے گا۔ ایک نئے وجود کے ساتھ اس کے لئے ہمیں صرف کرنا یہ تھا کہ ایک ایسی مشین بنائی جائے جو کسی بھی انسانی دماغ کا ریکارڈ اپنے اندر ریسیو کرلے اور پھر وہ ریکارڈ دوسرے دماغ میں بھی ڈال سکے اور ہم اس میں کامیاب ہوئے، یہ مسئلہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا تمہیں باتوں سے محسوس ہورہا ہے۔ اس میں بھی ایک مسئلہ آنے لگا وہ یہ تھا کہ جب ہم کسی انسان کا دماغ ریکارڈ نئے وجود میں ڈالتے تھے تو پہلے سے موجود اس کی یادداشتوں کو مٹا دیتے تھے مگر اس کے باوجود بھی کبھی کبھار وہ یادداشت نہیں مٹتیں، دراصل پہلے سے موجود یادداشتوں کو مٹانا ایک طرح سے ممکن ہی نہیں ہوا۔ فی الحال تک بس ان یادداشتوں کو دبانے کے لئے ہم نے ایک دوا تیار کی جو 24 گھنٹے میں ایک بار لازماً کھانی پڑتی ہے۔ اس طرح وہ دماغ میں موجود سابقہ یادداشتیں دبی رہتی ہیں اور نئی یادداشتوں کو اچھی طرح کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ دو اشعوری طور پر تو انسان کو کنٹرول رکھتی ہے۔ مگر جو انسان لاشعوری حرکت کرتا ہے اس کا یہ دوا کوئی توڑ نہیں کرسکتی۔ تم لاشعوری طور پر جو خواب دیکھتے ہو وہ اسی کا نتیجہ ہے تم جس وجود میں زندہ ہو وہ ایک فوجی کا وجود ہے جس نے ایک مشن کے بعد نوکری چھوڑ دی اور پھر شادی کی جس میں سے ایک بچہ ہوا پھر ایک حادثے میں بچہ مرگیا اور اس کی بیوی نے حادثے کا ذمہ دار اسے قرار دیا اور برج سے کود کے خودکشی کرنے والا تھا کہ میرے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا ہم نے اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں تو معلوم ہوا کہ اس کے پیچھے اس کے اپنوں میں سے ایک بیوی موجود ہے یعنی اس کے یوں غائب ہونے پر کسی کو بھی پتہ نہ چلتا ویسے بھی وہ دوسری ریاست سے تھا تو اس کا کسی کو جاننا بھی مشکل تھا۔ اس لئے اس کا وجود ہم نے تمہاری یادداشتوں کے حوالے کردیا تاکہ ایک عظیم دماغ مرنے سے محفوظ رہے۔" ہیرس یہاں تک کہہ کے خاموش ہوگیا تو وارنر اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔ "تم نے اتنا بڑا دھوکا دیا مجھے؟ کس لئے کیا یہ سب.....؟" وارنر نے خالی خالی لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے میں نے جو بھی کیا پیسے کے لئے کیا تمہیں نئی زندگی چاہئے تھی اور مجھے پیسہ ایک بلین ڈالر ایک عام بزنس مین تو دینے سے رہا۔ اس کے لئے تو مجھے ایک بلین درکار تھا جو تمہاری صورت میں مجھے ملا یہ سب تمہیں اس لئے بتایا کہ تم سوچ سوچ کے اپنا دماغ نہ تھکاؤ تم یہ باتیں کسی کو نہیں بتاؤ گے اگر تم نے یہ باتیں کسی کو بتائیں تو جو تمہیں روزانہ ایک ٹیبلٹ کی شکل میں دوا ملتی ہے وہ بند کردی جائے گی اور تمہاری یادداشت اس دماغ سے ختم ہوجائے گی اور تمہاری موت واقع ہوجائے گی۔" ہیرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جیسے وہ نارمل انداز میں بات کررہا ہو۔ وارنر اسے کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ "اچھا چلتا ہوں کل پھر آؤں گا۔ ہیرس نے کہا اور وہ چلا گیا وارنر کو اپنے وجود میں اتنی بھی طاقت محسوس نہ ہوئی کہ اٹھ کے اسے دروازے تک چھوڑ دیتا۔ اس کے جانے کے دس منٹ بعد سینڈرا باہر آئی۔ "کیا وہ چلا گیا؟" سینڈرا نے اسے مخاطب کرکے کہا۔ "مگر وہ بت بنا

خلاؤں میں گھور رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے سینڈرا کو تمام تر حقیقت بتادی کہ وہ کون ہے اور کیسے اس کی یادداشتوں کو ڈیکڈ کے خالی دماغ میں ڈالا گیا۔ تمام واقعات ترتیب سے سننے کے بعد سینڈرا اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جیسے اسے اس کی باتوں کی حقیقت ہونے پر یقین نہ آرہا ہو۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کے اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے کہ اچانک وہ اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے وارنر کا گریبان پکڑ لیا۔ "ڈیکڈ کہاں ہے بہروپے۔" اس نے چلا کے کہا۔ "اس کو قتل کرکے تم اس کے وجود میں کیسے سما سکتے ہو۔ ایک عورت کے ساتھ اس سے بڑا اور کیا مذاق ہوسکتا ہے کہ جو اس کے شوہر جیسا لگتا ہے وہ اس کا شوہر نہیں بلکہ کوئی اور ہے جو اس کے شوہر کے وجود میں سمایا بیٹھا ہے۔" سینڈرا نے کہا اور اس کا گریبان چھوڑ کے صوفے پر جا بیٹھی اور سسک سسک کے رونے لگی۔

وارنر نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔ بس اسے پتھرائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا چلا گیا۔ "میرے شوہر کے قاتل تم ہو تم نے ہی اسے مارا ہے۔ اپنی گھٹیا اور سڑی ہوئی زندگی بچانے کے لئے تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی تم جس وجود میں سانس لے رہے ہو وہ تمہارا نہیں ہے تم کسی اور کے حصے کی سانس لے رہے ہو تم ایک بزدل انسان ہو جسے موت سے سامنا کرنے میں ڈر لگتا ہے یہ جاننے کے باوجود کہ ایک نہ ایک دن آخر کار سب کو مرنا ہوتا ہے تم کب تک یوں خود کو دھوکا دیتے رہو گے....."

سینڈرا نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں؟" وارنر نے انتہائی فیصلہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔ تو سینڈرا اس کی جانب غور سے دیکھنے لگی۔ اور پھر مسکرادی۔ "تمہیں لگتا ہے کہ مجھے تمہاری بے پناہ دولت میں دلچسپی ہے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے اگر تم مجھے کچھ دینا ہی چاہتے ہو تو مجھے ڈیکڈ واپس کردو میں نے اس کے ساتھ بہت غلط کیا، میں نے اسے گھر سے نکالنے کے بعد یہ تک نہ سوچا کہ مرنے والا اس کا بھی بیٹا تھا اور اس وقت بدقسمتی سے کار بھی وہ خود چلا رہا تھا تو اس کے ضمیر پر کتنا بوجھ ہوگا۔ وہ تو راتوں کو سو بھی نہ سکتا ہوگا وہ تو ہر وقت یہ سوچتا رہتا ہوگا کہ کاش اس نے اپنے بچے کے کہنے پر رفتار نہ بڑھائی ہوتی۔ یہ پچھتاوا تو اسے جینے بھی نہیں دیتا ہوگا جس وقت مجھے اس کو حوصلہ دینا تھا میں نے اسے گھر تک سے نکال دیا وہ تو جیتے جی ہی مرگیا ہوگا۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ ایک بار اپنے برے رویے کی ڈیکڈ سے معافی مانگ لوں اور اسے کہوں کہ جو کچھ ہوا سب تقدیر کا لکھا تھا اس میں کسی کی کوئی غلطی نہیں تھی بس میں اتنا ہی چاہتی ہوں....." سینڈرا نے کہا تو وارنر پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کوئی بڑا فیصلہ کرچکا ہے۔

☆.....☆.....☆

دو دن بعد ہیرس رات کے وقت اس کے پاس آیا آج فلیٹ میں اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا سینڈرا اپنے مٹی چلی گئی تھی۔

"مسٹر ہیرس تم سے ایک بات پوچھنی ہے؟" وارنر نے کہا۔

"پوچھو....." ہیرس نے کافی کا مگ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ہیرس اگر میں تمہاری دی ہوئی دوا نہ لوں تو کیا ہوگا میرے ساتھ؟" وارنر کی بات سن کے ہیرس ہنسنے لگا۔ "ہونا کیا ہے تمہاری یادداشتیں اور احساسات اس دماغ سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیں گے اور تم مرجاؤ گے۔" ہیرس نے کہا۔

"اور اس وجود کا کیا ہوگا جس میں اب میں اپنی یادداشتوں کی بدولت زندہ ہوں۔" وارنر نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اس وجود کا کیا ہونا ہے اس دماغ میں پھر دوبارہ پہلے والی یادداشتیں لوٹ آئیں گی اور اصل میں یہ جسم جس آدمی کا ہے وہ اس دماغ میں دوبارہ زندہ ہوجائے گا۔ ہم اس پر بھی کام کررہے ہیں کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں کہ دوا لینے کی ضرورت ....." ہیرس

نے اتنے تک کہا کہ وارنر نے اپنی جیب سے پسٹل نکالا اور اس سے پہلے کہ ہیرس کچھ سمجھتا اس کے سر کا نشانہ لے کر ایک گولی داغ دی۔ ایک دھماکے سے اس کے بھیجے کے ٹکڑے کمرے میں بکھر گئے۔ ''اب تم ایسا کوئی بھی کام نہیں کرو گے جس سے کسی کی زندگی برباد ہو۔'' وارنر نے اس کی لاش کو مخاطب کر کے کہا جس کی کھلی آنکھوں میں اب بھی حیرت کے اثرات باقی تھے..... اور اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے فلیٹ سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو انجان کمرے میں پایا تو وہ حیرت سے اٹھ بیٹھا۔ ''میں کہاں ہوں؟'' اس نے خود سے سوال کیا ارد گرد دیکھا کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ''میں یہاں کیسے پہنچا؟'' اس نے خود سے سوال کیا تو اسے یاد آیا آخری جو بات اسے یاد تھی وہ یہ کہ سینڈرا نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ ٹاور پر خودکشی کرنے کے ارادے سے چڑھا مگر اس دوران اسے چند لوگوں نے اغوا کر لیا اس کے بعد اب اسے ہوش آیا تھا۔ شاید میں کافی دیر سے بے ہوش رہا۔ اس نے سوچا کہ اچانک اس کی نظر سامنے ٹیبل پر پڑی۔ جس پر ایک ڈائری رکھی تھی۔ اس نے ڈائری اٹھائی اور اسے کھولا پہلا صفحہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا۔ ''اگر یہ کمرہ تمہیں اجنبی لگ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ میں جو اس سے پہلے تمہارے دماغ میں زندہ تھا اب مر گیا ہوں اور تمہارا دماغ میری یادداشتوں سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا ہے۔ میری کوئی بات تمہیں سمجھ نہیں آ رہی ہو گی۔ لیکن میں تمہیں سمجھاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ ''میرا نام وارنر ہے۔ مسٹر وارنر 20 بلین ڈالر کا مالک ایک مشہور بزنس مین.....

اس کے بعد اس ڈائری میں وہ تمام واقعات درج تھے جو شروع سے لے کر ہیرس کے قتل کرنے تک کے تھے۔ اس کے بعد میں ایک اور سٹی میں موجود ہوٹل کے اس کمرے میں آ کے رہائش پذیر ہو گیا۔ میں جانتا ہوں میں نے ہیرس کو مار کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اس کے مرنے کے بعد مجھے اب وہ دوائیں مل سکتی جو تمہارے دماغ میں میری یادداشتیں برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھی۔ مجھے نہیں پتہ میں نے یہ کیوں اور کس لئے کیا بس جو ٹھیک لگا وہ کر دیا۔ مجھے اس کمرے میں تین دن ہو گئے ہیں اور مجھے لگتا ہے جیسے میں تمہارے اس دماغ میں آہستہ آہستہ مر رہا ہوں، 24 گھنٹے میں میں تمہارے دماغ میں اب صرف ایک گھنٹے کے لئے ابھرتا ہوں یعنی ایک دو دن میں میں تمہارے دماغ سے مکمل طور پر غائب ہو جاؤں گا اور یہ اچھی بات ہے۔

کیوں کہ سینڈرا کہتی ہے ایک دن ہر انسان کو مرنا ہے کوئی کسی اور کی زندگی نہیں جی سکتا اور وہ ٹھیک کہتی ہے وہ ایک اچھی اور ذہین لڑکی ہے اسے اپنے برے رویے کا پچھتاوا ہے۔ امید ہے تم اسے معاف کر دو گے۔ کیونکہ تمہارا ایک اور بچہ بھی پیدا ہونے والا ہے مجھے نہیں معلوم تم اس کا کیا نام رکھو گے لیکن اگر تم مناسب سمجھو تو اس کا نام وارنر رکھ دینا باقی ایک آخری التجا ہے میں نے اس ڈائری کے آخر میں اپنے بیٹے کا پتہ درج کیا ہے۔ اسے صرف جا کے یہ کہہ دینا کہ ''تمہارے ڈیڈ تم سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنے آخری لمحوں میں بھی تمہیں یاد کر کے آنسو بہاتے رہے..... اور انہیں اس بات کا بھی اچھی طرح سے احساس ہے کہ وہ ایک باپ ہونے کا حق کبھی ادا نہ کر سکے اس لئے وہ خود تم سے معافی مانگنا چاہتے تھے مگر موت نے انہیں مہلت نہ دی امید ہے تم انہیں معاف کر دو گے۔'' بس اس سے اتنا کہہ دینا مجھ پر تمہارا یہ احسان ہی کافی ہے۔

ڈائری کے ساتھ ایک چابی رکھی ہے اور ساتھ ایک کاغذ پر کوڈ بھی درج ہے یہ چابی لاکر کی ہے اس لاکر میں دس ملین ڈالر ہیں جو تم اور تمہاری چھوٹی سی فیملی کے لئے کافی ہیں۔ بس یہی سب تم سے کہنا چاہتا تھا، میں تو بس تمہارے دماغ میں چند دن کا مہمان تھا جو کہ اب جا رہا ہوں۔

ڈائری پڑھ کے ڈیکڈ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ اپنے دماغ میں رہنے والے اس مہمان کے بارے میں سوچنے لگا جس سے وہ کبھی نہیں ملا تھا۔

زندگی بنی راز

فرح انیس۔ کراچی

لڑکی نے کہا، میں نے ایک ایسے انسان سے عشق کیا جس کا وجود دنیا میں تھا ہی نہیں، ایک روح سے میں نے محبت کی، میں سوچتی ہوں کہ وہ میرے پاس آجائے، میں اس سے ڈرتی نہیں بلکہ.....

چاہت وخلوص کی ایک انمٹ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو اپنے حصار میں لے لے گی

میں ایک ایسی کہانی کی تلاش میں ہوں جو اسرار سے بھرپور ہو جو نہ صرف اپنے پڑھنے والوں کو چونکا دے بلکہ اس کہانی کا انجام بھی چونکنے پر مجبور کر دے شہرام اپنے دوست زین کے ساتھ پارک میں جاگنگ ٹریک پر دوڑتے ہوئے بولا۔ ''شہرام ایک لکھاری تھا اور اس بار وہ ایک ایسی پراسرار کہانی کی تلاش میں تھا جو لوگوں کو چونکنے پر مجبور کر دے۔''

''میں اگر کہوں کہ میرے پاس ہے ایک ایسی کہانی جسے سننے کے بعد آپ اور آپ کے قارئین ضرور چونکیں گے۔'' لڑکی کی آواز پر دونوں ہی بے ساختہ پلٹ کر اس لڑکی کو دیکھنے لگے وہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ ''معذرت چاہتی ہوں آپ دونوں کی گفتگو میری سماعتوں میں پڑی تو بولے بغیر رہ نہ سکی۔'' وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں میں تو خود ایسی کہانی کی تلاش میں ہوں۔" شہرام بے ساختہ خوش ہوتے ہوئے بولا زین اسے آنکھوں ہی آنکھوں سے اشارہ کرنے لگا کہ چل بھائی تیرا تو ہوگیا کام مل گئی کہانی تجھے۔

"میں کل اسی جگہ آپ کا انتظار کروں گی شام پانچ بجے کہانی کافی طویل ہے وقت لگ جائے گا سناتے ہوئے۔" وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں کل تو اتوار ہے میرا آفس کا آف ہوگا مجھے مسئلہ نہیں۔" شہرام کل آنے کی حامی بھرتا ہوا بولا وہ خوش تھا کہ کہانی خود چل کر اس کے پاس آگئی تھی۔

شہرام آج مقررہ وقت پر ٹھیک شام پانچ بجے پارک میں موجود تھا۔ وہ اسے تھوڑے ہی فاصلے پر بینچ پر بیٹھی نظر آگئی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے برابر آکر بیٹھ گیا۔

"یہ کہانی میری دوست کی ہے جس کا نام روشنی ہے۔" وہ آہستہ آہستہ ماضی کے اوراق پلٹتے ہوئے اس میں کھوسی گئی وہ دلچسپی سے سننے لگا۔

"وہ واقعی میں روشنی کی مانند تھی جس نے اپنوں کے اردگرد اپنی محبت سے روشنی بکھیری ہوئی تھی اس کا تعلق ایک اونچے گھرانے سے تھا وہ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی جو ایک نجی یونیورسٹی سے فائن آرٹس میں ماسٹرز کر رہی تھی رنگوں سے کھیلنا روشنی نجیب کا عشق تھا وہ اکثر کہا کرتی کہ "اگر غور کرو تو دنیا بھی رنگوں جیسی حسین ہے۔"

"ہما ہم یونیورسٹی فرینڈز مری ٹرپ پر جارہے ہیں۔" ناشتے کی ٹیبل پر وہ بولی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے اچھا ہے اس طرح سے تمہارا شوق بھی پورا ہوگا حسین منظروں کو اپنے کینوس پر اتارنے کا۔"

صباحت بیگم خوش ہوتے ہوئے بیٹی سے بولیں۔ "پاپا آپ میری ٹکٹس کرادیجئے گا۔" وہ باپ سے بولی۔

"او کے بیٹے میں کروادوں گا۔" نجیب صاحب اپنی اکلوتی بیٹی کو محبت برساتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آفس کے لئے کھڑے ہوگئے۔

"اچھا میں بھی چلتی ہوں۔" صباحت بیگم جم جانے کے لئے کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔ "اور رات میں لیٹ آؤں گی مسز ہشام کے گھر آج پارٹی ہے۔" بیٹی کے گال پر بوسہ دیتی ہوئی وہ خدا حافظ کرتی ہوئی نکل گئیں۔"

روشی اپنے کمرے میں آکر تہذیب کو کال ملانے لگی۔ تہذیب اس کی واحد بیسٹ فرینڈ تھی جس سے وہ ساری باتیں کرتی تھی۔ "ہیلو کیسی ہو ڈیئر۔" تہذیب اس کی آواز سن کے محبت سے بولی۔ "میں بہت خوش ہوں، روشنی کے شوخی سے بولنے پر تہذیب ہنس دی۔ "بالکل کوئی شک نہیں اس میں کہ روشنی نہ صرف خوبصورت بلکہ بہت ہی حسین ہے۔"

تہذیب فراخدلی سے اپنی بیسٹ فرینڈ کی تعریف کرتے ہوئے بولی اس کی بات پر وہ مسکرادی۔

"اچھا سنو میں نے پاپا سے بولا ہے ٹکٹس کا ہوجائے تو پھر تم کو بتاتی ہوں۔" روشنی بولی۔ "یار کتنا مزہ آئے گا ناں۔" تہذیب پرجوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں مزہ تو بہت آئے گا اور روشنی اس کی بات پر بولی۔

اور اگلے ہفتے روشنی اپنی یونیورسٹی فرینڈز کے ساتھ مری میں تھی یہ چھ لڑکیوں کا گروپ تھا مگر روشنی اور تہذیب ہی ہر جگہ ساتھ ہوتی تھیں۔

روشنی ویسے بھی کافی مغرور مشہور تھی اور وہ مزاج کی تھی بھی ایسی الگ تھلگ سی تو وہ دونوں وہاں بھی سب سے الگ ہی تھیں ہوٹل میں جو کمرہ لیا تھا اس میں بھی بس وہ دونوں ہی تھیں۔ "یار کیا ٹھنڈ ہے۔" لحاف میں دبکی روشنی کمرے کی کھڑکی سے باہر ہوتی برف باری کا نظارہ کرتی ہوئی بولی۔

"ہاں یار میرا تو قسم سے برا حال ہورہا ہے۔" تہذیب دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بولی اس کے کانپنے پر روشنی زور سے ہنس دی۔ چلو باہر چلتے ہیں۔"

باہر کا نظارہ کرتے ہوئے روشنی مچل گئی۔ نہ بابا میں نہیں جارہی اتنی ٹھنڈ ہورہی ہے اور ویسے بھی اب وقت دیکھو رات ہوگئی ہے۔" تہذیب صاف انکار

کرتے ہوئے بولی..... اس کی بات پر روشنی برا سا منہ بنا کر باہر دیکھنے لگی۔

"اب منہ ایسے نہیں بناؤ دیکھو ناں رات ہوگئی کوئی بھی نہیں ہوگا اس وقت۔" تہذیب اس کو پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی تھوڑی ہی دیر بعد دونوں باتیں کرتے کرتے سوگئیں۔

رات کے کسی پہر روشنی کی آنکھ کھلی اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ کافی دیر تک کروٹ بدلتی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی، تہذیب بے خبر سو رہی تھی روشنی اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ سرد ہوا کے تھپیڑے اسے اپنے منہ پر پڑتے محسوس ہوئے اتنی یخ بستہ ٹھنڈ میں اس کے دانت بجنے لگے۔ وہ ٹیرس میں آکر کھڑی ہوکر نیچے جھانکنے لگی چہار سو خاموشی تھی پتا نہیں کیا وقت ہورہا تھا روشنی سوچنے لگی کہ اس کی نگاہ سامنے روڈ کی طرف درخت کے نیچے بیٹھے ایک وجود پر پڑی جو سر جھکائے گٹار بجا رہا تھا۔

"اتنی سخت سردی میں یہ یہاں کون پاگل بیٹھا ہے۔"

وہ اچنبھے سے سوچنے لگی اور پھر اس کے قدم خود بہ خود اس طرف اٹھ رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی وہ بہت ہی خوبصورت انداز میں گٹار بجا رہا تھا۔ "ہیلو مسٹر" روشنی ذرا سا جھک کے بولی اس کی آواز پر وہ سر اٹھا کر اس کو دیکھنے لگا۔

روشنی کا دل اس کی سحر انگیز آنکھوں میں ڈوب سا گیا وہ یک ٹک اس کی آنکھوں کو دیکھے جارہی تھی۔ "میرا نام روشنی نجیب ہے اور آپ کا نام۔" وہ خاموشی سے سر جھکائے مگن انداز میں گٹار بجا رہا تھا۔ "ہیلو مسٹر" وہ اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔

"رومان نام ہے میرا وہ۔" دھیرے سے بولا۔

"او کے گڈ میں یہاں اپنی دوستوں کے ساتھ گھومنے آئی ہوئی ہوں وہ سامنے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے ہوٹل دکھاتے ہوئے بولی اس کو خاموش دیکھ کر وہ جز بز سی ہوگئی۔ "اچھا چلو میں چلتی ہوں۔" اس کو اپنا یہاں اب کھڑا ہونا بے مقصد لگا، وہ

اپنی زمین سے محبت کیجئے

اپنے شہر سے محبت کیجئے

اپنی آنے والی نسل سے محبت کیجئے

اور شاپر بیگ سے نفرت کیجئے

ہاتھ ہلاتے ہوئے پلٹ گئی ہوٹل آکر وہ کمرے میں لیٹ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی تھی۔

صبح ان کا پورا گروپ گھومنے نکل گیا وہ اور تہذیب سب سے ہٹ کر ساتھ ساتھ مال روڈ پر آئس کریم کھاتی ہوئی چل رہی تھیں۔

"اپنے سے تھوڑے فاصلے پر آگے جاتے رومان کو دیکھ کر روشنی زور سے بولی۔

"اوہ آپ کیسی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ تہذیب حیرانی سے دونوں کو دیکھنے لگی دونوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

ویسے میں نے آپ کے ہوٹل میں ہی اسنے کیا ہے۔" رومان ہنس کر بولا۔

"ارے واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ چلئے آئندہ بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔" روشنی بولی۔ اور وہ خدا حافظ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

تہذیب ذو معنی انداز میں ابرو اچکا کر روشنی کو دیکھنے لگی۔ "کیا چکر ہے یہ روشنی کی بچی۔"

تو روشنی اسے کل رات والی بات بتانے لگی۔

"ایک تو تم بھی ناں اتنی رات جانے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اس کو ڈانٹتے ہوئے بولی۔ روشنی اس کی بات پر ڈھٹائی سے ہنس دی۔

اور پھر رومان اور روشنی بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آگئے تھے اور اس میں زیادہ ہاتھ روشنی کا ہی تھا روشنی کو جس کی تلاش تھی وہ مل گیا تھا

"رومان آپ یہاں اپنے کسی دوست کے ساتھ ہیں کیا۔" وہ دونوں اس وقت ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ "نہیں مجھے تنہائی اچھی لگتی ہے۔" لیلی اس کی بات پر وہ چونک کر اس کو دیکھنے لگی۔ "لیلی کون لیلی۔"

"سوری میرے منہ سے نکل گیا میری فرینڈ کا نام ہے۔" اس کی بات پر روشنی سر ہلا کر رہ گئی زندگی روشنی کو بے حد حسین لگنے لگی تھی اور روشنی کو اس کی ساحر آنکھوں کو دیکھ کر بے اختیار پروین شاکر کا شعر یاد آجاتا۔

ہے آنکھوں میں کمال اس کے
جب کلام کرتی ہیں تو دل دھڑکتے ہیں

"پتا ہے مجھے جیسے انسان کی تلاش تھی رومان بالکل ویسا ہی ہے۔" وہ تہذیب کو خوش ہوتے ہوئے بتانے لگی۔ "اب میں رومان کا پورٹریٹ بناؤ گی۔"

"ضرور بنانا۔" تہذیب اپنی دوست کی خوشی میں بے حد خوش تھی اسے رومان بہت اچھا لگا تھا۔ "یار ایک بات ہے۔ یہ تمہارے رومان صاحب آدم بیزار اکیلے ہی آگئے مری گھومنے۔" تہذیب کے بولنے پر وہ ہنس دی۔

ایسا لگا کہ کسی نے زور سے ان کے کمرے کی کھڑکی پر ہاتھ مارا ہو۔ دونوں ہی چونک کر کھڑکی کی جانب دیکھنے لگیں۔ مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا ان کی نگاہ کھڑکی پر پڑی رات کے دو بج رہے تھے۔ "ہوسکتا ہے کوئی جانور ہو۔" روشنی تہذیب کو مطمئن کرتے ہوئے بولی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی پھر کوئی دروازہ ناک کرنے لگا تو دونوں ہی سہم کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ "کھولنا مت دروازہ۔" تہذیب ڈرتے ہوئے بولی رات دونوں کی آنکھوں میں کٹی صبح جاکر آنکھ لگی۔

دوسرے دن وہ رومان سے ملی تو کل رات میں ہونے والی روداد اس کو سنانے لگی۔ وہ سن کر خوب ہنسا روشنی اس کے مذاق اڑانے پر برا مان گئی۔ "ارے یار تم کو تنگ کر رہا ہوں۔" وہ اس کو مناتے ہوئے بولا۔

دو تین راتیں ٹھیک گزریں مگر ایک رات وہ دونوں اسی طرح ایک ہی بیڈ پر بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں کہ باقاعدہ انہوں نے اپنے ساتھ نسوانی ہنسی سنی دونوں ڈر کر اس آواز پر خوفزدہ سی ہوگئیں تھوڑی دیر بعد باقاعدہ اس لڑکی کی ہنسنے کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہوگئی تھی دردناک سسکیاں تھیں وہ دونوں ڈر کے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں اور دونوں نے فیصلہ کرلیا کہ صبح کمرہ چینج کریں گی مینیجر سے بول کر مگر صبح بات کرنے پر پتا چلا کے کوئی بھی کمرہ اس وقت خالی نہ تھا اور برف باری اتنی زیادہ تھی کہ سارے راستے بند تھے۔

"اتنی چپ کیوں ہو روشنی کو چپ دیکھ کر وہ بولا۔

اور پھر وہ کل رات ہونے والی بات بتانے لگی۔

"ویسے اس کمرے کے بارے میں ایک کہانی سنی ہوئی ہے۔" رومان کے کہنے پر وہ چونکی۔

"کیسی کہانی مجھے بھی سناؤ۔"

یہی کہ یہاں گھومنے ایک لڑکی آئی تھی اپنے دوستوں کے ساتھ اور یہاں پر ایک لڑکے سے اس کی ملاقات ہوئی وہ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ آیا ہوا تھا دونوں روز ملنے لگے تھے اور ان کو ایک دوسرے سے محبت ہوگئی تھی دونوں کے درمیان شادی کے وعدے ہوگئے تھے اور دونوں نے اپنی فیملیز کو بھی بتا دیا تھا ان کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا مگر راستے میں گاڑی میں جاتے ہوئے لینڈ سلائیڈنگ کے نتیجے میں دونوں موقع پر ہی دم توڑ گئے تھے اور وہ لڑکی اس کمرے میں ٹھہری تھی جس کمرے میں تم ہو۔" اس کے کہنے پر روشنی افسردہ بھی ہوئی اور تھوڑا اس کو ڈر بھی محسوس ہوا۔

ویسے روشنی کو یہاں مری آئے ایک ماہ ہوگیا تھا اس کی یونیورسٹی کھلنے والی تھی اس کا بالکل دل نہ تھا جانے کا مگر مجبوری تھی اس کو واپس جانا تھا۔ پتا ہی نہ لگا تمہارے ساتھ کس طرح ایک ماہ بیتا۔" رومان افسردگی سے بولا۔ اس کی بات پر روشنی بمشکل آنسو روکے اس کو دیکھ رہی تھی۔ "میں تم کو مس کروں گی رومان، میں انتظار کروں گی تمہارا، میرے گھر آؤ گے ناں ملنے۔" وہ بہت آس سے رومان سے پوچھنے لگی۔ "میں نے مما کو تمہارے بارے میں بتایا ہے وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔"

اس کی بات پر وہ مسکرا دیا اور وہ واپس آگئی۔

☆.....☆.....☆

محبت م سے شروع اور ت پر ختم ہوتی ہے
لیکن میری ت اور م تم پر ختم ہوتی ہے

وہ بہت گم صم سی ہوگئی تھی واپس آکر تہذیب جانتی تھی کہ اس کی دوست کیوں گم صم سی ہے وہ اپنا دل وہیں رومان کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ اس نے رومان کے نمبر پر رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کا سیل آف جارہا تھا۔

اسی دوران ان کے امتحانات شروع ہوگئے تو وہ اس میں مصروف ہوگئی مگر اس کا دماغ رومان میں اٹکا رہا صباحت بیگم بھی بیٹی کی بے چینی سے بخوبی واقف تھیں مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھیں۔

"امتحانات کے بعد تہذیب میرے ساتھ پلیز مری چلنا۔" وہ یونیورسٹی کیفے میں پریشان سی بیٹھی اس سے بولی۔ "تم پریشان نہ ہو ضرور چلیں گے۔" تہذیب خود فکر مند تھی کہ رومان کا سیل آف ہے وہ گیا کہاں آخر اور امتحانات کے ہوتے ہی وہ دونوں مری کے لئے روانہ ہوگئیں وہاں جاکر بھی اس نے اس کو کال کی مگر سیل آف جارہا تھا۔

"تہذیب ہوٹل کے مینیجر سے پوچھتے ہیں۔" تہذیب کے کہنے پر وہ دونوں اسی ہوٹل میں آگئیں جہاں وہ دونوں ایک ماہ ٹھہری تھیں ہوٹل کا مینیجر ان کو دیکھ کر پہچان گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی میم صاحب۔"

"وہ آپ کے ہوٹل میں جو ایک لڑکا رومان ٹھہرا تھا ان کے بارے میں پوچھنا تھا کہ کیا وہ ہیں ابھی یا چلے گئے۔" مینیجر اس کی بات پر رجسٹر کھول کر دیکھنے لگا۔ "سوری میم رومان نام کا تو کوئی لڑکا نہیں تھا۔"

"ارے نہیں پلیز آپ ٹھیک سے چیک کریں رومان نام کا لڑکا تھا آپ کے ہوٹل میں پورے ایک ماہ ٹھہرا ہے۔" تہذیب کے بولنے پر وہ بولا۔

"ہمارے پاس ریکارڈ ہوتا ہے اس نام کا کوئی نہیں آیا ہمارے پاس۔" مینیجر کی بات پر دونوں الجھن بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں

پھر روشنی نے فیصلہ کیا کہ جب تک وہ رومان کا پتا نہیں لگا لیتی وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔" تہذیب بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ دعا کر رہی تھی کہ رومان کا پتا چل جائے کیونکہ روشنی کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی اس نے اس ایک ماہ میں رومان سے صدیوں جتنی محبت کرلی تھی اس کی متلاشی نگاہ رومان کی تلاش میں بھٹکتی رہتی۔

وہ ہوٹل کے ٹیرس میں کھڑی رومان کا پورٹریٹ کینوس پر بنا رہی تھی آنسو بہت تیزی سے اس کے گال پر بہہ رہے تھے تہذیب کا دل دکھ رہا تھا اس کو اس حال میں دیکھ کر کہ اپنے پیچھے ایک لڑکا لڑکی کی آواز پر وہ دونوں ہی بے ساختہ پلٹیں وہ دونوں کینوس کو دیکھ کر کچھ آپس میں بات کر رہے تھے وہ لڑکا روشنی کے قریب آکر بولا۔ "یہ رومان ہے ناں۔" اس کے کہنے پر روشنی تیزی سے سر اثبات میں ہلانے لگی۔ "آپ جانتے ہیں اسے۔"

"جی وہ ہمارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھا کرتا تھا۔"

"میرا نام اظہر ہے اور یہ میری وائف شانزہ ہے یہ بھی ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔"

"رومان کہاں ہے پچھلے پندرہ دن سے میں پریشان ہوں اس کا سیل فون بھی آف جارہا ہے اب میں یہاں آئی ہوں تو مینیجر بولتا ہے کہ یہاں پر کوئی رومان نام کا نہیں تھا حالانکہ ایک ماہ وہ ان کے ہوٹل میں ٹھہرا ہے۔" روشنی اپنے آنسو روکتے ہوئے جلدی جلدی بولی۔

اظہر اور شانزہ اس کی بات پر حیرانگی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ "آپ اس کی بات کر رہی ہیں۔" اظہر سیل میں رومان کی تصویر دکھاتے ہوئے بولا۔ "جی جی میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔" روشنی بولی۔ "آپ نمبر بتائیں جو رومان نے آپ کو دیا تھا۔" وہ نمبر بتانے لگی جو رومان کا ہی تھا۔ "کیا ہوگیا سب ٹھیک تو ہے ناں تہذیب کو ان دونوں کے تاثرات عجیب سے محسوس ہوئے تھے۔

"رومان کی ڈیتھ تو آج سے تین سال پہلے ہوگئی تھی۔" اظہر کے بولنے پر روشنی کو بہت زور سے چکر

آیا کہ پاس کھڑی تہذیب نے اسے پکڑا۔

"ہم سب دوست آج سے تین سال پہلے مری گھومنے آئے تھے یہاں پر اس کی ملاقات لیلیٰ سے ہوئی وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی اس کمرے میں ٹھہری تھی وہ۔" اظہر اس کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا جہاں پر وہ دونوں پہلے بھی ٹھہری تھیں اور اب بھی۔

"دونوں یہیں ملے تھے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے مگر لینڈ سلائیڈنگ نے دونوں کی جان لے لی۔" وہ نم آنکھوں سے بتانے لگا اس کے ساتھ کھڑی شانزہ بھی نہایت افسردہ تھی تہذیب بے یقینی سے سب سن رہی تھی روشنی بت کی مانند کھڑی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ کی ملاقات اب رومان سے ہوئی جس کو اس دنیا سے گئے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں۔" وہ اس کی غیر ہوتی حالت پر بے یقینی سے بولا۔

☆.....☆.....☆

کافی رات بیت گئی تھی مگر وہ کمرے کے بیڈ پر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا بس وہ بے جان جسم سے خاموش ساکت سی بیٹھی تھی۔ "روشنی سو جاؤ میری جان تھوڑی دیر کے لئے۔" تہذیب اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی اس کا ہاتھ تھام کر بولی مگر روشنی سامنے کھڑکی کو یک ٹک دیکھ رہی تھی جہاں سفید ہیولہ سا نظر آرہا تھا تہذیب بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگی کہ روشنی اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر میکانکی انداز میں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر گئی تو تہذیب بھی اس کے پیچھے پیچھے آگئی۔

☆.....☆.....☆

"کیوں کیا ایسا میرے ساتھ روشنی سسکتے ہوئے بولی، تھوڑے ہی فاصلے پر رومان کھڑا تھا۔ "اس رات تم آئی تھی میرے پاس رومان۔" دھیرے سے بولا میں نے بہت چاہا تم سے فاصلہ رکھوں مگر مجھے تم سے محبت ہوگئی وہ دھیمے سے بولا تو روشنی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں کیوں جیو میں بھی مر جاتی ہوں ناں، وہ روتے ہوئے بولی۔ "تم ایسا نہیں کرو گی۔"

"کیوں ناں کرو ایسا میں، ایک مرے ہوئے انسان سے مجھے عشق ہوگیا اور اب وہ عشق بھی ایسا جو لاحاصل ہو۔ میں کیا کروں گی۔" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی تہذیب بھی رو رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں روشنی مگر تم اپنی زندگی یوں نہیں گنواؤ گی کتنی عجیب بات ہے ناں کہ مجھے مرنے کے بعد کسی سے محبت ہوئی۔" رومان بولا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس کا وجود دھواں بن کر غائب ہوگیا تھا۔

☆.....☆.....☆

تہذیب اس کے بے حال ہوتے وجود کو بمشکل سہارا دے کر اندر کمرے میں لائی۔

شہرام چونک کر اس کو دیکھنے لگا جیسے وہ بولتے بولتے تھک سی گئی ہو۔ "پھر کیا ہوا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"رات کافی ہوگئی ہے۔" وہ بولی۔ اس کی بات پر وہ پارک میں اترتے سناٹے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا۔ "میرے خیال سے اب چلنا چاہیئے باقی کل سنا دوں گی۔" وہ کھڑی ہوتے ہوئے بولی وہ بھی اس کے ساتھ چلتا ہوا پارک سے باہر آگیا، گلی کے کونے پر پہنچ کر وہ رک سی گئی۔ "کل شام ادھر آجانا باقی کی کہانی سننے۔" وہ گیٹ کی جانب اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ اور وہ سر ہلاتا ہوا خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

دوسرے دن وہ تہذیب کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا چوکیدار اسے اندر لے گیا آگے کی کہانی وہ سننے کے لیئے متجسس تھا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیوار پر نصب انلارج تصویر کو دیکھنے لگا اس تصویر میں تہذیب اور اس کے ساتھ جو لڑکی کھڑی تھی یقیناً وہ روشنی تھی وہ اندازہ لگانے لگا آہٹ پر چونک کر اس نے دروازے سے اندر آتے وجود کو دیکھا۔ "جی آپ کو مجھ سے ملنا تھا۔" آنے والا وجود بولا۔ "آپ روشنی ہیں۔" شہرام بولا۔

"نہیں میرا نام تہذیب ہے روشنی میری دوست کا نام تھا۔"

"یہ ہے روشنی۔" وہ تصویر میں ساتھ کھڑی لڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اوہ اچھا کل روشنی نے مجھے بولا تھا ادھر آجایئے گا میں سمجھا یہ روشنی کا گھر ہے اور انہوں نے بولا تھا کہ میں اپنی دوست کی کہانی سنا رہی ہوں تو میں سمجھا وہ تہذیب ہے، پر انہوں نے مجھے یہ کیوں بولا کہ وہ اپنی دوست کی کہانی سنا رہی ہیں۔" وہ حیرانگی سے بولا۔

شہرام کی بات پر تہذیب اسے ایسے دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ "کیا بات کر رہے ہیں مسٹر آپ کا دماغ خراب تو نہیں ہوگیا۔" وہ بولی۔

"جی کیا مطلب انہوں نے مجھے اپنی کہانی سنائی اور وہ اس کو کل اس کی سنائی ہوئی کہانی بتانے لگا۔" تہذیب سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "مس آر یو اوکے۔" وہ تشویش سے بولا۔

"آپ کیا بات کر رہے ہیں مجھے سمجھ نہیں آرہا روشنی کو مرے ہوئے ایک سال ہوگیا اب کے اچھلنے کی باری شہرام کی تھی۔ "واٹ وہ اچھل کر رہ گیا تو میں کل جس سے ملا وہ ان کی روح تھی۔"

"جی آپ کل جس سے ملے وہ روشنی کی روح تھی۔" خوف کی سرد لہر شہرام کے پورے وجود میں دوڑ سی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

روشنی کو میں اپنے ساتھ اس رات کمرے میں لے آئی تھی اس کی حالت بہت ابتر تھی کہ رات کے کوئی چار بجے ہونگے کمرے میں سسکیاں گونجنے لگیں۔ اچانک ایک لڑکی کا وجود ہمارے سامنے نمودار ہوا میں لیلیٰ ہوں رومان کی محبت مگر اب میری محبت میں شراکت داری کے لئے تم آگئی ہو روشنی وہ تم سے محبت کرنے لگا ہے۔" وہ لڑکی سسکتے ہوئے بولی۔ "پر کوئی فائدہ نہیں تمہاری اس محبت کا رومان کو تم کبھی حاصل نہیں کر پاؤ گی۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ غائب ہوگئی تھی اور پھر وہ پوری رات ہم نے جاگتے میں گزار دی تھی۔

دوسری شام میں روشنی کو لیکر اپنے ساتھ زبردستی سیر کے لئے باہر آنکلی اگر مجھے خبر ہوتی یہ سب ہو جائے گا تو میں اس شام اس کو کبھی ساتھ چلے جانے کے لئے مجبور نہ کرتی میں اور وہ ایک پہاڑی پر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ وہ بولی۔ "میں نے ایک ایسے انسان سے عشق کیا جس کا وجود دنیا میں تھا ہی نہیں ایک روح سے محبت کی میں نے اور میں سوچتی ہوں تو ڈر نہیں لگتا بلکہ دل چاہتا ہے وہ میرے پاس آجائے ہمیشہ کے لئے یا پھر مجھے

"راز کی بات"

ایک محفل میں یہ بحث چھڑ گئی کہ مرد اپنی بیوی سے زیادہ ڈرتے ہیں یا خواتین اپنے شوہروں سے؟

آزمائش کے لئے تمام مردوں سے درخواست کی گئی کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں۔

محفل میں موجود سارے مرد کھڑے ہو گئے لیکن ایک صاحب بہت اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھے رہے۔

تمام مردوں کو ان صاحب کی قسمت پر بڑا رشک آیا۔ ان کی بڑی تعریفیں ہوئیں۔ کچھ دیر بعد ایک صاحب نے انہیں علیحدگی میں لے جا کر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ "کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ وہ کون سا نسخہ ہے جس پر عمل کر کے آپ کو اپنی بیوی سے کوئی خوف نہیں آتا۔"

اس صاحب نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بولے۔

یار کیا کرتا۔ "میری بیوی نے مجھ سے کہا تھا کہ کرسی سے مت اٹھنا۔"

(انتخاب: محمد انجم۔ کنگن پور)

لے جائے اپنے ساتھ۔'' وہ بہت گم صم سی کیفیت میں بول رہی تھی۔ ''وہ مجبور ہے پر میں مجبور نہیں ہوں میں تو جاسکتی ہوں ناں اس کے پاس۔'' میں خوفزدہ نگاہوں سے اس کو دیکھ رہی تھی مگر اس کے اگلے اقدام سے میری چیخوں سے مری کی وادیاں گونج اٹھیں۔

وہ اس پہاڑی سے کود کر جان دے چکی تھی اور میں صدمے کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

میں رات میں گاڑی میں رات واپس جارہی تھی تو مری روڈ کے اس درخت کے نیچے جہاں پہلی بار روشنی رومان سے ملی تھی ادھر روشنی اور رومان کو ساتھ ساتھ دیکھا، دونوں ہی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔

کتنی عجیب بات ہے رومان مرا لیلی کے ساتھ تھا مگر تھا روشنی کے ساتھ، وہ زندگی میں لیلی سے محبت کرتا تھا مگر مرنے کے بعد اس نے روشنی سے عشق کیا تھا یہ سوال بس مجھے بے چین کرتا ہے کہ زندگی میں جب اس نے لیلی سے محبت کی تو مرنے کے بعد روشنی کے ساتھ وہ کیوں نظر آیا لیلی کے ساتھ بہت سے لوگوں سے سنا ہے کے آج بھی مری میں اکثر راتوں میں وہ دونوں ایک دوجے کا ہاتھ تھامے چہل قدمی کرتے نظر آتے ہیں۔'' تہذیب کہتے کہتے چپ سی ہوگئی تھی روشنی شاید چاہتی تھی کہ آپ اس کی کہانی تکمیل اس لئے کل وہ آپ سے ملی۔'' شہرام بالکل خاموش بیٹھا تھا اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے۔

''میری ایک ہی دوست تھی وہ اس کے بعد میں خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں مگر آپ کو ایک بات بتاؤں میں اب بھی کسی مشکل میں گرفتار ہوتی ہوں تو وہ میرے پاس ہوتی ہے وہ مرگئی ہے مگر اس کی روح میری روح کے ساتھ جڑی ہے۔'' تہذیب اداسی سے بولی۔

''سوری چائے کا تو میں نے پوچھا ہی نہیں چائے بنواتی ہوں میں آپ کے لئے۔'' وہ کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں نہیں بہت شکریہ بس چلوں گا دیر ہورہی ہے۔'' وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل آیا اور وہ گاڑی چلاتے ہوئے کہانی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ سامنے سے آتی کالی سیاہ چادر اوڑھی ایک عورت کے اشارہ کرنے پر اس نے گاڑی روک لی وہ عورت دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی۔

''کہاں جانا ہے آپ نے۔'' شہرام پلٹ کر پوچھنے لگا اس عورت نے چادر سے نقاب کیا ہوا تھا۔ ''بس تھوڑا آگے جانا ہے۔'' وہ دھیمے سے بولی وہ خاموشی سے گاڑی چلانے لگا، تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ ''بس یہاں روک دیں۔'' اور اس نے گاڑی روک دی۔

''شکریہ شہرام صاحب۔'' وہ اپنا نام سن کر چونکا۔ ''ایک بات کہانی پڑھنے والوں کو یہ بات ضرور بتایئے گا کہ رومان لیلی کے ساتھ اس لئے نہیں تھا کیونکہ لیلی لالچی فطرت کی لڑکی تھی۔ جب رومان لیلی راستے میں جارہے تھے تو رومان کو اس کے دوست علی کی کال آئی تھی کہ لیلی صرف تمہاری دولت کی ہوس میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہے کیونکہ علی کی بہن لیلی کی دوست تھی اور اس نے اس کو بتایا تھا مگر وقت نے رومان کو کچھ پوچھنے کی مہلت نہ دی اور لینڈ سلائیڈنگ میں دونوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے لیلی کی محبت میں مطلب تھا لالچ تھی جب کہ روشنی کی محبت تو بلا غرض تھی اس نے رومان سے سچا عشق کیا تھا۔ اور جب اس کو خبر ہوئی کہ رومان کا تو زندہ وجود تھا ہی نہیں تو اس نے جان دے دی یہ وجہ ہے کہ رومان نے لیلی کو نہیں روشنی کو چنا کیونکہ رومان کو بھی روشنی سے عشق ہوگیا تھا۔''

''آپ کو کیسے پتا یہ سب'' وہ چونکتا ہوا بولا مگر شہرام کی بات پر وہ اتر کر سامنے کی طرف بڑھ گئی جہاں ایک لڑکا کھڑا تھا اور اس لڑکے تک پہنچ کر دونوں وجود دھواں بن کے ہوا میں تحلیل ہوگئے، شہرام سر پکڑ کر رہ گیا۔

کیا کہوں زندگی کے بارے میں
ایک تماشہ تھا عمر بھر دیکھا

برگد کا درخت

فیصل انصاری-کوٹ ادو

اچانک ایک مجذوب نمودار ہوا، غصے کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں قہر آلود ہورہی تھیں اور جب اس نے گھور کر نوجوان کو دیکھا تو نوجوان پر سکتہ طاری ہوگیا اور پھر اچانک.....

خراماں خراماں.....دل ودماغ کو لرزہ براندام کرتی حقیقت پر مبنی حیرت انگیز کہانی

بعض لوگوں کو نصیحت زہر کی طرح کڑوی لگتی ہے اور نصیحت کرنے والوں کو وہ لوگ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

نہ جانے وہ ایسا کیوں کرتے ہیں.....؟ خیر جو بھی ہے۔ یہ سب کچھ لوگوں کی فطرت یا سوچ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو عقل اُس وقت آتی ہے جب سر سے پانی گزر چکا ہوتا ہے۔ یا پھر عذاب بن کر ان کے سر پر سوار رہتا ہے کہ اب گرے کہ تب گرے.....

وہ تینوں بھائی آج بہت خوش تھے اور خوشی کے تحت پورے گاؤں اور خاندان میں مٹھائیاں تقسیم کررہے تھے اور وہ تینوں خوش کیوں کر نہ ہوتے، دراصل سالوں بعد روزگار کا ایک بہترین وسیلہ جو نصیب ہوا تھا۔ کئی سالوں سے سفید پوشی میں زندگی بسر کررہے تھے۔ اکثر رات دن فاقے میں گزر جاتا تھا۔

مگر اب تینوں بھائیوں نے اتفاق میں برکت کی بہترین مثال قائم کرکے اور کئی سالوں سے رقم بچا بچا کر زمین کا ایک زرخیز ٹکڑا خرید لیا تھا۔ جسے وہ اپنا وسیلہ روزگار بنانا چاہتے تھے۔ زمین کو کاشت کرکے وہ بھی ایک سکھ چین کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔

مگر کچھ لوگوں کی زندگی میں شاید سکھ کا چین لکھا ہی نہیں ہوتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے سکھ چین کا یہ خوب صورت لفظ ان کی ذات کے پاس سے بھی نہیں گزرا ہے۔ ان کے ساتھ بھی شاید کچھ ایسا ہی تھا......

زمین کی ساری کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔ اور اب یہ زرخیز زمین ان تین غربت کے مارے بھائیوں کے حصے میں آ چکی تھی......

''بیٹا میں نے یہ زمین تمہیں کچھ مجبوریوں کے تحت فروخت کی ہے۔ ورنہ میں اسے کبھی فروخت نہ کرتا۔ یہ میری پرکھوں کی زمین ہے۔ بہت سالوں سے اسے بچا کر رکھا تھا۔ مگر شاید خدا کو یہی منظور تھا۔'' بوڑھے ارشاد نے اپنا رومال کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''مگر میرے بچو! ایک بات ذہن میں رکھنا وہ جو گھنا برگد کا درخت تم دیکھ رہے ہو اسے کبھی کچھ مت کہنا۔'' بوڑھے نے ہاتھ کی انگلی سے گھنے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں دادا......؟''

نوجوان عادل نے حیرت سے کہا۔

''بس بیٹا کیا بتاؤں میرے ابا جی کہا کرتے تھے کہ اس درخت پر کسی نادیدہ ہستی کا بسیرا ہے۔ یہ درخت اس ہستی کا مسکن ہے۔'' بوڑھے نے عادل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ بابا جی یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔ بلکہ ایسی باتیں جاہل اور ناسمجھ لوگ کرتے ہیں۔'' اب کی بار عارف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بیٹا یہ سب تو میں نہیں جانتا۔ تم لوگوں کو بتانا میرا فرض تھا۔ آگے تمہاری مرضی۔'' بوڑھے نے آہستگی سے جواب دیا۔

''چلو اچھا اب میں چلتا ہوں۔ شام ہونے کو ہے۔'' بوڑھا کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ تینوں خاموشی سے سامنے لگے دیوقامت برگد کے درخت کو بغور گھورنے لگے۔

☆......☆......☆

اگلی صبح تینوں جوش اور جذبے کے ساتھ اپنی زمین پر پہنچے۔ وہ فصل اگانا چاہ رہے تھے۔ اور فصل کے لئے گندم کا موسم سازگار تھا۔ سردیوں کی شروعات تھی اور وہ اپنے مکمل سامان کے ساتھ صبح سویرے ہی پہنچ گئے۔ زمین مکمل طور پر زرخیز اور ہموار معلوم ہوتی تھی۔ تینوں کے چہرے پر خوشی اور ولولے کی لہر تھی کہ یکدم عارف کی نظر سامنے کھڑے دیوقامت برگد کے درخت پر پڑی جو کہ اپنی بہار دکھلا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی خوفناک بھی لگ رہا تھا۔

''اس برگد کے درخت نے فضول میں کتنی جگہ گھیری ہوئی ہے عادل۔'' عارف نے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''زرخیز زمین کے درمیان لگا ہوا ہے یہ درخت، ایسے لگتا ہے جیسے چاند میں داغ۔'' عارف نے کراہیت آمیز انداز میں کہا۔

''ہاں! یار یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔''

''بالکل داغ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے جڑ سے اکھاڑ پھینکوں۔''

عادل نے غصے سے جواب دیا۔

''کیوں نا ہم اس درخت کو اصل میں اکھاڑ پھینکیں۔'' عارف نے عادل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا تم دونوں؟'' اب کی بار حافظ نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں پاگل کی کیا بات ہے اس میں، یہ ہماری زمین ہے، ہم جو مرضی کریں یہاں پر۔'' عارف نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور ویسے بھی ہمیں اس کو رکھنے کا کتنی رکعات
ب ملے گا۔ یہ کوئی پھل وغیرہ تو دیتا نہیں ہے۔ جو
س کو اپنی زمین پر سجا کر رکھیں۔''

''پاگل مت بنو عارف۔ یاد کرو کل ارشاد دادا
کیا کہا تھا۔ یہ درخت ایک پراسرار نادیدہ ہستی کا
ن ہے۔ ہم کیوں کر اس کو اکھاڑ پھینکیں۔ اور رہی
فائدہ دینے کی تو اگر یہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے رہا
ہمیں کوئی نقصان بھی تو نہیں دے رہا ہے ناں۔''
ظ نے اچھا بھلا لیکچر دے ڈالا۔

''تم تو چپ ہی رہو حافظ۔ آج کے دور میں بھی
ی باتوں پر یقین رکھتے ہو۔ اور اگر اس درخت پر کوئی
سرار نادیدہ ہستی ہے بھی تو اسے اب پتہ ہونا چاہئے
ہ زمین اب ہماری ملکیت ہے۔ ہم جو چاہے یہاں
ریں، لہٰذا اسے چاہئے کہ کسی اور درخت کو اب اپنی
کن گاہ بنالے۔'' عادل نے بھی بدلے میں اچھا خاصا
کر دے ڈالا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم عادل۔ یہ زمین اب
ری ملکیت ہے اور ہم جو چاہیں یہاں کریں گے۔''
رف نے غصہ سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''تمہارے جو دل میں آئے کرو، میری آج
ک تم دونوں نے کوئی بات مانی ہے جو آج مانو گے۔''
فظ نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''تو اب کیا فیصلہ ہوا ہے......؟'' عارف نے
نوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا تو یہی مشورہ ہے کہ اس وقت ہی یہاں
ہ چلایا جائے جب یہ درخت یہاں سے کٹ جائے۔''
دل نے جواب دیا۔

اور میرا بھی عارف نے تائید کی۔

''چلو ٹھیک ہے۔ جیسے تم دونوں کی مرضی مگر میں
ہیں بتا رہا ہوں کچھ گڑبڑ ضرور ہوگی۔'' حافظ نے
رتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اب
و دیکھتے ہیں جا کر اس پراسرار ہستی کے مسکن کو۔''

''عارف اب تم جاؤ اور دو چار آدمیوں کو لے آؤ۔ ہم تینوں کے بس کا یہ کام نہیں لگتا۔'' عادل نے کہا۔

''ٹھیک ہے عادل میں جاتا ہوں اور ایک آدھ گھنٹے تک واپس آؤں گا۔'' عارف یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ اور پھر دونوں بھائی درخت کی طرف بڑھ گئے۔

اور پھر پون گھنٹے بعد عارف اپنے ساتھ دو تین لکڑہاروں کو لے آیا۔

''چلو پھر شروع کریں کام۔'' عارف نے عادل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

انہوں نے درخت کی طرف ابھی بمشکل چار قدم ہی اٹھائے ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک ملنگ غراتا ہوا نمودار ہوا۔ جسم پہ میلا کچیلا چغا پہنے ہوئے، گلے میں کشکول ڈالے ہوئے، ننگے پاؤں، ہاتھ میں ایک لمبا ڈنڈا اٹھائے وہ ملنگ ٹکٹکی باندھے ان لوگوں کو گھورتا رہا۔ پھر غصے سے بولا۔

''بربادی۔ بربادی۔ بربادی کو دعوت دیئے جا رہے ہو۔ پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے۔ واپس لوٹ جاؤ۔ ورنہ ناقابل برداشت مصیبتوں کو اپنے گلے میں پالو گے۔ جاؤ جاؤ پیچھے ہٹ جاؤ۔ ابھی موقع پڑا ہے۔ اسے تنگ مت کرو، وہ تمہاری زندگی اجیرن کر دے گا۔'' ملنگ نے پھنکارتے ہوئے غصے سے کہا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم......؟''

اور ہو کون تم......؟

''یہاں کیسے آ گئے......؟'' عادل نے یکے بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے۔

''میں جو کوئی بھی ہوں۔ تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں تم اس پر دھیان دو۔'' ملنگ نے عادل کو گھورتے ہوئے کہا۔

''بات سنو یہ زمین ہماری ہے۔ ہم یہاں جو بھی کریں۔ تمہیں بھی اس سے مطلب نہیں ہونا چاہئے۔'' اب کی بار عارف نے جواب دیا۔

ہا۔ہا۔ہاہاہا۔ہاہا۔

ملنگ نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ "اس کا مطلب ہے تم نہیں مانو گے۔" ملنگ نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہم نہیں مانیں گے۔" عادل نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر کرو من مانی...... دو اپنی ظلمت کو دعوت۔" ملنگ نے جواب دیا اور وہاں سے اپنا ڈنڈا لہراتا ہوا چلا گیا۔

"عادل میری بات سنو۔" حافظ نے عادل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"اوئے اب تو مت شروع ہوجانا آرام سے چل ہمارے ساتھ۔"

عادل نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑاتے ہوئے حافظ سے کہا۔

"اور تم کیا کررہے ہو۔ یہاں کھڑے ہوئے جاؤ جاکر جلدی سے کام شروع کرواپنا۔" عادل نے تین آدمیوں کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جنہیں عارف درخت کاٹنے کے لئے لے کر آیا تھا۔ اور وہ تینوں سرہلاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

☆......☆......☆

سارے دن کی سرتوڑ کوشش کے بعد بہت مشکل سے انہوں نے درخت پر قابو پایا تھا۔ چھ کے چھ آدمی تھکن سے چور ہوچکے تھے۔ سورج غروب ہونے لگا تھا۔ وہ لوگ ہانپ رہے تھے۔ ان کی سانسیں بری طرح اکھڑی ہوئی تھیں۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔

اتنے میں انہیں اپنے پاس سے زبردست قہقہوں کی آواز سنائی دی۔ کوئی بہت زور زور سے ہنس رہا تھا۔

"کو۔کون ہے......؟ کون ہے؟" عادل نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

"میں ہوں بچہ ذرہ پیچھے مڑ کے تو دیکھو۔" کسی نے پیچھے سے آواز دے کر کہا۔

سارے آدمیوں نے یکدم پیچھے مڑ کے دیکھا اور ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہی تنگ والا ملنگ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

کاٹ دیا ناں...... کاٹ دیا ناں...... بھگا دیا نا اسے...... لکھوالی نا اپنے حصے میں بربادی...... دے دی ناں اپنی مصیبت کو دعوت......

مگر...... اب پچھتانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ظالموں...... وہ چلا گیا ہے۔ یہاں سے اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ جاتے جاتے تمہاری خوشیاں اور سکھ چین کے دن بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے اور تمہیں تحفے میں صرف دکھ اور پریشانی دے گیا ہے......

اب تم ساری عمر پچھتاؤ گے۔ جس طرح تم اس وقت ہانپ رہے ہو ناں ساری عمر اس طرح ہانپتے رہو گے۔ کتے کی طرح ہانپو گے تم، جوانوں جیسی کوئی بات نہیں رہے گی تم میں ذرا سا مشقت کا کام تم سے برداشت نہیں ہوگا۔ لینے کے دینے پڑیں گے تمہیں۔"

"بکواس بند کرواپنی...... اور دفع ہوجاؤ یہاں سے۔" عادل نے دھاڑتے ہوئے ملنگ سے کہا۔

"مجھے تو تم دفع کردو گے۔ مگر اس عذاب کو کیسے دفع کرو گے۔ جو تمہارا مقدر بن گیا ہے۔" ملنگ نے ایک بار پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے تم ایسے نہیں مانو گے۔" عادل نے کہا اور غصے سے ملنگ کی طرف بڑھا اور دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ مگر اگلے ہی لمحے اسے جیسے دوسو واٹ کا کرنٹ لگا۔ وہ ملنگ سے کئی فٹ دور جا گرا تو سب حیرت سے اور خوف کے تاثرات سے ملنگ کو گھورنے لگے۔ جبکہ عادل زمین پر پڑا تڑپنے لگا تھا۔ تو عارف دوڑ کر عادل کے پاس پہنچا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کے ہاتھوں کو سہلانے لگا۔

"یہ تو شکر کرو کہ وہ نیک اور اللہ والا تھا۔ اگر تمہاری طرح بدکار ہوتا تو تمہاری بوٹیوں کا ریشہ ریشہ

کردیتا۔ وہ تو تمہیں بہت چھوٹی سزا دے کر گیا ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں جلا کر خاک کردیتا۔

ایک اور بات...... میں تمہاری مدد کرنے کے لئے ہی یہاں آیا تھا کہ تمہیں اس پریشانی سے چھٹکارا دلوا دوں گا۔ مگر اس نوجوان نے میرے ساتھ بدتمیزی کرکے اپنی زندگی کی دوسری بڑی غلطی کی ہے۔ (عادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اب تم تینوں بھائی ہمیشہ مشکلات کا شکار رہو گے۔ کتوں کی طرح ہانپتے رہو گے۔"

ملنگ نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ انگاروں کی مانند دہک رہا تھا۔

"ب۔ب۔ بب با۔ با۔ بابا ہمیں معاف کردو۔ بابا ہم سے بہت بڑی غلطی ہوگئی بابا...... میں۔ میں معافی مانگتا ہوں، عادل بھائی کی طرف سے۔" حافظ ملنگ کے قدموں میں بیٹھ کر رونے لگا۔

"نہیں۔ نہیں اب بہت دیر ہوگئی ہے۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اب میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔" ملنگ نے جواب دیا۔ اور وہاں سے اڑن چھو ہوگیا۔ جیسے یہاں کبھی آیا ہی نہ ہو۔

☆......☆......☆

عادل کو دو دن بعد ہوش آیا۔ وہ بہت نقاہت محسوس کررہا تھا۔ اس کے دونوں بچوں کو سخت بخار تھا۔

بستر سے اٹھا تو بچوں کے قریب آیا۔ ہاتھ لگایا تو وہ آگ ہورہے تھے۔ بیوی بھی بوجھل بوجھل سی دکھائی دے رہی تھی۔ عادل کے دماغ میں ابھی تک ملنگ کی باتیں گونج رہی تھیں۔

دل کو گہرا صدمہ دینے والی ایک خبر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہی تھی۔ اور وہ خبر یہ تھی کہ اس کا جان سے پیارا بھائی عارف کل دوپہر اپنی زمین پر کام کرتے ہوئے انتقال کرگیا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسے سانس کے پھولنے سے موت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے بھائی کا آج نماز جنازہ ہے۔ جو شاید صرف اسی کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہا ہے۔

☆......☆......☆

عارف کی موت کھیت میں کام کرتے ہوئے واقع ہوئی تھی۔ حافظ کے مطابق وہ اور عارف صبح سویرے کام کرنے کی غرض سے کھیت میں پہنچے تھے۔ اور عارف بہت محنت سے کام کررہا تھا۔ درخت کے کٹے ہوئے بھاری بھاری تنوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر کھیت سے باہر لے جارہا تھا۔ اس کی سانس معمولی سی پھولی ہوئی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی سانس بہت زیادہ پھولنے لگی۔ اور وہ کسی مچھلی کی طرح زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ بھائی کی حالت کو دیکھ کر حافظ اس کے پاس آیا۔ مگر اس کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہورہے تھے اور پھر عارف بھائی ہمیں چھوڑ کر چل بسے......" اتنا کہہ کر عادل کے گلے لگ کر حافظ رونے لگا۔

☆......☆......☆

عادل کا ایک بیٹا شدید بخار کی زد میں آکر مرگیا تھا۔ اور دوسرا سب سے بڑا انکشاف اس پر ڈاکٹروں نے یہ کیا کہ اس کی بیوی مرگی کی مریض بن چکی ہے۔ ان کی دنیا اجڑ کر رہ گئی تھی۔ ایک غلطی نے سب کچھ تہس نہس کرکے رکھ دیا تھا۔ دونوں بھائی کوئی مشقت کا کام نہیں کرسکتے تھے۔ دونوں انہلر استعمال کرنے لگے تھے زمین تو انہوں نے عارف کے مرنے کے دو ماہ بعد ہی فروخت کردی تھی۔ اور اس کے بدلے چھوٹی سی کریانہ کی دکان چلا رہے تھے۔ آمدنی کا بیشتر حصہ دوائیوں پر خرچ ہوجاتا تھا۔ وہ بہت کسمپرسی میں زندگی گزار رہے تھے۔

آج بھی وہ اپنی اس غلطی کو یاد کرکے روتے تھے۔ جس نے ان سے ان کی خوشیاں اور خوشیوں سے بڑھ کر ان کا پیارا بھائی چھین لیا تھا۔

مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ روت دھوت کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور بڑے لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا چاہئے۔"

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

سفر یادوں کا دل سے بھلایا نہیں جاتا
دکھ اپنا کسی کو پھر سے سنایا نہیں جاتا
جا کے پھر کوئی آتا نہیں ہے زمانے میں
اندھیری راہوں میں چراغ جلایا نہیں جاتا
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

سنورنے کا تو کیا کہنا ہے اس کا ذکر ہی کیا ہے
حسینوں کے بگڑنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے
پکڑ کر ہاتھ اس بت کا کہوں گا حشر میں نیر
کہ یہ قاتل ہمارا ہے اسی پہ دم نکلتا ہے
(مہر پرویز احمد دولو.....میاں چنوں)

نہ تھی حال کی اپنے ہمیں کچھ خبر
رہے دیکھتے دوسروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو زمانے میں کوئی برا نہ رہا
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

سنا ہے تم چاند سے گفتگو کرتے ہو رات بھر
تنہا بیٹھ کر میری باتیں سوچتے ہو رات بھر
جب پاس تھے تو ہماری قدر نہ جانی تم نے
اب ملنے کی دعا مانگتے ہو رات بھر
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈو الہ یار)

خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کس درد کی دیوار سے لگ کر رولوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں
(انتخاب: کنیزہ عمر دراز.....نواب شاہ)

کاغذ پہ نہیں لکھے کچھ راز محبت کے
پل بھر میں بکھر جاتے ہیں الفاظ محبت کے
اسے ٹوٹ کر چاہا تو ہم خود ہی بکھر گئے
ایسے بھی بدلتے ہیں انداز محبت کے
قاصد سے ذرہ کہنا انہیں ساتھ ہی لے آئے
مجھے پھر سے سجانے ہیں کچھ خواب محبت کے
(محمد عرفان.....کراچی)

شاخ دل جو جھوم کے گلزار میں سیدھی ہوئی
پھر گیا میری آنکھ میں نقشہ تیری انگڑائی کا
جس کو کہتے ہیں قیامت خدا شاہد ہے
میرے معشوق کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے
(محمد آصف شہزاد الہ آبادی.....قصور)

تم تو نہ آئے تمہاری یاد آ کے وعدہ عین وفا کر گئی
تمہاری کمی مسلسل رہی باقی بے چینی چین تباہ کر گئی
دروازہ سو یاں کھڑکیاں کئی باری میں نے سوچا اثر دعا کر گئی
جب کھول کے دیکھا کچھ بھی نہ رہا شاکر میرے نال مذاق ہوا کر گئی
(محمد حنیف شاکر.....بھاگووالی ننکانہ صاحب)

تنہا تنہا رہنا بھی اچھا نہیں لگتا
یوں جی گھبرائے اچھا نہیں لگتا
میں ہوں جو تیرے ساتھ تو کیا غم ہے
یوں آنسو بہائے رہنا اچھا نہیں لگتا
(عبدالجبار رومی انصاری.....قصور)

چاند کی چاندنی تھی ستاروں کا تو ایک بہانہ تھا
میرے پاس ایک تم نہ تھے باقی تو سارہ زمانہ تھا
(خضر حیات.....روڈہ تھل)

دیا ہے زخم تو مراہم کا تکلف نہ کر
کچھ تو رہنے دے ہماری ذات پر احسان ایسا
(محمد وسیم.....روڈہ تھل، خوشاب)

اب رات بھر جاگتے ہو کس کے انتظار میں اے دل
جو ملنے آتے تھے تمہیں وہ تو شہر چھوڑ گئے
(ڈاکٹر عامر شہزاد.....ننکانہ صاحب)

عید کے چاند کے مانند ہوا تو
ہائے وہ شخص جو روز ملتا تھا
(انتخاب: رابعہ عباس.....بستی فتے والی)

پھول سے ہونٹوں پہ شرارے ہوں جیسے
میری چاہت میں یوں انگارے ہوں جیسے
جن سے نہیں تھی وفا کی امید ہم کو
گزرے دنوں میں وہ ہمارے ہوں جیسے
شام ہوتے ہی بجھ جاتے ہیں یادوں کے چراغ
ان دیکھی راہوں پہ روشن ستارے ہوں جیسے
جن کی محبت میں ہم سدا جلتے ہیں
ان کی آنکھوں میں وفا کے اشارے ہوں جیسے
سوچا بھی نہ تھا وہ یوں بچھڑ جائے گا جاوید
ایک منزل کے پھر دو کنارے ہوں جیسے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

آتش و خوں میں نہائے ہوئے اس منظر سے
ایک جہاں اور بنے گا اسی خاکستر سے
یوں بظاہر بڑے مخلص ہیں ہمہ اہل بیاں
کون کیا ہے کسے معلوم مگر اندر سے
زینت خانہ مکینوں کا ہے کردار جمیل
قدر و قیمت ہے ہر ایک سیپ کی بس گوہر سے
زلزلے زیر زمیں جو ہیں انہیں کیا کہیے
کس کو اندازہ تخریب کھلا باہر سے
زیب تن جس کے بظاہر ہے تقدس کا لباس
لوگ ہیں آس لگائے اسی فتنہ گر سے
اس کی بیچارگی غم کا ہے اب تک احساس
خیریت پوچھ لی ایک روز جو ایک شوہر سے
نظروں نے جسے واحد کیا صحرا آثار
اس زمیں پر بھی کبھی ابر محبت برسے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

نہ خود کو ہم سمجھا سکے
کچھ معاشرے نے زنجیریں ڈالیں
پھر نہ پاؤں تک ہلا سکے
اڑتا تو تھا خواب ہمارا
پھر پر تک نہ ہلا سکے
جب چلی تم ہم سے دور
تجھے پکار کر نہ بلا سکے
دل کیا سینے سے لگالوں تجھ کو
یہ جاتے ہوئے ہاتھ تک نہ ہلا سکے
ہم سمجھتے بھی زمانے کو کیا
ہم خود کو ہی نہ سمجھا سکے
جب میں اور تم اکٹھے تھے
وہ لمحہ تک نہ بھلا سکے
(رابعہ عباس.....بستی فتے والی)

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع، خار کسوت فانوس تھا
مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر، یارب! ہلاک حسرت پابوس تھا
حاصل الفت نہ دیکھا، جز شکست آرزو
دل بہ دل پیوستہ، گویا یک لب افسوس تھا
کیا کہوں، بیماری غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خون دل، بے منت کیموس تھا
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

میں نظر سے پی رہا ہوں یہ سماں بدل نہ جائے
نہ جھکاؤ تم نگاہیں، کہیں رات ڈھل نہ جائے
میرے اشک بھی ہیں اس میں، یہ شراب ابل نہ جائے
میرا جام چھونے والے، تیرا ہاتھ جل نہ جائے
ابھی رات کچھ ہے باقی، نہ اٹھا نقاب ساقی
تیرا رند گرتے گرتے کہیں پھر سنبھل نہ جائے
میری زندگی کے مالک میرے دل پہ ہاتھ رکھ دے
تیرے آنے کی خوشی میں میرا دم نکل نہ جائے
مجھے پھونکنے سے پہلے، میرا دل نکال لینا
یہ کسی کی ہے امانت، میرے ساتھ جل نہ جائے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈو الہ یار)

ہم تیرے آسکے
تجھے اپنے پاس بلا سکے
حالات نے اتنا مجبور کیا

بڑھتے ہیں جو آلام تو دیتے ہیں مزہ اور
مے خوار کو دیتی ہے ہوا جیسے نشہ اور
گر تم ہی خدا ہو تو خدا حافظ ہے تمہارا
ہم پھر سے تراشیں گے کوئی مرمر کا خدا اور
جب دیکھتے ہیں مجھ کو تصور کی نگاہ سے!
فوراً لیتے ہیں طبیعت کی وہ صورت ہی بنا اور
سجدے میں تو دلدار کا تھا اور ارادہ
جب ہاتھ اٹھے اس کے تو مانگی ہے دعا اور
قانون محبت بھی ہے کیا اندھی شرافت
ہوئی ہے خطا اور مگر دیتے ہیں سزا اور
ہم اشکوں سے بجھاتے ہیں لگی دل کی یہ آتش
دیتے ہیں وہ آنچل سے اسے آکے ہوا اور
کیا خوب مزاج ان کا ہے کیا خوب ہے توبہ
اک عیب چھپانے کو کر بیٹھے ہیں خطا اور
سر شام نہ میخانے سے شاکر کو نکالو
کیا رات سہانی ہے پلاؤ بھی پلاؤ اور
(محمد حنیف شاکر.....بھاگووالی)

چلو تم ساتھ مت دینا
بے شک مجھے بھلا دینا
نئے سپنے سجا لینا
نئے رشتے بنا لینا
بھلا دینا بھی وعدے
سبھی قسمیں سبھی ناتے
تمہیں اجازت ہے
جو دل چاہے وہ سب کرنا
مگر اب تم کسی سے بھی
ادھورا پیار مت کرنا
(محمد وسیم.....روڈہ تھل، خوشاب)

ہماری قسمت میں
شاید کسی سائے کی
گنجائش نہیں
اور نہ ہی کسی کی
بانہوں کا ہار
وہ ہماری پیاسی روح
جیون کے سفر میں
در در بھٹکتی رہیں
صحراؤں اور فضاؤں
کالی گھٹاؤں میں بھی
پیاسی کی پیاسی رہی
وقت اور مقدر نے
پھر ہمیں یکجا کیا
مگر اس نے ہمیں
پہچاننے سے انکار کیا
خالی دامن میں اب
کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں
محبتوں کے وہ گلاب
شاید کہیں کھو گئے
اور وہ کسی کے ہو گئے
(گلاب خان سولنگی.....لاہور)

اداس تحریر پڑھ کر میری
صنم میرے سسکرانہ دینا
یہ آخری خط میں لکھ رہا ہوں
خیال رکھنا جلانہ دینا
گزر رہی ہے تمہاری کیسے
بچھڑ کر ہم سے رلا کر ہم کو
حقیقتوں کو ضرور لکھنا
انا کی خاطر چھپانہ دینا
کوئی جو پوچھے کہاں گیا وہ
جو تیری محفل کا سہارا تھا
جو قمر بتوں کا سبب بنا تھا
کسی بشر کو بتانہ دینا
لہو سے تحریر کر رہا ہوں
میں اپنی ساری کہانی جاناں
جو پڑھ بھی دو تو پاس رکھنا
ہوا میں ٹکڑے اڑانہ دینا
(خضر حیات.....روڈہ تھل، خوشاب)

جب ہر اک شہر بلاؤں کا ٹھکانہ بن جائے
کیا خبر کون کہاں کس کا نشانہ بن جائے

شق خود اپنے رقیبوں کو بہم کرتا ہے
م جسے پیار کرے جانِ زمانہ بن جائے
ی شدت سے نہ مل تو کہ جدائی چاہیں
ر یہ قربت تیری دوری کا بہانہ بن جائے
غزل آج تیرے ہجر میں لکھی ہے وہ کل
کیا خبر اہلِ محبت کا ترانہ بن جائے
کرتا رہتا ہوں فراہم میں زرِ زخم کہ یوں
شاید آئندہ زمانوں کا خزانہ بن جائے
ں سے بڑھ کر کوئی انعام ہنر کیا ہے شہزاد
پنے ہی عہد میں اک شخص فسانہ بن جائے
(انتخاب: ڈاکٹر عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

میرے اشعار تو سجدے پہ سجدے کرتے جائینگے
جمال کبریائی کے وہ جب جلوے دکھائیں گے
دیا روشن کیا ہے میں نے دل میں اپنے اشکوں سے
بھی تو میرے دل میں سرور لولاک آئیں گے
درود پاک کی برکت سے دل میں روشنی ہوگی
میں الفت کے پھر دل میں مرے تشریف لائیں گے
عطا کر کے مجھے اک چاند خوشیوں کا مرے آقا!
کھوں کا شمس انگشت منور سے ہٹائیں گے
شتوں تک مسجد کے لطف سے آواز جائے گی
ی کے ذکر سے جب بزم دل کی جگمگائیں گے
ہیں کھوئی ہوئی منزل سلامتی دینے آئے گی
ینہ طیبہ کی خاک جو لوگ پائیں گے
روں کے بل چلیں گے سرور لولاک کی جانب
ینہ طیبہ کی خاک آنکھوں میں سجائیں گے
ی کا نعت گو ہو کر تجھے قمر غم کیسا
ی کے لاڈلے محشر میں امت بخشوائیں گے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

وا کے جھونکوں سی محبت تیری
لتے موسموں سی فطرت تیری
بھی ہے خوش بہت تو کبھی رہتا ہے ناراض
سمجھ آئے ہے کیسی یہ عادت تیری
گئے جس بھرم سے تھے دعوے محبت کے
ن کو بھائی دنیا سے بغاوت تیری
ری چاہ سے محبت کے خواب سجائے پھر
ٹوٹے سارے خواب وجیہہ عدالت تیری
بنتا ہے سچی بانٹتا ہے محبت اپنی
سوا اپنے دیکھی ہے ایسی سخاوت تیری
بہت دعائیں کرتے ہیں مل جائے تجھے
کاش میرے نصیب میں ہو فرصت تیری
جہاں بھی گئے ہو لوٹے نینا کے پاس
ہر بار لگتی معصوم کتنی ندامت تیری!!!
(شاعرہ ایڈووکیٹ نینا خان.....کراچی)

عطا جسے تیرا عکس جمال ہوتا ہے
وہ پھول سارے گلستاں کا لال ہوتا ہے
رہ مجاز میں منزلیں حقیقت کی
مگر یہ اہل نظر کا خیال ہوتا ہے
تلاش کرتی ہے سائے تمہارے آنچل کے
چمن میں باد صبا کا یہ حال ہوتا ہے
بہار فطرت صیاد کی کہانی ہے!!!
کہ اس کے دوش پہ پھولوں کا جال ہوتا ہے
یہ واردات بھی اب دل پہ روز ہوتی ہے
حسرتو میں بھی ہم کو ملال ہوتا ہے
یہ بکھرے بکھرے سے گیسو تھکی تھکی آنکھیں
کہ جیسے کوئی گلستاں نڈھال ہوتا ہے
جواب دے نہ سکیں جس کا دو جہاں ساغر
کسی غریب کے دل کا سوال ہوتا ہے
(عبدالجبار ردی انصاری.....قصور)

میں شام ہو جاؤں
اس سے پہلے کہ میں شام ہو جاؤں
اک قصہ تمام ہو جاؤں
تم آ جانا کہ میں تم بن ادھورا ہوں تم ہو تو میں پورا ہوں
جب آکاش پر چاند چمکتا ہے دل تیری یاد میں تڑپتا ہے
آنکھوں کو تیرا انتظار رہتا ہے
تم سانس میری، میری دعا ہو میرے جنون کی انتہا ہو
اب لوٹ آؤ کہ
بس شام ہونے کو ہے
(محسن عزیز جلیم۔ کوٹھا کلاں)
☆☆

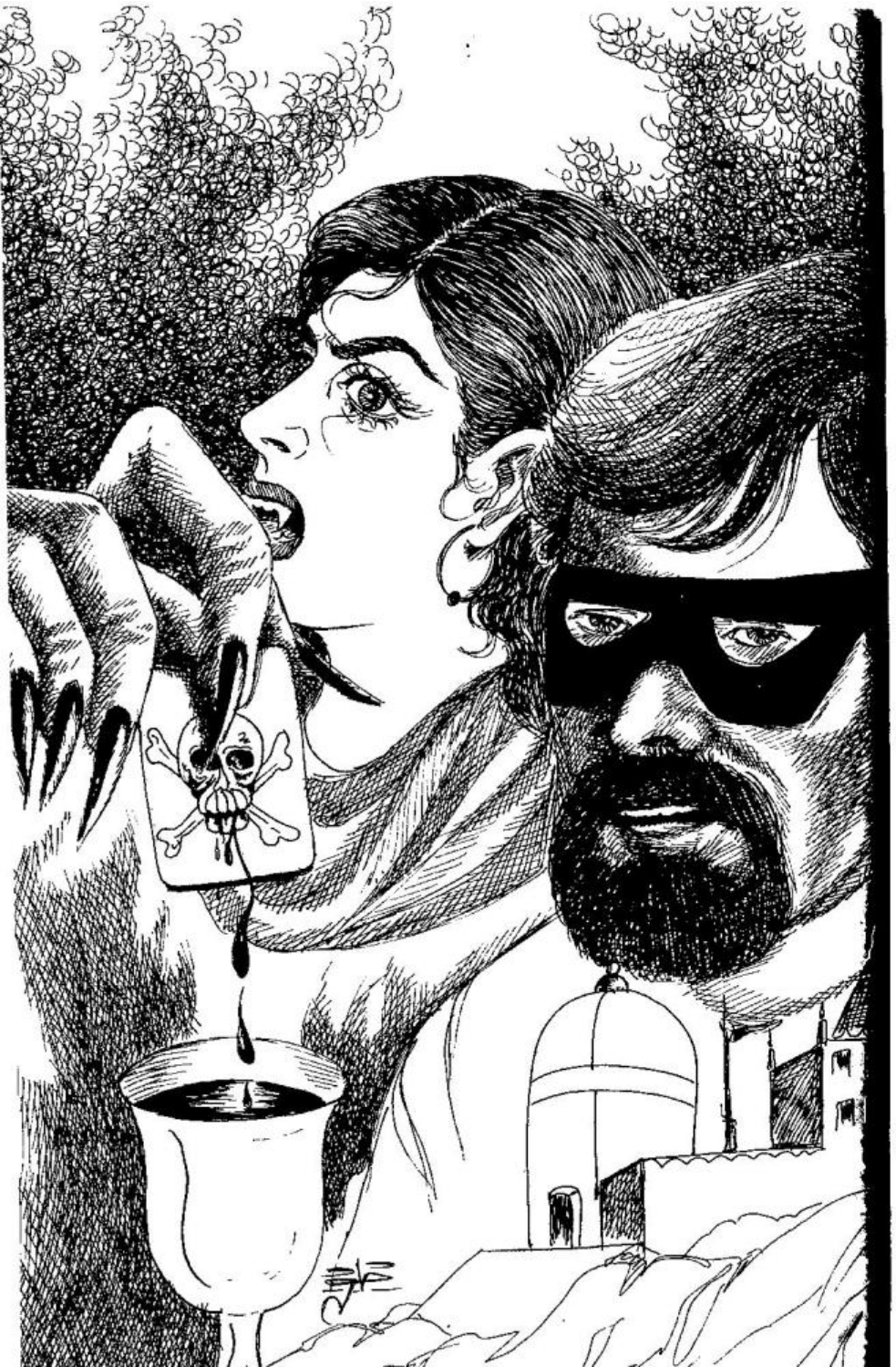

گمراہ

شہزادہ چاند زیب عباسی

شیطان گمراہ انسان کے جسم اور روح دونوں پر قابض ہوجاتا ہے مگر نورانی طاقتوں کے سامنے طاغوتی طاقتیں بے بس ہوجاتی ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ.....

نورانی اور طاغوتی طاقتوں کی زبردست معرکہ آرائی.....ذہن سے محو نہ ہونے والی کہانی

دانش نے تیز رفتاری سے بائیک دوڑاتے ہوئے ون ویلنگ کا مظاہرہ کیا تو میں نے اسے عقب سے مضبوطی سے دبوچتے ہوئے کوسا۔

"دانش کے بچے خود تو مرو گے اور مجھے بھی ساتھ میں مرواؤ گے۔"

"یار شادی کی نہیں تو بچے کہاں سے آگئے۔" وہ ہنسا اور اگلا پہیہ سڑک سے لگاتے ہوئے زگ زیگ کے سے انداز میں بائیک چلانے لگا وہ کبھی دو گاڑیوں کے بیچ سے آگے نکل جاتا تو کبھی راستہ نہ پا کر فٹ پاتھ سے ہوتا ہوا اگلی گاڑی کو کراس کر جاتا۔ اس دوران میں پیچھے بیٹھا مسلسل کلمہ شہادت کا ورد کرتا رہا، اللہ اللہ کر کے بائیک میرے گھر کے دروازے پر رکی تو میری جان میں جان آئی۔

"آؤ اندر نہیں چلو گے۔" میں نے بائیک سے اترتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ آج یہاں میرا آخری دن ہے کل سے ٹریننگ پر جانا ہے پھر جب واپسی ہوئی تو انشاء اللہ ملیں گے۔" اس نے بائیک سے اتر کر مجھے گلے لگایا پھر آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوگیا جب کہ میں ڈور بیل بجانے لگا۔

ہم دونوں گہرے دوست تھے دانش کے والد دانیال احمد کا تعلق آرمی سے تھا۔ دانش ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی اس نے ایک حساس ادارے میں اپلائی کیا اور سلیکٹ ہوگیا۔

اب اسے اگلے روز ٹریننگ پر جانا تھا۔ جب کہ میرا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا والد ایک نجی بینک میں ملازم تھے زرینہ میری چھوٹی بہن اور میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی جب کہ میں بابر زمان ایک یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔

دانش کے ٹریننگ پر جانے کے بعد میرے معمولات میں فرق آگیا تھا اب میں یونیورسٹی سے سیدھا گھر لوٹ آتا تھا اور پھر نماز کے وقت ہی گھر سے نکلتا تھا ویسے بھی ہمارے گھر کا ماحول دینی تھا ابو امی اور چھوٹی بہن ہم سب ہی پانچ وقت کے نمازی تھے۔ میرے ابو کا کہنا تھا۔

"اچھا انسان وہی ہے جو کسی کے مشکل وقت میں کام آئے۔" ان کی نصیحت میں نے ذہن نشین کر رکھی تھی بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب میں اور دانش کہیں جا رہے ہوتے تو سڑک کے کنارے کبھی نابینا یا معذور شخص کو دیکھ کر میں اسے بائیک روکنے کو کہتا اور اتر کر معذور شخص کو سڑک پار کرا دیتا۔ میری اس عادت سے دانش اکثر

اوقات چڑ جاتا اور کہتا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ عادت تمہارے لئے مصیبت بن جائے۔"

مجھے کیا معلوم تھا کہ اس کی مزاح میں کہی ہوئی بات ایک روز سچ ثابت ہوگی۔

دانش کوچنگ پر گئے کافی دن ہو چکے تھے اور مجھے بوریت سی محسوس ہو رہی تھی اس روز یونیورسٹی سے چھٹی کے بعد میں بلامقصد ہی بائیک پر مٹرگشت کر رہا تھا کہ ایک رہائشی علاقے سے گزرتے ہوئے کسی لڑکی کے چلانے کی آواز سن کر بائیک روک دی۔ آواز کی سمت دیکھا تو کچھ فاصلے پر واقع عمارت کی تھرڈ فلور کی بالکونی سے تقریباً لٹکی ہوئی ایک لڑکی پر نظر پڑی لڑکی کے چہرے پر خوف و ہراس کے تاثرات نمایاں تھے وہ یقیناً مجھے مدد کے لئے پکار رہی تھی جون کا تپتا ہوا مہینہ تھا سورج ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے آگ برسا رہا ہو۔ شاید اسی لئے اس گلی میں میرے علاوہ دور دور تک کوئی فرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گلی کے آخری سرے پر دو تین دکانیں تھیں فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث شاید لڑکی کی آواز وہاں تک نہ پہنچ پائی تھی اس لئے کوئی اس طرف متوجہ نہ ہوا تھا۔

میں بائیک اسٹینڈ پر لگا کر اترا ہی تھا کہ لڑکی کے عقب میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک تنومند نوجوان جارحانہ انداز میں لڑکی پر جھپٹا اور لڑکی کی کلائی تھام کر اسے دروازے کی طرف گھسیٹنا چاہا۔ لڑکی نے اچانک ہی دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا لڑکی کا تھپڑ شاید اس کے لئے غیر متوقع تھا تنومند نوجوان نے اشتعال میں آ کر لڑکی کے پیٹ پر لات رسید کر دی۔

لڑکی جو خود کو چھڑانے کے لئے ویسے ہی پیچھے کی طرف زور لگا رہی تھی ایسے میں پیٹ پر پڑنے والی لات سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور کربناک انداز میں چیختی ہوئی تھرڈ فلور کی بالکونی سے سڑک پر آ گری تو لڑکی کا جسم چند لمحے تڑپنے کے بعد ساکت ہو گیا، یہ محض چند لمحوں میں ہوا تھا بالکونی میں موجود تنومند نوجوان نے نیچے جھانک کر لڑکی کی لاش کو دیکھا اس کی نظر مجھ پر پڑی تھی جو سکتہ زدہ سا کھڑا تھرڈ فلور کی بالکونی کی طرف دیکھ رہا تھا..... وہ بوکھلا کر مڑا اور عقب میں موجود دروازے میں غائب ہو گیا۔

میں خون میں لت پت لڑکی کی لاش کے قریب جا پہنچا تھا اسی اثناء میں چار پانچ افراد بھی وہاں پر اکٹھے ہو چکے تھے یہ گلی کی نکڑ میں موجود دکانوں اور اسی عمارت سے نکلے تھے ان میں سے ایک بڑے میاں نے مجھ سے استفسار کیا۔

"یہ اوپر سے کیسے گری؟"

میں نے تھرڈ فلور کی بالکونی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں بائیک پر یہاں سے گزر رہا تھا کہ چیخ و پکار کی آواز سن کر رک گیا۔ یہ لڑکی تھرڈ فلور کی بالکونی میں کھڑی مدد کے لئے پکار رہی تھی اسی اثناء میں کمرے سے ایک تنومند نوجوان نکلا اور اسے کلائی سے پکڑ کر زبردستی اندر لے جانا چاہا تو لڑکی نے اسے تھپڑ مارا اور خود کو چھڑانے کی کوشش کی نوجوان نے غصے میں لڑکی کے پیٹ پر لات رسید کی اور یہ بالکونی سے گر گئی۔"

"وہ، وہ اپارٹمنٹ تو وکی بابو کا ہے۔" بڑے میاں نے ہراساں لہجے میں کہا اور تیزی سے وہاں سے نکل گئے۔

میں نے محسوس کیا کہ وکی کا نام سنتے ہی وہاں موجود افراد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"وکی آخر ہے کون؟ جو یہ لوگ اتنا گھبرا رہے ہیں؟" میں نے قریب کھڑے ایک دبلے پتلے نوجوان سے پوچھا۔

"اوباش اور بدمعاش فطرت انسان ہے اس کے اپارٹمنٹ میں اکثر مشکوک قسم کے لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے جن کے پاس اسلحہ بھی ہوتا ہے ویسے بھی میں آیا ہے کہ وکی کا باپ بہت اثر و رسوخ والا دولت مند انسان ہے میری مانو تو تم بھی خاموشی سے یہاں سے کھسک جاؤ۔" نوجوان نے دبے دبے لہجے میں کہتے ہوئے مجھے بھی مشورہ دے ڈالا۔

کچھ ہی دیر میں وہاں کافی بھیڑ لگ چکی تھی ایک پولیس موبائل بھی ہوٹر بجاتی ہوئی وہاں پہنچ چکی تھی یہ پانچ پولیس اہلکار تھے جن میں سے ایک ادھیڑ عمر کا پولیس انسپکٹر تھا اس کے بیج پر محمد اسحاق لکھا تھا انسپکٹر اسحاق نے وہاں موجود افراد کو لاش سے دور ہٹنے کی تاکید کی اور لاش کا معائنہ کرنے کے بعد وہاں موجود افراد کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔؟" وہاں موجود مجمع میں سے کچھ لوگ تو پولیس کو آتا دیکھ کر پہلے ہی کھسک چکے تھے اور جو وہاں موجود تھے وہ بھی نظریں چرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ میں ان کی بے حسی پر دل ہی دل میں سلگتا ہوا آگے بڑھا۔

"انسپکٹر صاحب اس لڑکی کو تھرڈ فلور کی بالکونی سے گرایا گیا ہے۔" میں نے تھرڈ فلور کی بالکونی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں ایک تنومند نوجوان اس لڑکی سے دست درازی کر رہا تھا وہ اسے زبردستی گھسیٹ کر کمرے میں لے جانا چاہتا تھا کہ لڑکی نے خود کو چھڑاتے ہوئے اسے تھپڑ رسید کر دیا تو نوجوان نے اشتعال میں آ کر اسے لات رسید کی اور لڑکی تھرڈ فلور کی بالکونی سے گر گئی۔"

انسپکٹر نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم.....؟ کیا یہیں رہتے ہو؟"

"سر میرا نام بابر زمان ہے بائیک پر یہاں سے گزر رہا تھا کہ لڑکی کے چیخنے چلانے کی آواز سن کر رک گیا یہ لڑکی تھرڈ فلور کی بالکونی سے مدد کے لئے پکار رہی تھی ابھی میں بائیک سے اترا ہی تھا کہ عقب میں دروازہ کھلا اور ایک تنومند نوجوان نمودار ہوا اور لڑکی پر جھپٹ پڑا۔" میں نے تفصیل سے دوبارہ اس حادثے کے بارے میں انسپکٹر کو بتایا۔

"کون رہتا ہے اس اپارٹمنٹ میں؟" انسپکٹر نے قریب کھڑے ایک پستہ قامت شخص سے پوچھا۔

"صاحب وہاں وکی بابو رہتے ہیں۔"

انسپکٹر نے قریب کھڑے ایک کانسٹیبل کو وکی کو بلانے کا حکم دیا سپاہی سیڑھیوں کی طرف بڑھا، اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا نوجوان بھی تھا۔

"صاحب اپارٹمنٹ لاک ہے اور یہ وکی کا پڑوسی ہے اس کا کہنا ہے کہ وکی کل سے اپنے اپارٹمنٹ میں آیا ہی نہیں۔" اس نوجوان نے اپنا تعارف زاہد کے نام سے کرواتے ہوئے وہی بات دہرائی جو سپاہی کہہ چکا تھا۔

میں زاہد خان نامی اس شخص کے سفید جھوٹ پر غصے سے کھول اٹھا۔

"اے مسٹر بکواس بند کرو میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس لڑکی کو تھرڈ فلور کی بالکونی میں دیکھا ہے اور تم کہہ رہے ہو کل سے وہ اپارٹمنٹ بند پڑا ہے۔ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" میں اس پر تیوریاں چڑھاتے ہوئے چڑھ دوڑا۔ اس سے پہلے کہ ہم دونوں میں مزید تلخ کلامی ہوتی انسپکٹر نے مداخلت کی۔

"مسٹر بابر ہو سکتا ہے کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور پھر اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

"ہاں مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی اور پھر وکی میرا رشتہ دار نہیں صرف پڑوسی ہے۔ جس سے میری کوئی خاص سلام دعا بھی نہیں اور پھر وہ اپنے اپارٹمنٹ میں کبھی کبھار ہی آتا ہے۔" انسپکٹر کے الفاظ سے زاہد کو حوصلہ ملا تو وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"ہو سکتا ہے لڑکی نے خودکشی کی ہو یہ رائے بھی زاہد ہی کی تھی۔"

میں نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو لگتا ہے تم بھی اس کے شریک جرم ہو؟"

"مسٹر بابر آرام سے کھڑے رہیں سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے یہ تفتیش میں خود سامنے آ جائے گا۔" انسپکٹر نے درشت لہجے میں کہا اس دوران ایمبولینس اور میڈیا سے وابستہ افراد بھی پہنچ چکے تھے لڑکی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دیا گیا۔

اسی بلڈنگ کے ایک رہائشی سے وکی کا موبائل فون نمبر مل گیا جسے کال کر کے پولیس اسٹیشن بلوایا گیا میں انسپکٹر کے ساتھ پولیس اسٹیشن چلا گیا کچھ ہی دیر میں وہاں

وکی بھی آ گیا اسے دیکھتے ہی میں پہچان کر چلایا۔

"یہی اس لڑکی سے بالکونی میں دست درازی کر رہا تھا۔"

"بکواس بند کرو میں تو کل سے اپارٹمنٹ میں آیا ہی نہیں۔" وہ الٹا مجھ پر بگڑا تو میں اس کی مکاری پر دنگ رہ گیا۔

بہرحال میرے اصرار اور میڈیا کی موجودگی کی وجہ سے وکی کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ میری گواہی پر وکی کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی کہ اس کی وجہ سے ایک معصوم لڑکی اپنی جان سے گئی مگر یہ میری غلط فہمی تھی زاہد کے بیان اور پھر اسی بلڈنگ کے ایک مکین سرفراز نے گواہی دی کہ اس نے خود اس لڑکی کو چھت سے کودتے دیکھا ہے پولیس تفتیش سے معلوم ہوا کہ لڑکی کا نام عائشہ تھا اور تعلق غریب گھرانے سے تھا عائشہ کے والد عارف عالم دین تھے جن کا گزشتہ برس انتقال ہو چکا تھا دونوں ماں بیٹی عارف کے انتقال کے بعد اکیلی رہتی تھیں وقوعہ والے روز عائشہ کی ماں کو بہت تیز بخار تھا وہ ماں کی دوا لینے گھر سے نکلی اور پھر واپس زندہ نہ لوٹی۔

افسوس ناک بات یہ تھی کہ بیٹی کی موت کی اطلاع سنتے ہی ماں کا دل بھی دھڑکنا بھول گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ عائشہ اس اپارٹمنٹ میں کیسے پہنچی اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

بہرحال وکی کو جھوٹی گواہی کی بدولت پہلی ہی پیشی میں باعزت بری کر دیا گیا۔

کچھ روز تو میں اس واقعہ کی وجہ سے افسردہ رہا پھر اپنی مصروفیات میں بھول گیا کچھ روز بعد جب میں معمول کے مطابق یونیورسٹی سے لوٹ رہا تھا کہ ایک ضعیف العمر شخص نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا میں نے بائیک روک کر بوڑھے کی طرف استفسار یہ نگاہوں سے دیکھا۔

"بیٹا آگے سیکٹرون میں میرا گھر ہے اگر مجھے وہاں تک لے چلو تو تمہاری مہربانی ہوگی میں کافی دیر سے کھڑا ہوں اس دوران کوئی گاڑی نہیں آئی اور پھر یہ بھاری بیگ بھی ہے۔" بوڑھے نے قریب پڑے بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ اس طرح عاجزی سے کہا کہ میں انکار نہ کر سکا اور پھر میں تو ویسے بھی اسی راستے سے جا رہا تھا، میں نے سوچا اس طرح کسی کا بھلا ہو جائے تو کیا حرج ہے بیگ میں نے بوڑھے کے کہنے پر اپنے آگے رکھ لیا اچھا خاصا بھاری بیگ تھا بوڑھے کے پیچھے بیٹھتے ہی میں نے بائیک آگے بڑھا دی۔ سیکٹرون کے ایک مکان کے سامنے بوڑھے نے مجھے رکنے کو کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"بابا جی بیگ تو لیتے جائیں۔" میں نے آواز لگائی۔

"تم لے آؤ بیٹا اب میں اتنا بھاری بیگ کیسے اٹھاؤں اور پھر گھر پر تالا ہے شاید بیٹا بہو کے ساتھ ہیں باہر گیا ہے۔" بوڑھے نے کپکپاتے ہاتھوں سے جیبیں ٹٹول کر چابی نکالنے کے بعد تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ میں اس کے اشارے پر بیگ اٹھائے اندر چلا گیا یہ ایک سو بیس گز کا آرسی سی مکان تھا۔ ٹی وی لاؤنج کے سامنے دو کمرے تھے۔ بوڑھے نے مجھے ایک کمرے میں بیگ رکھنے کو کہا میں جیسے ہی دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوا میرے سر پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی کسی نے سر کے عقبی حصے پر کسی ٹھوس شے کا وار کیا تھا مجھے اپنی کھوپڑی کا عقبی حصہ چٹختا ہوا محسوس ہوا تھا اور کمرے کے در و دیوار نگاہوں کے سامنے گھوم گئے تھے۔ اگلے ہی پل میں ہوش و خرد سے محروم ہو چکا تھا مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں کمرے کے فرش پر چت پڑا تھا کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو پاؤں تلے سے زمین سرک گئی میں خوف و دہشت سے لرز کر قدموں سے اٹھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے قریب پڑی نوجوان لڑکی کی لاش کی طرف دیکھنے لگا لڑکی کے سینے میں عین دل کے مقام پر خنجر پیوست تھا زخم سے اب بھی ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا لڑکی کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور چہرے پر خراشوں کے نشان صاف ظاہر کر رہے تھے اسے قتل کرنے سے پہلے بے آبرو کیا گیا ہے سب سے تشویشناک بات خود میرے لباس پر خون کے دھبے تھے جو یقیناً اسی مقتول لڑکی کے ہی تھے۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ مجھے سازش کے تحت قتل جیسے سنگین جرم میں پھنسانے کی کوشش کی ہے مگر بوڑھا

میں نے کیا بگاڑا تھا میرے ذہن میں یہی سوال گردش کر رہا تھا مگر یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا میری بہتری اسی میں تھی کہ میں جلد از جلد اس منحوس مکان سے نکل جاتا یہ سوچتے ہی میں کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ڈور بیل بجنے لگی اور ساتھ ہی للکارتی ہوئی گرج دار آواز سنائی دی۔

"تم پولیس کے گھیرے میں ہو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں اور کنپٹیاں سائیں سائیں کر رہی تھیں اور دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ گویا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ اس گھر کے ایک کمرے میں نوجوان لڑکی کی لاش موجود تھی جسے قتل کرنے سے پہلے بے آبرو کیا گیا تھا خود میرے لباس پر مقتولہ کے خون کے دھبے مجھے قانون کی نگاہوں میں قاتل ثابت کرنے کے لئے کافی تھے۔

مجھے عالم تصور میں پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں دکھائی دینے لگا تھا ڈور بیل کے ساتھ ساتھ اب دروازے پر ضربیں پڑنے لگی تھیں پولیس اہلکار دروازہ توڑنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ مغلظات بک رہے تھے میں دوڑتا ہوا دوبارہ کمرے میں پہنچا اور لڑکی کی لاش پھلانگ کر عقبی سمت کھلنے والے دروازے سے مکان کی عقبی سمت پہنچا۔

خوش قسمتی سے یہاں دیوار پر حفاظتی گرل موجود نہ تھی مگر دیوار کافی اونچی تھی اس کا حل بھی مجھے نظر آ ہی گیا قریب ہی ایک واشنگ مشین رکھی تھی جسے میں نے گھسیٹ کر دیوار کے قریب کیا واشنگ مشین پر چڑھا اور پنجوں کے بل اچھل کر دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف لٹک کر کود گیا۔

اسی دوران دروازہ توڑنے کی زوردار آواز سنائی دی میں اندھا دھند بھاگتا ہوا مختلف گلیوں سے ہوتا سڑک پر پہنچا میری قسمت اچھی تھی جو بجلی کمپنی کی مہربانی سے سڑک اور گلیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں ورنہ میرے لباس پر موجود خون کے دھبوں کی وجہ سے مصیبت میں پھنس سکتا تھا میں رکشہ پر اپنے علاقے میں پہنچا تو رات کے نو بج چکے تھے یہاں بھی لوڈشیڈنگ کی بدولت اندھیرے کا راج تھا۔ اور یہی میرے حق میں بہتر ثابت ہوا اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب گلی کے نکڑ پر مجھے میرا دوست تنویر ملا تنویر بھی اسی محلے کا رہائشی تھا مجھ پر نظر پڑتے ہی تنویر نے میری کلائی تھام لی اور ایک طرف لے گیا۔

"بابر تم نے یہ کیا کیا؟ اس لڑکی کا قتل کیوں کیا؟ ابھی کچھ دیر پہلے پولیس تمہارے گھر پر چھاپہ مار کر جا چکی ہے۔ اور اب بھی دو سادہ لباس اہلکار تمہارے گھر کے اردگرد منڈلا رہے ہیں۔" میں نے متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔"

"تو پھر تمہاری موٹر سائیکل مقتولہ کے دروازے کے باہر کیوں موجود تھی؟ اور پھر تمہارے لباس پر بھی خون کے دھبے موجود ہیں۔" اس نے میرے لباس پر نظر پڑتے ہی درشت لہجے میں کہا۔

"تنویر یقین جانو..... اللہ کی قسم میں نے اس لڑکی کا قتل نہیں کیا یہ بتانے کا اب وقت نہیں کہ وہاں کیا ہوا۔" میں نے مضطرب لہجے میں کہا اور جانے کے لئے واپس مڑا۔

"ٹھہرو کہاں جا رہے ہو۔" تنویر نے پوچھا۔

"جہاں حالات اور تقدیر لے جائے اب میرا یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

تنویر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہاری یہ بات تو درست ہے مگر پہلے ان خون آلود کپڑوں سے نجات حاصل کر لو یہ نہ ہو کہ کسی مشکل میں پھنس جاؤ آؤ میرے ساتھ ویسے بھی گھر پر اس وقت کوئی نہیں ہے سب فواد انکل کے گھر دعوت پر گئے ہیں۔"

تنویر کا گھر قریب ہی تھا میں نے تنویر کے کپڑے پہنے اس کا مفلر چہرے پر لپیٹا اس دوران میں اسے مختصر الفاظ میں بتا چکا تھا کہ مجھ پر کیا گزری میرا ارادہ اب یہ شہر چھوڑنے کا تھا، میں تنویر کو الوداع کہہ کر وہاں سے نکل گیا خوش قسمتی سے مجھے لاری اڈے سے نکلنے والی آخری بس میں سیٹ مل ہی گئی۔ گاڑی ابھی کچھ ہی دور ہی گئی تھی

کہ رک گئی میں نے کھڑکی سے جھانکا سڑک پر گاڑیوں کی ایک طویل قطار موجود تھی کافی دور آگے پولیس اہلکار گاڑیاں چیک کر رہے تھے کیا مصیبت ہے دیکھوں تو سہی کیا چکر ہے؟ ڈرائیور نے جھنجھلا کر کنڈیکٹر سے کہا تو وہ بس سے اتر گیا اس کی واپسی پانچ یا دس منٹ میں ہوئی ”استاد پولیس کسی قاتل کی تلاش میں ہے۔“ کنڈیکٹر کے الفاظ نے میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑا دی۔ گویا پورے شہر میں مجھے تلاش کیا جا رہا تھا ایک دو مسافر جب ٹہلنے کے لئے بس سے اترے تو میں بھی خاموشی سے اتر گیا اور گاڑیوں کی قطار سے قدرے ہٹ کر سڑک کی دوسری طرف میدان میں چلتا ہوا کافی لمبا چکر کاٹ کر پولیس ناکہ سے کافی دور جا کر دوبارہ سڑک پر جا پہنچا اس وقت تو میں پولیس سے بچ نکلا تھا۔

مگر اب نئی پریشانی لاحق ہو گئی تھی میں بس یا ٹرین پر سفر نہیں کر سکتا تھا کہیں نہ کہیں چیکنگ کے دوران پکڑا جاتا مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کہاں جاؤں...... چلتے چلتے ٹانگیں شل ہو چکی تھیں رات بھی کافی ہو چکی تھی اور پھر بھوک سے بھی برا حال تھا۔

آخر تھک ہار کر ستانے کے لئے سڑک سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گیا ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ مخالف سمت سے آنے والا ایک لوڈنگ ٹرک کچھ فاصلے پر رکا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قد شخص اتر کر سڑک کے کنارے واقع درختوں کے جھنڈ میں جا گھسا۔ یہ میرے لئے سنہری موقع تھا میں بلی کی سی چال چلتا ہوا عقب سے لوڈنگ ٹرک پر جا چڑھا۔ لوڈنگ ٹرک کارٹنوں سے بھرا ہوا تھا کارٹنوں کے بیچ دو فٹ کا خلا تھا۔ میں خلا میں آگے بڑھا اور ایک طرف ٹیک لگا کر بیٹھ گیا بہ بمشکل ایک بندے کے بیٹھنے کی جگہ تھی پھر کچھ دیر بعد لوڈنگ ٹرک چل پڑا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے اور میں تو ویسے بھی پچھلے کئی گھنٹوں سے بھوکا پیاسا پولیس سے بچنے کے لئے بھاگ رہا تھا تھکن اور نقاہت کے باعث بیٹھے بیٹھے سو گیا۔

آنکھ کھلی تو لوڈنگ ٹرک رکا ہوا تھا میں خلا سے ہوتا ہوا باہر نکلا اور لوڈنگ ٹرک سے اترنے سے پہلے ادھر ادھر جھانکا۔ سڑک پر کسی کو نہ پا کر اطمینان سے اترا اور لوڈنگ ٹرک سے قدرے فاصلے پر چلا گیا اسی وقت درختوں کے ایک جھنڈ سے رفع حاجت سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائیور نمودار ہوا اور لوڈنگ ٹرک پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا یہ کوئی بلند و بالا سرسبز پہاڑی علاقہ تھا سڑک کے ساتھ ہی پگڈنڈی نما راستہ تھا میں اس پر چلتے ہوئے کافی آگے نکل گیا۔

صبح ہو چکی تھی مگر میرے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس پہاڑی علاقہ میں اب تک مجھے کوئی فرد نہ دکھائی دیا تھا ماحول پر عجیب سا سکوت چھایا ہوا تھا درختوں سے بھری پری وادی پراسرار سی لگ رہی تھی اب تو مجھے بھی ڈر لگنے لگا تھا کہ نہ جانے یہ کون سی جگہ ہے۔ جنگل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا میں چند قدم مزید آگے بڑھا تھا کہ ایک باریک سی مردانہ آواز سنائی دی۔ ”آگے مت بڑھو خدا کے لئے واپس لوٹ جاؤ۔“ آواز میں عجیب سی وحشت اور اداسی تھی میں رک گیا اور مخاطب کو تلاش کرنے لگا ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے کے بعد بھی کوئی ذی نفس دکھائی نہ دیا تو میری حیرت دوچند ہو گئی یہ کس کی آواز تھی کوئی جن بھوت تو نہیں اس خیال نے مجھے مزید سہما دیا۔

”کون ہو تم؟ سامنے کیوں نہیں آتے۔“ میں نے چلاتے ہوئے پوچھا۔

”میں تمہارے قریب ہی ہوں۔“ ایک بار پھر وہی باریک مہین سی آواز سنائی دی۔ آواز قریب ہی کہیں سے آ رہی تھی مگر بولنے والا مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”یہاں کہاں ہو تم؟ اور مجھے دکھائی کیوں نہیں دے رہے؟“ میں نے استعجاب انگیز حیرت سے استفسار کیا اپنے قدموں کے قریب دیکھو۔

وہی آواز دوبارہ گونجی میں نے غور سے اپنے قدموں کے قریب دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑا۔

وہ چار یا پانچ انچ کا بونا تھا جو میرے پاؤں سے کچھ فاصلے پر سر اٹھائے مجھے دیکھ رہا تھا۔ کسی بونے کو زندگی

میں دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا اتفاق تھا میں حیرت سے اس بونے کو دیکھتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”کون ہو تم؟ اور مجھے آگے جانے سے کیوں روک رہے ہو؟“ اس سے پہلے کہ بونا کوئی جواب دیتا دور کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی بونا خوف زدہ ہو کر چیخا اور ایک طرف جھاڑیوں کے جھنڈ میں جا گھسا۔

بونے کا یوں اچانک دکھائی دینا اور پھر مجھے آگے نہ جانے کا مشورہ دینا اور پھر کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر خوف زدہ ہو کر بھاگ جانا مجھے انجانے خدشات اور وسوسوں میں مبتلا کر رہا تھا میں سوچنے لگا ضرور یہاں کوئی خطرہ ہے ڈر اور خوف کے مارے راستہ بدل کر مخالف سمت چلنے لگا۔

جب کافی دیر چلنے کے بعد بھی مجھے سڑک نہ دکھائی دی تو میں ٹھٹھک کر رک گیا کہیں میں بھٹک تو نہیں گیا یہ خیال ہی میرے لئے خوف ناک تھا۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہنے کے بعد آگے بڑھا تو ایک دوسرا راستہ دکھائی دیا یہاں سیب کے درختوں کی بہتات تھی چند سیب کھانے کے بعد میں وہاں سے چل پڑا کچھ دور جانے کے بعد دور سے ایک عمارت دکھائی دی یہ چاروں طرف سے درختوں میں گھری لال رنگ کی حویلی تھی حویلی کے دروازے پر کھڑے ہو کر میں کافی دیر تک دستک دیتا رہا آوازیں بھی لگائیں جوابی ردعمل نہ پا کر میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد دروازہ دھکیلا تو کھلتا چلا گیا احاطے میں خورد جھاڑ جھنکار کی بہتات تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ حویلی برسوں سے ویران ہو برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر عمارت میں داخل ہوتے ہی میرے اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔ حویلی کے در و دیوار جالوں اور گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ مجھے اس وادی میں پیدل چلتے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے مگر کہیں انسانی آبادی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

یہی بات مجھے خوف زدہ کر رہی تھی میں نے مزید وہاں رہنا مناسب نہیں سمجھا اور الٹے قدموں حویلی سے واپس باہر نکل آیا اس وقت میں گھنے درختوں کے جھنڈ سے گزر رہا تھا جب میری نگاہ ایک پچپن ساٹھ سالہ بزرگ شخص پر پڑی۔ نورانی چہرہ اور دودھ کی طرح سفید داڑھی ان کے پرکشش چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی وہ میری ہی طرف دیکھ رہے تھے اس وحشت زدہ وادی میں کسی انسان کو دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو یہاں کوئی تو انسان دکھائی دیا میں نے ان کے قریب پہنچ کر ادب سے سلام کیا اور پوچھا۔

”بابا یہ کون سی جگہ ہے اور پھر یہاں آپ کے علاوہ مجھے اب تک کوئی انسان بھی نہیں دکھائی دیا اور وہ لال رنگ کی حویلی بھی ویران پڑی ہے کیا یہاں کوئی انسانی بستی نہیں۔“ میں ایک ساتھ ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ بیٹھا۔

وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولے۔

”بس قریب ہی تو ہے آؤ تمہیں لے چلوں۔“ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ ہی دیر میں ہم ایک چشمہ تک جا پہنچے جو آبشار کی صورت میں پہاڑ کی بلندی سے بہتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔

دو لڑکیاں گھڑوں میں پانی بھر رہی تھیں۔ ”بابا مجھے تو شدت سے پیاس لگی ہے چلیں پانی پی لیں۔“ میں نے پیاس کی شدت سے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”میں یہیں ٹھہرتا ہوں تم پانی پی کر آ جاؤ۔“ انہوں نے کہا اور ایک چٹان نما پتھر پر بیٹھ گئے۔

لڑکیاں پانی بھرتے ہوئے ہماری ہی طرف دیکھ رہی تھیں میرے چشمے پر پہنچتے ہی لڑکیوں نے ہرنی کی طرح نگاہیں اٹھائیں اور مسکرا دیں۔ ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے دوسری سے سرگوشی میں کچھ کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی ان کی مسکراہٹ اور کھسر پھسر سے میں الجھن میں مبتلا ہونے لگا تھا، میں نے کھنکار کر انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی لڑکیوں نے دوبارہ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا ان میں سے ایک جو کم عمر اور شوخ و چنچل معلوم ہوتی تھی خفیف سے انداز میں مسکرائی۔

”جی فرمایئے۔“

"مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" میں نے اس اپسرائی حسن کی مالک کو ہی مخاطب کیا اس نے اس بار خفیف تبسم کے ساتھ سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"تو پی لیجیے ناں ہم نے روکا تھوڑی ہے۔"

"مگر کیسے؟" میں گڑبڑا سا گیا اس بار وہ لڑکی میری مشکل سمجھ گئی اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے چلو بنانے کا اشارہ کیا اور اپنے گھڑے کی طرف بڑھی اس کے گھڑے سے پانی پیتے ہوئے مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ چشمے کا پانی اتنا شیریں ہے یا گھڑے والی کے جادو اثر ہاتھوں کا کمال ہے مجھے پانی پلانے کے بعد لڑکی نے پوچھا۔

"آپ یہاں کے تو نہیں لگتے کسی کے گھر آئے ہیں؟"

"میرا نام بابر زمان ہے دارالحکومت کا رہائشی ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ حادثاتی طور پر اس وادی میں آ پہنچا ہوں مگر یہاں کی ویرانی اور سناٹا دیکھ کر گھبرا گیا۔ نہ کوئی انسان نہ ہی کوئی فرد بشر وہ تو شکر ہے کہ راستے میں وہ باباجی مل گئے۔"

میں نے مڑ کر چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کون باباجی.....؟" لڑکی نے مجھے حیرت سے دیکھا وہ چٹان نما پتھر جس پر کچھ دیر پہلے وہ باباجی بیٹھے تھے اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا بلکہ دور دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا ابھی تو وہ وہیں تھے یہاں آنے سے پہلے میں ان ہی سے باتیں کررہا تھا۔

دونوں لڑکیوں نے کچھ ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے انہیں میری ذہنی حالت پر شک سا ہونے لگا ہو۔

"بابو جی جب تم اس چٹان پر پہنچے تو اکیلے تھے اور اپنے آپ سے باتیں کررہے تھے۔" وہی لڑکی ایک بار پھر ہنستے ہوئے بولی۔

تو جیسے میں چکرا گیا۔ "یقین جانو کچھ دیر پہلے وہ وہیں تھے۔" میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"چلو صائمہ ہمیں یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے ویسے بھی لگتا ہے بابو جی تھکے ہوئے ہیں۔" دوسری نے کہا اور وہ اپنا گھڑا اٹھا کر وہاں سے چلتی بنیں۔

ان کے جانے کے بعد میں کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ میرے خیال میں شاید بابا رفع حاجت کے لئے گئے ہوں جب کچھ دیر تک وہ نہ آئے تو میں اسی راستے پر چل دیا۔ جس پر لڑکیاں گئی تھیں تین فٹ کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی کا اختتام کچی سڑک پر ہوا سامنے ہی چند دکانیں تھیں کچی سڑک پر بھی اکا دکا افراد چل رہے تھے مجھ سے چند قدم آگے ایک بوڑھا شخص لاٹھی ٹیکتا ہوا جارہا تھا کہ اچانک چلتے چلتے راستے میں بڑے بڑے سے پتھر سے ٹھوکر لگنے کے باعث گر گیا میں نے آگے بڑھ کر سہارا دے کر بوڑھے کو اٹھایا جیتے رہو بیٹا بوڑھے نے مجھے دعا دی اور لاٹھی کے سہارے آگے بڑھنا چاہا تو کراہ کر رہ گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر سہارا دیا لگتا ہے پاؤں میں موچ آگئی ہے چلئے میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں بوڑھا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میرے سہارے آگے بڑھنے لگا کچے مکانات پر مشتمل وہ بستی بازار سے زیادہ دور نہ تھی۔

بوڑھے کی دستک پر دروازہ کھلا تو جیسے چاند طلوع ہوگیا میں مبہوت سا اسے دیکھنے لگا خود اس اپسرا کی آنکھوں میں بھی حیرت تھی۔

"صائمہ بیٹا! انہیں اندر آنے کے لئے راستہ دو گی۔" بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ جھینپ کر ایک طرف ہوگئی میں بوڑھے کو سہارا دے کر صحن میں بچھی چارپائی تک لایا۔ بوڑھے کو چارپائی پر بیٹھا کر میں دروازے کی طرف پلٹا ہی تھا کہ اس نے آواز لگائی۔

"کہاں چل دیئے ادھر میرے پاس بیٹھو۔"

میں سعادت مندی سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

"بابا پاؤں میں کیا ہوا؟" صائمہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں تم اندر سے لقمانی مرہم لے آؤ..... ذرا سی موچ آئی اس سے آرام آجائے گا۔" صائمہ مرہم لائی اور حسب ہدایت بوڑھے کے پاؤں پر ملنے لگی۔

"تم پردیسی لگتے ہو کیا کسی کے گھر آئے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"بس یوں سمجھ لیں کہ بھٹک کر یہاں آپہنچا ہوں یا پھر شاید میری تقدیر مجھے یہاں لے آئی ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب۔" بوڑھے نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا صائمہ شرارتی لہجے میں بولی۔

"دراصل بابو جی تھوڑا سا کھسکے ہوئے ہیں۔" اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ باوجود ضبط کے مجھے ہنسی آگئی بوڑھے نے اسے خفگی سے گھورا۔

"مہمان سے مذاق نہیں کرتے اچھا جوان اب تم بتاؤ یہاں کیسے آئے؟" وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ صائمہ ان کے پاؤں پر مرہم مل چکی تھی میری روداد سننے کے دوران بوڑھے نے اسے چائے بنانے کو کہا مگر وہ میری سرگزشت سننے تک وہاں سے اٹھی نہیں۔

"جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے تم یہیں رہو۔" بوڑھے نے کچھ سوچ بچار کے بعد کہا۔

"جنگل کے قریب لال رنگ کی وہ ویران حویلی کس کی ہے ایسا لگتا ہے جیسے برسوں سے وہاں رہتا ہی کوئی نہیں؟" میں نے بالآخر بوڑھے سے اپنے ذہن میں مچلتا سوال پوچھ ہی لیا وہ میرا سوال سن کر افسردہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"بابر بیٹا میں بھی اسی حویلی کا ایک مکین تھا محمد لقمان اور پیشے کے لحاظ سے حکیم ہوں یہاں کے لوگ مجھے حکیم لقمان کے لقب سے پکارتے ہیں مراد نگر کے باسی اپنے آپ میں مگن رہنے والے محنتی اور جفاکش انسان تھے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے تھے۔ وہاں کی تقریباً تمام زمین وجائیداد سردار مراد خان کی ملکیت تھی جو ایک نیک دل اور خدا ترس انسان تھا اور ہر ایک کے دکھ سکھ میں کام آنا اپنا فرض سمجھتا تھا اسی وجہ سے لوگ اسے چاہنے لگے تھے شاید اسی چاہت کا اثر تھا کہ وہاں کے لوگوں نے صدیوں پرانی وادی ساغری کا نام تبدیل کرکے مراد نگر رکھ لیا تھا۔

مراد خان نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی زمین وجائیداد اپنے دونوں بیٹوں کمال خان اور جلال خان میں منصفانہ طریقے سے تقسیم کردی۔

بڑا بیٹا کمال خان عادت واطوار میں مراد خان کی طرح تھا جب کہ جلال خان اس کے برعکس لاپرواہ اور بدمزاج تھا اسے آباؤ اجداد کی زمین وجائیداد سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا باپ کے مرتے ہی جلال خان نے اپنے حصے کی زمین وجائیداد کو فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اسی سلسلے میں مراد نگر کے ایک پیسے والے زمین دار اکبر سے سودے بازی بھی کی۔

پہلے تو کمال خان نے بھائی کو بہت سمجھایا کہ زمین مت بیچو مگر وہ نہیں مانا اس کا کہنا تھا کہ وہ باپ دادا کی طرح اس پسماندہ وادی میں اپنی زندگی نہیں برباد کرنا چاہتا۔ جب جلال خان اپنے ارادے سے باز نہیں آیا تو کمال خان نے دارا اکبر کی لگائی ہوئی قیمت سے زائد رقم ادا کرکے بھائی سے زمین خرید لی۔ جلال خان مراد نگر سے چلا گیا پھر سننے میں آیا کہ وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے اس دوران کمال خان کی شادی ہوگئی اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی برسوں بعد جلال خان اچانک واپس لوٹ آیا زمین جائیداد فروخت کرنے کے بعد وہ مختلف ممالک میں گھومتا ہوا افریقہ جا نکلا تھا وہیں شادی کی اور وہیں رہنے لگا۔

وہ برسوں بعد بھائی سے ملنے آیا تھا اور بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا سوٹ بوٹ میں ملبوس لاکھوں ڈالرز بھائی کو دکھاتے ہوئے وہ بڑا اترا رہا تھا اس نے کمال خان سے بھی کہا کہ اس ملک میں کیا رکھا ہے وہ اس کے ساتھ چلے پھر دیکھے اس کی زندگی کیسے بدلتی ہے کمال خان کو اس کی یہ بات بہت بری لگی مگر بھائی کے سامنے خاموش رہا اس کی اولاد جوان ہو چکی تھی بھتیجوں نے برا مناتے ہوئے جلال خان کو ٹوک دیا۔

جلال خان نہ جانے کس مقصد سے آیا تھا کمال خان اسے اپنے ساتھ ہی ٹھہرانے کو بضد تھا مگر جلال خان نے جنگل کے قریب واقع اپنی آبائی لال حویلی میں رہنے کی خواہش ظاہر کی کمال خان کو بھلا کیا اعتراض تھا

اور پھر جلال خان چند دنوں کے لئے ہی تو آیا تھا۔

پرسکون مراد نگر میں تہلکہ اس روز مچا جب ایک غریب کسان کی جواں سالہ بیٹی اچانک گھر سے غائب ہوگئی دوسرے روز لڑکی کی لاش اس حالت میں جنگل سے ملی کہ صرف دھڑ تھا سر غائب تھا اور دھڑ بھی اس حالت میں تھا کہ جگہ جگہ سے جیسے جنگلی درندوں نے گوشت نوچ کھایا ہو اس سے پہلے مراد نگر میں کبھی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

اگلے چند روز بعد مراد نگر سے ایک دوسری لڑکی غائب ہوگئی دوسرے روز اس کی لاش بھی اسی حالت میں جنگل سے ملی مراد نگر کی عورتوں نے ڈر کے مارے گھروں سے نکلنا بند کردیا سردار کمال خان کے حکم پر اس کے کارندے رات تو رات دن کو بھی پہرہ دینے لگے کہ مراد نگر کے جنگل میں ایسا کون سا درندہ آ گیا ہے اور پھر لڑکیوں کا سر دھڑ سے الگ کرنے کی بھلا کسی درندے کو کیا ضرورت تھی۔ اور پھر ایک روز ایک غریب کسان کی بیٹی پانی بھرنے چشمے پر گئی اور غائب ہوگئی مگر اس بار اس درندے کی بدقسمتی کہ ایک چرواہا ٹھیک اسی وقت اس جگہ بکریاں چرا رہا تھا جب وہ درندہ لڑکی کو کاندھے پر اٹھائے لال حویلی میں داخل ہو رہا تھا۔

یہ درندہ کوئی اور نہیں بلکہ جلال خان تھا چرواہے نے بھاگ کر گاؤں والوں کو اطلاع دی۔ جو لال حویلی پر چڑھ دوڑے خود کمال خان بھی خبر ملتے ہی لال حویلی کی طرف روانہ ہوگیا۔

جلال خان نے حویلی کے گرد مراد نگر کے باسیوں کا گھیراؤ دیکھ کر حویلی کے دروازے اندر سے بند کردیئے لوگ غصے سے پاگل ہو رہے تھے حویلی کا دروازہ توڑ کر جلال خان کو پکڑ لیا گیا مگر وہ شیطان لڑکی کو ہوس کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا لڑکی کی زندگی تو گاؤں والوں کی مداخلت سے بچ گئی مگر بعد میں لڑکی نے خودکشی کرلی۔

سردار کمال خان نے پنچائت میں بھائی کو موت کی سزا سنادی اس روز اسے ایک کمرے میں بند کردیا گیا کہ صبح اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے گا نصف شب کے قریب جلال خان نجانے کیسے بھاگ نکلا۔ مکان کے گرد پہرہ دینے والے دونوں پہرے داروں کے سینوں میں خنجر پیوست تھے۔

جلال خان کی بدقسمتی کہ جب وہ پہرہ داروں کو قتل کر کے بھاگنے لگا مراد نگر کا ایک باسی اپنے کھیتوں کو پانی لگانے نکلا اور اسے دیکھ کر شور مچادیا اس کے شور پر ارد گرد کے گھروں کے لوگ گھروں سے نکل آئے اور جلال خان کو گھیرے میں لے لیا اس بار سردار کمال خان کے پہنچنے سے پہلے مراد نگر کے باسی غصے اور اشتعال میں جلال خان کو لاتوں گھونسوں لاٹھیوں سے موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ جلال خان کی لاش کو خود سردار کمال خان نے دفنایا کہ وہ جیسا بھی تھا اس کا بھائی تھا یہ اور بات ہے کہ جلال خان کے جنازے میں مراد نگر کے کسی باسی نے شرکت نہ کی۔

"پانچ سال گزر گئے ان دنوں کمال خان کے بڑے بیٹے کی شادی خاندان میں طے تھی وہ بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتا تھا۔"

حکیم لقمان جیسے ماضی میں کھو چکا تھا میں دم بخود یہ خوف ناک اور حیرت انگیز روداد سنا رہا تھا۔

"بیٹے کی شادی سے ایک روز پہلے کمال خان اور اس کی بیوی رضوانہ نصف شب کے قریب گہری نیند سو رہے تھے کہ اچانک کمال خان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اسے ایسا لگا تھا کہ جیسے کسی نے اس کے سر کے بال زور سے کھینچے ہوں۔ کون ہوسکتا ہے اس نے بیڈ روم کی لائٹ آن کر کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کمرے میں کھڑکیاں دروازے اندر سے مقفل تھے رضوانہ اس کے قریب ہی گہری نیند میں تھی، کمال خان اس نے اٹھ کر بیڈ کے نیچے تک جھانکا مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ تبھی اس کی نگاہ بیڈ روم کی دائیں دیوار پر پڑی اور وہ خوف سے لرز اٹھا دیوار پر انسانی خون سے لکھا تھا۔

کمال میں مراد نگر کے باسیوں اور تم سے اپنی موت کا انتقام لینے دنیا میں واپس لوٹ آیا ہوں اب تم سمیت تمہارے خاندان کا کوئی فرد نہیں بچے گا۔ حویلی میں کبھی شہنائیاں نہیں گونجیں گی فقط جلال خان۔"

"کیا ہوا آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں۔" رضوانہ آنکھ کھلتے ہی اس پر استفسار کر رہی تھی۔ تب ہی اس کی نگاہ دیوار پر لکھی خون آلود تحریر پر پڑی تو وہ بھی کمال خان کی طرح خوف زدہ ہوگئی۔

اسی وقت حویلی خوف ناک قسم کی چیخ و پکار سے گونج اٹھی ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہزاروں بدروحیں مل کر چیخ رہی ہوں اس رات ان دنوں میاں بیوی سمیت حویلی میں کوئی بھی سو نہ سکا مگر کمرے سے باہر نکلنے کی ہمت میں کسی میں نہ تھی۔ گھنٹے بعد پھر چیخ و پکار رک چکی تھی مگر اس کے باوجود رات بھر نہ کوئی سو سکا اور نہ کمرے سے باہر نکلا۔

صبح سب اپنے اپنے کمروں سے باہر نکلے۔ ہر ایک ڈرا سہما ہوا تھا گھر کے سبھی لوگ ناشتے کی میز پر آ چکے تھے مگر کمال خان کا بڑا بیٹا جس کی اگلے روز شادی تھی اب تک اپنے کمرے میں تھا کمال خان نے اسے جگانے کا حکم دیا ملازم کافی دیر تک اس کے کمرے میں دستک دیتا رہا جب علی نے دروازہ نہ کھولا تو ملازم نے کمال خان کو اطلاع دی کمرے کا دروازہ توڑ دیا گیا علی اپنے کمرے میں موجود نہ تھا یہ حیرت انگیز بات تھی کہ کمرے کا دروازہ اندر سے لاک ہونے کے باوجود علی کمرے سے کیسے غائب ہوا۔

دوسرے روز علی کی سر بریدہ لاش جنگل سے اس حالت میں ملی کہ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں اس کے جسم کا گوشت جنگلی درندوں نے نوچ نوچ کر کھایا تھا صرف ہڈیاں بچی تھیں چند دنوں بعد حویلی پھر نصف شب کے قریب خوف ناک چیخ و پکار سے گونجنے لگی اس بار خود سردار کمال خان اور اس کی بیوی اپنے کمرے سے غائب تھے۔

دوسرے روز ان کی بھی سر بریدہ لاش بلکہ ڈھانچے جنگل سے ملے سردار کمال خان کا چھوٹا بیٹا عالیان بہادر اور جذباتی نوجوان تھا بھائی اور پھر ماں باپ کی دردناک موت نے اسے غم و غصے میں پاگل سا کردیا۔ وہ انجام سے بے پرواہ رائفل سے مسلح ہو کر جنگلوں کے اس حصے میں چل دیا جہاں لال حویلی واقع تھی میں نے اور دوسرے لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی آتشیں اسلحہ روحوں پر اثر نہیں کرتا مگر اس نے ہماری بات نہ مانی۔

دوسرے روز اس کی سر بریدہ لاش لال حویلی کے قریب جنگل سے ملی پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا کسی نہ کسی روز گاؤں کا کوئی نہ کوئی فرد جلال خان کی روح کے انتقام کا شکار ہونے لگا۔ مراد نگر میں خوف و ہراس پھیل گیا ان ہی دنوں ایک نورانی صورت بزرگ مراد نگر میں آئے اور گاؤں میں ہر ایک کو خوف زدہ دیکھ کر تعجب میں مبتلا ہوگئے تب ان کے استفسار پر مراد نگر کے باسیوں نے انہیں جلال خان کی روح کے ظلم و ستم کی داستان سنائی۔

وہ اسی وقت چند افراد کے ہمراہ لال حویلی جا پہنچے ان چند افراد میں، میں بھی تھا ہمارے گرد حصار کھینچ کر ہمیں تاکید کی کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی بھی صورت حصار سے باہر نہیں آئے گا خود وہ حویلی کے احاطے کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور قرآنی آیات کا ورد کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد ان سے کچھ فاصلے پر ایک ہیولہ سا نمودار ہوا جس نے جلال خان کا روپ دھار لیا۔ بے شک وہ جلال خان ہی تھا جوان بزرگ اور ہمیں قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا پھر بزرگ نے گرجدار لہجے میں کہا۔

"خدا کی مخلوق کو ایذا پہنچانا گناہ ہے۔ اور تم تو کئی بے گناہ انسانوں کے قاتل ہو کیوں کر رہے ہو یہ سب کچھ؟"

جلال خان نے غضب ناک نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مراد نگر کے باسی میری موت کے ذمہ دار ہیں میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

بزرگ نے غصے سے کہا۔ "اس کے ذمہ دار بھی تم خود تھے نہ تم بے گناہ لڑکیوں کو قتل کرتے نہ تمہارا یہ انجام ہوتا۔"

وہ غصے سے چیخا۔ "خاموش رہ بڈھے ورنہ میرے انتقام کی زد میں تو بھی آجائے گا۔" کچھ دیر ان دونوں میں تلخ و تند جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

جلال خان کی روح کسی بھی صورت نہیں مان رہی تھی تب ان بزرگ نے کچھ پڑھ کر جلال خان کی روح کی طرف پھونکا تو وہ شدت کرب سے چیختے چلانے لگا یوں لگتا تھا کہ وہ سخت اذیت میں ہو۔

"مجھے معاف کردو۔" وہ چیختے ہوئے بزرگ سے معافی مانگنے لگا۔

تب انہوں نے کہا۔ "صرف اس شرط پر کہ آئندہ تم مرادنگر کے باسیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گے۔"

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔؟" جلال خان کی روح نے شدت کرب سے چیختے ہوئے کہا، تب بزرگ نے دوبارہ کچھ پڑھ کر جلال خان پر پھونکا تو اسے اذیت سے چھٹکارا مل گیا وہ بزرگ سے یہ وعدہ کرکے وہاں سے غائب ہوگیا کہ آئندہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔" اس کے جانے کے بعد بزرگ نے مرادنگر کے باسیوں سے رخصت چاہی اور جاتے جاتے کہا۔

"جلال خان نے دوبارہ کسی کو نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ کرلیا ہے پھر بھی میں نے احتیاطاً مرادنگر کے گرد حصار باندھ دیا ہے اب جلال خان کی روح دوبارہ مرادنگر کے گرد بھی نہ بھٹک سکے گی۔"

سال بھر سکون سے گزرا ہم سمجھے کہ واقعی جلال خان کی روح سے ہمارا پیچھا چھوٹ گیا مگر یہ ہماری خام خیالی تھی سال بھر بعد مرادنگر سے گاؤں کی ایک لڑکی اچانک غائب ہوگئی اور دوسرے روز اس کی سر بریدہ برہنہ لاش لال حویلی کے سامنے سے ملی پھر ہفتہ پندرہ دن بعد گاؤں کی کوئی نہ کوئی لڑکی اچانک غائب ہوجاتی اور دوسرے روز اس کی لاش جنگل سے ملتی۔

سردار کمال کی موت کے بعد مرادنگر کے باسیوں کو اگر دارا اکبر سہارا نہ دیتا تو نہ جانے ہم سب کا کیا ہوتا ہم نے اس روح کو انجام تک پہنچانے کے لئے کئی عامل بلالئے مگر سب اس کے مقابلے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سلسلے میں اس بزرگ کو بھی تلاش کیا مگر وہ کہیں بھی نہ ملے۔"

حکیم لقمان بولتے بولتے خاموش ہوگئے۔

میں نے پوچھا۔ "جس دارا اکبر کا آپ نے ذکر کیا ہے انہوں نے اس سلسلے میں آپ لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی۔"

"بیٹا وہ بے چارہ تو خود معذور ہے پچھلے برس ایک حادثے میں وہ بینائی سے محروم ہوگیا تھا اندھا ہونے کے باوجود اس نے مرادنگر کے باسیوں کی ہر ممکن مدد کی۔"

"کیا دارا اکبر کی کوئی اولاد نہیں جو اس کا سہارا بن سکے۔" میں نے پوچھا۔

"اس کا ایک ہی بیٹا ہے جو شہر میں پڑھ رہا ہے۔" حکیم لقمان نے جواب دیا۔

"اور سردار کمال کی تو پوری فیملی کو جلال خان کی روح نے مار دیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں اس کی صرف ایک بیٹی بچی تھی صائمہ جو کہ اب میرے ساتھ میری بیٹی بن کر رہتی ہے۔" انہوں نے کمرے سے باہر نکلتی صائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے جب کہ میں اس دوران ادھر ادھر کام میں مصروف صائمہ کی طرف چور نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

رات کا کھانا کھا کر میں جیسے ہی بستر پر لیٹا نیند آ گئی صبح آنکھ کھلی تو حکیم لقمان گھر پر نہیں تھے۔

"حکیم صاحب کہاں گئے ہیں۔" صائمہ جیسے ہی ناشتہ لائی تو میں نے پوچھا۔

"کیوں ایک ہی دن میں بابا سے بہت دل لگ گیا ہے۔" صائمہ ہنستے ہوئے بولی۔

"دراصل وہ حویلی گئے ہیں دارا اکبر سے ملنے۔"

میں ناشتہ کرنے لگا جبکہ وہ ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی وہ کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی۔

"بابو جی کیا تمہاری شادی ہوگئی۔" باتیں کرتے کرتے اسنے اچانک پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں.....؟"

"دراصل میرے خوابوں خیالوں میں جو لڑکی ہے وہ پہلے مجھے نظر نہیں آئی، اب ملی ہے تو اس سے حال دل کہنے کی ہمت نہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو کہہ دو نہ کہنے میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔ پڑھے لکھے ہو خوبرو ہو۔" وہ کہتے کہتے رکی۔

پتہ نہیں میری بات سمجھ بھی رہی تھی یا جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔ "چلو تم کہتی ہو تو کہہ دیتا ہوں صائمہ وہ لڑکی تم ہو؟" اتنا سنتے ہی وہ بے اختیار اٹھی اور کمرے سے نکل گئی میں بھی اس کے پیچھے باہر چلا گیا۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" وہ خفیف سے انداز میں مسکرائی اور مجھے بدتمیز کا خطاب دے ڈالا۔ میں نے اس کے مزید قریب ہوتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"لڑکی بدتمیز کا خطاب اسے ہی دیتی ہے جسے پسند کرتی ہے۔"

اس سے پہلے کہ میں مزید کسی جسارت کے بارے میں سوچتا حکیم صاحب گھر میں داخل ہوئے۔

"لگتا ہے تم دیر سے جاگے ہو اور صبح نماز بھی نہیں پڑھی۔"

"جی تھکن کی وجہ سے دیر سے آنکھ کھلی اور فجر کی نماز قضا ہوگئی۔" میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"میں دارا اکبر کی حویلی گیا تھا باتوں باتوں میں تمہارا بھی ذکر کیا وہ بڑے اچھے انسان ہیں کہنے لگے اس نوجوان سے مجھے بھی ملوانا ہوسکتا ہے میں اس کے کسی کام آسکوں ویسے بھی دارا صاحب بہت اثر و رسوخ والے ہیں کبھی جانا ہوا تو تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اثبات میں گردن ہلادی۔

دو تین روز بعد حکیم صاحب نے حویلی جاتے وقت مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تو میں انکار نہ کرسکا اور میں پھر ویسے بھی گھر میں پڑے پڑے بور ہو رہا تھا سوچا چلو اسی بہانے حویلی بھی دیکھ لوں گا اور ٹائم بھی پاس ہوجائے گا دارا اکبر کی حویلی واقعی شاندار تھی پھاٹک نما گیٹ کے باہر دو مسلح پہرے دار وجود تھے احاطے میں موجود ملازم میں ڈرائنگ روم تک لے گیا ابھی ہمیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک ملازم وہیل چیئر دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا وہیل چیئر پر دارا اکبر موجود تھا وہ پچاس پچپن سالہ صحت مند شخص تھا۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں والے چشمے اور جسم پر سیاہ رنگ کی شال موجود تھی معذوری کے باوجود وہ پرکشش شخصیت کا حامل تھا۔

"مجھے حکیم لقمان نے تمہارے بارے میں بتایا تھا اگر واقعی تم بے گناہ ہو تو میں اپنے بیٹے سے بات کروں گا اس کا ایک دوست دارالحکومت میں پولیس آفیسر ہے۔" دارا اکبر نے میری روداد سننے کے بعد کہا۔

"شکریہ دراصل میں چاہتا ہوں اپنی بے گناہ ثابت کرنے کے بعد ہی منظر عام پر آؤں ورنہ مجھے قتل کے الزام میں دھر لیا جائے گا۔ کہ فی الحال تمام ثبوت و شواہد میرے خلاف ہیں۔" میں نے رسان سے جواب دیا گفتگو کے دوران ملازم چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ چائے پیتے ہوئے میں اپنے ذہن میں مچلتے ہوئے سوال کو بالآخر لبوں پر لے آیا۔

"دارا صاحب کیا آپ نے اپنے علاج کے لئے کوشش نہیں کی آج کل تو میڈیکل سائنس نے کافی ترقی کرلی ہے اور پھر آپ کے وسائل بھی ہیں آپ علاج کے سلسلے میں بیرون ملک بھی جاسکتے ہیں۔" اس کے لبوں پر ایک اداس مسکراہٹ ابھر آئی۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں نے کوشش نہیں کی میں پیدائشی معذور نہیں ایک کام کے سلسلے میں دارالحکومت جانا پڑا واپسی میں میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اسی حادثے میں میری آنکھوں کی بینائی بھی چلی گئی اور ٹخلا دھڑ مفلوج ہوگیا جب ملک کے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو میں نے بھی یہی سوچا جو تم کہہ رہے ہو علاج کے سلسلے میں بیرون ملک گیا وہاں بھی مختلف ٹیسٹوں کے بعد ڈاکٹروں نے یہی کہا کہ اب مجھے اپنی زندگی اسی طرح بسر کرنا پڑے گی۔" کچھ دیر دارا اکبر سے گفتگو کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوگئے میرے شب و روز وہیں گزرنے لگے تنہائی میسر ہونے پر میں اور صائمہ ایک دوسرے سے دل کی باتیں بھی کرتے مگر ان ملاقاتوں میں فاصلہ ہوتا۔

اس روز میں مرادنگر کے بازار میں ٹہلتے ہوئے کافی آگے نکل گیا کہ کچی سڑک پر سے گزرتے ہوئے

میری نگاہ نورانی چہرے والے اس بابا پر پڑی جن سے مراد نگر کے جنگل میں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر وہ مجھے چشمے تک پہنچا کر اچانک کہیں چلے گئے تھے وہ سڑک کنارے کھڑے نجانے کس خیالوں میں گم تھے۔

"باباجی آپ اس روز اچانک کہاں چلے گئے تھے۔" میں ان کے قریب آ کر بولا۔

"ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا تم اب تک اسی گاؤں میں ہو۔" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں میں حکیم لقمان کے گھر ہوں وہ اور ان کی بیٹی دونوں ہی مخلص انسان ہیں۔ بابا کیا آپ یہیں رہتے ہیں آپ نے اپنے بارے میں بتایا ہی نہیں؟" میں نے پوچھا اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتے ایک پجارو کچی سڑک پر گرد اڑاتی ہوئی ہمارے قریب سے گزری کچھ آگے جا کر بیک ہوئی اور ہمارے قریب رک گئی پجارو کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا وہ وکی تھا وہی وکی جو اس معصوم لڑکی کی موت کا ذمہ دار تھا وہ پجارو سے اترا اور میرے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ تو تم یہاں میرے ہی علاقے میں قانون سے چھپ کر بیٹھے ہو۔" وہ زیر خند لہجے میں مجھ سے مخاطب تھا اس نے میرے قریب کھڑے باباجی کو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا کہ گویا ان کا وجود ہی نہ ہو۔ اس کے انداز تخاطب پر میرا خون کھول اٹھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو قانون کی نظروں میں دھول جھونک کر بچ نکلو گے۔"

"ڈرو اس اس وقت سے جب میدان حشر میں اس مظلوم لڑکی کا ہاتھ تمہارے گریبان پر ہو گا۔"

وکی استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "بے وقوف قیامت دور ہے ابھی تم اپنی فکر کرو تمہارا کیا بنے گا پورے شہر کی پولیس تمہاری تلاش میں ہے جب پولیس کو پتہ چلے گا کہ تم شہر سے دور مراد نگر میں ہو تو وہ یہاں کا رخ کریں گے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کی غرض سے بتا دوں تمہیں قتل کے الزام میں پھنسانا میری پلاننگ تھی وہ بوڑھا جو تمہیں لفٹ کے بہانے اس مکان میں دھوکے سے لے گیا میرا دوست سرفراز تھا جو بوڑھے کے میک اپ میں تھا تم جب کمرے میں داخل ہوئے میں دروازے کی آڑ میں پہلے ہی چھپا بیٹھا تھا۔

جیسے ہی تم اندر داخل ہوئے میں نے تمہارے سر کے عقبی حصے میں پسٹل کے دستے کا وار کیا اور تم بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ مقتولہ لڑکی تحریم اسے میں نے ہی قتل کیا تھا اس سے میرے تعلقات تھے اور وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی تحریم نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس سے شادی نہ کی تو وہ سب کو اس بارے میں بتا دے گی تب میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچا اسے دھوکے سے اس گھر میں بلوا کر کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش کیا جب تم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دوسرے کمرے میں بے ہوش پڑی تھی تمہیں بے ہوش کرنے کے بعد میں بے ہوش تحریم کو اٹھا کر اس کمرے میں لایا۔ جس میں تم بے ہوش پڑے تھے اور تحریم کو قتل کرنے کے بعد میں وہاں سے نکل گیا۔ اور گمنام فون کال سے پولیس کو اطلاع دی مگر تم وہاں سے بھاگ نکلے، خیر تم کب تک چھپو گے آخر پھانسی کا پھندا تمہارا مقدر ہو گا تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ آج بلکہ ابھی مراد نگر سے بھاگ جاؤ۔" وہ تنبیہ کے انداز میں کہتا ہوا پجارو میں سوار ہوا اور تیز رفتاری سے وہاں سے روانہ ہو گیا مجھے وکی کے رویے سے زیادہ بابا پر حیرت تھی کہ وہ اتنی دیر مجھے ڈراتا دھمکاتا رہا مگر وہ خاموش کھڑے دیکھتے رہے کیوں اس سے پہلے کہ میں بابا سے اس بارے میں استفسار کرتا۔

ایک طرف سے شور شرابے کی آواز سنائی دی۔ یہ حکیم لقمان سمت درجنوں افراد تھے جو ہاتھوں میں لاٹھیاں اٹھائے اسی طرف آ رہے تھے۔

"بابا آئیں دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے۔" میں ان سے مخاطب ہو کر دوڑتا ہوا حکیم صاحب کے پاس جا پہنچا۔

"آپ لوگ اس طرف بھاگتے ہوئے کہاں جا رہے ہیں؟" حکیم صاحب نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"دینو کاکا کی بیٹی شمینہ ماں کے ساتھ پانی بھرنے چشمے پر گئی تھی کہ اچانک وہاں جلال خان کی روح آ پہنچی

شمینہ کی ماں کا کہنا ہے کہ روح کے آتے ہی وہاں عجیب سی دھند چھا گئی ایسی دھند کہ اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا پھر جب دھند چھٹی تو شمینہ غائب تھی وہاں صرف جلال خان کی روح کھڑی اسے غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی شمینہ کی ماں چیختی ہوئی بھاگ کر گھر چلی گئی اب ہم شمینہ کی تلاش میں چشمے تک جا رہے ہیں۔ مگر تم اکیلے یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں اکیلا کہاں تھا میں تو ان باباجی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو بابا کو نہ پا کر سٹپٹا گیا۔ "کہاں ہیں بابا؟" حکیم صاحب نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔ شاید چلے گئے۔ میں نے جواب دیا۔

ہم نے چشمے اور مراد نگر کا تمام علاقہ چھان مارا مگر نہ ہی شمینہ ملی اور نہ جلال خان کی روح سے سامنا ہوا سب مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے سچ تو یہ ہے کہ مجھے بھوت پریت چڑیلوں یا ماورائی قوتوں کا یقین نہ تھا میرے انداز سے میں لڑکیوں کے اغوا اور قتل میں جلال خان کی روح کا ہاتھ نہیں یہ کوئی اور ہی چکر تھا۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے میں جنگل جانا چاہتا تھا۔

شام سے ذرا پہلے میں حکیم صاحب اور صائمہ سے بازار جانے کا کہہ کر نکلا میرا ارادہ لال حویلی جانے کا تھا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی وہاں جلال خان کی روح ہے یا پھر یہ کوئی افسانہ ہے۔ لال حویلی پہنچنے تک مغرب ہو چکی تھی میں دھڑکتے دل سے حویلی کے گیٹ سے احاطے میں داخل ہوا۔ برسوں سے ویران حویلی کے احاطے میں خودرو جھاڑ جھنکار کی بہتات تھی آگے بڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ میں جیسے ہی عمارت میں داخل ہوا کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور میں گرتے گرتے اور جب غور کیا تو وہ انسانی کھوپڑی تھی مجھے حقیقت میں اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

"کیا واقعی میرا سامنا بدروح سے ہونے والا ہے۔" میں یہ سوچتا ہوا دھڑکتے دل سے آگے بڑھ رہا تھا۔ راستے میں مزید انسانی کھوپڑیاں دکھائی دیں تو میرا خوف بڑھ گیا۔

میں جیسے ہی حویلی کے ہال میں داخل ہوا سیاہ لبادے میں ملبوس اچانک ہی ایک خوفناک صورت شخص میرے سامنے آ گیا کالا سیاہ رنگ اور پورا چہرہ زخموں سے بھرا ہوا تھا دائیں آنکھ کا گڑھا اسے مزید خوف ناک بنا رہا تھا میں دور جدید کا پڑھا لکھا نوجوان تھا جو بھوت پریت پر بدروحوں پر یقین نہیں رکھتا تھا مگر اس وقت اس خوف ناک صورت شخص کو سامنے دیکھ کر میں ڈرا اور خوف سے کپکپانے لگا تھا۔

"کک کون ہو تم؟" میں نے بمشکل کپکپاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

جلال خان گرج دار آواز حویلی کے در و دیوار سے گونج رہی تھی۔ برسوں سے اس حویلی میں کسی نے قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی میں تمہیں تمہاری حماقت کی ایسی سزا دوں گا کہ جو تم مرنے کے بعد بھی نہیں بھولو گے۔

بھاگو یا بر میں نے دل ہی دل میں سوچا اس سے پہلے کہ میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو جنبش دی چاروں طرف عجیب سی دھند چھا گئی ایسی دھند کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا ایسے میں مجھے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑتے محسوس ہوئے اور جسم میں کچھ عجیب سی تبدیلی کا احساس ہوا کچھ دیر بعد دھند چھٹی تو وہ میرے سامنے ہی کھڑا تھا مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جلال خان کسی جن یا دیو کی مانند دیو ہیکل دکھائی دے رہا تھا جب کہ میرا قد بمشکل اس کے جوتوں کے برابر تھا۔

اس بدروح کا جسم اس قدر لمبا چوڑا کیوں ہو گیا یہ سوچتے ہوئے میں نے اپنا جائزہ لیا تو ششدر رہ گیا میں پانچ چھ انچ کا بونا بن چکا تھا میں بوکھلا کر ٹٹول ٹٹول کر اپنا جائزہ لے رہا تھا جلال خان کا قہقہہ ایک بار پھر گونجا۔

"اب تم حقیر سے بونے ہو۔ حویلی سے باہر نکلنے کا سوچنا بھی مت راستے میں جنگل ہے کوئی بھی کتا بلا یا آسانی تمہیں ایک نوالہ بنا کر کھا جائے گا۔" جلال خان اتنا کہتے ہی حویلی سے باہر جانے والے راستے پر چل دیا۔

خود اپنی اس حالت پر میرا ذہن چکرا گیا تھا مجھے جنگل میں پہلی بار داخل ہوتے وقت اس بونے سے پہلی ملاقات یاد آرہی تھی جس نے اس وقت مجھے آگے بڑھنے سے منع کیا تھا کیا اسے بھی جلال خان نے بونا بنایا تھا کیا جلال خان مرنے کے بعد اتنا شکتی شالی بن چکا ہے کہ کسی چھ فٹ کے قد آور جوان کو محض چار پانچ انچ کا بونا بنادے۔ کیا جلال خان جادو جانتا ہے۔ ایسے ہی ان گنت سوالات میرے ذہن میں گونج رہے تھے میں یہاں اغوا ہونے والی لڑکی ثمینہ کی تلاش میں آیا تھا مگر اب مجھے اپنی ہی جان کے لالے پڑ چکے تھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کروں نہ جانے میں کتنی دیر اسی طرح ایک جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر حویلی سے باہر جانے کا سوچا یہ میرے لئے بہت مشکل ثابت ہوا اس کا اندازہ مجھے لال حویلی کے ہال سے باہر نکلتے ہوئے ہوا۔

سورج ڈوب چکا تھا چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا اور پھر حویلی سے باہر نکلنے کے لئے مجھے حویلی کی سیڑھیوں سے اترنا تھا جو اس پانچ انچ کے قد و قامت کے ساتھ انتہائی مشکل کام تھا اور پھر رات کے اندھیرے میں سفر میری زندگی کا آخری سفر بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ جیسے جیسے رات ڈھلتی جارہی تھی جنگلی درندے اپنی اپنی بولیوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے کبھی کبھی شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دیتی تو میں خوف و دہشت سے لرز جاتا۔

آخر دل کڑا کر کے مجھے دوبارہ لال حویلی کے ہال میں جانا پڑا میں ہال کے سامنے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں ایک پرانا سا بیڈ بھی موجود تھا۔ مگر بیڈ پر چڑھنا میرے لئے ناممکن تھا ایک طرف میز اور کرسیاں بھی موجود تھیں مگر یہ بھی میرے قد سے کئی گناہ اونچی تھیں ادھر میرا ننھا سا وجود سردی کی شدت سے کپکپا رہا تھا۔

بالآخر مجھے اپنی مشکل کا حل نظر آ ہی گیا یہ چمڑے کے جوتوں کا ایک جوڑا تھا جو کمرے کے ایک کونے میں پڑا تھا میں ایک جوتے میں داخل ہوا اور پاؤں پسار کر بیٹھ گیا چمڑے کا جوتا واقعی گرم تھا مجھے اپنے ان حالات پر رونے کے ساتھ ساتھ ہنسی بھی آرہی تھی کہ میں اس وقت ایک جوتے میں محو آراست تھا میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ میرے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

رات بیتی جارہی تھی نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب میں سو گیا آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا ہر سو پھیل چکا تھا میں انگڑائی لیتا ہوا اٹھا اور جوتے سے باہر آ گیا احاطے کی سیڑھیاں میں نے خاصی دقت سے لنگ لنگ کر اتریں۔

حویلی سے باہر نکلتے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ اس ننھے منے وجود کے ساتھ جنگل کے اس حصے سے مراد نگر پہنچنے میں مجھے دو تین دن تو لگ ہی سکتے ہیں وہ بھی اگر میں بچ گیا تو چلتے چلتے اگر میرے راستے میں دو تین فٹ کا گڑھا بھی آجاتا تو مجھے خندق سے کم نہ لگتا مجبوراً راستہ بدل کر ایک طویل چکر کاٹ کر آگے جانا پڑتا۔ چلتے چلتے میرے پاؤں شل ہونے لگے تو میں آرام کی غرض سے ایک جگہ پاؤں پسار کر بیٹھ گیا مجھے وہاں بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ قریب ہی کہیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی یہ آواز اس ننھے منے وجود کے ساتھ میرے لئے بم بلاسٹ سے کم نہ تھی۔ لیکن اتنا اندازہ تو میں لگا ہی چکا تھا کہ قریب ہی کہیں انسان موجود ہیں جو ہوسکتا ہے شکاری ہوں آواز کی سمت چلا تو کچھ فاصلے پر کھڑی بڑے ٹائروں والی جیپ بھی نظر آ ہی گئی جیپ کے نہ تو کوئی اندر تھا اور نہ ہی کوئی ارد گرد نظر آرہا تھا کہ جس سے میں مدد طلب کرتا اور پھر جیپ پر چڑھنا بھی میرے لئے آسان نہ تھا دو تین بار تو پنجوں کے بل اچھل کر چڑھنے کی کوشش کی مگر میری یہ کوشش ناکام رہی قریب تھا کہ میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا کہ میری نگاہ کچھ فاصلے پر پڑے چھوٹے چھوٹے پتھروں پر پڑی پتھروں کو میں لڑھکا لڑھکا کر جیپ کے قریب لایا اور بڑی مشکل سے اپنے قد کے برابر چبوترا بنایا اور پھر چبوترے پر چڑھ کر اچھلا تو جیپ پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا اور پھر اطمینان سے بیٹھ گیا میرا ارادہ تھا کہ جیپ سوار افراد کے آنے پر انہیں اپنی روداد سنا کر مدد طلب کروں گا کافی دیر بعد کتے کے بھونکنے اور چند افراد کی

باتوں کی آواز سنائی دی ان میں سے ایک کی آواز تو میں بخوبی پہچان سکتا تھا۔

یہ وکی تھا جو جیپ کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جب کہ تیسرا بلڈاگ نسل کے کتے سمیت پچھلی نشست پر براجمان ہوگیا کتا جیپ میں سوار ہوتے ہی مضطرب نظر آنے لگا تھا اس نے نامانوس انسانی بو سونگھ لی تھی۔

یکا یک کتا زور زور سے بھونکنے لگا شانتی ٹائیگر شانتی یہ وکی تھا جو مڑ کر کتے کو پچکار رہا تھا مگر کتے کے اشتعال میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ وہ بھونکتے ہوئے فرنٹ سیٹ کی طرف آ کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ پیچھے بیٹھے شخص نے کتے کے پٹے میں ہاتھ ڈال کر اسے قابو کرنے کی کوشش کی۔

"زاہد خان یہ اس قدر بے قابو کیوں ہو رہا ہے۔" وکی نے استعجاب انگیز حیرت سے عقبی نشست پر بیٹھے شخص سے پوچھا۔

"کہیں جیپ میں سانپ یا اس قسم کا کوئی کیڑا مکوڑا تو نہیں۔" ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص نے خیال ظاہر کیا۔

"ایسا کرتے ہیں ہم سب جیپ سے اتر جاتے ہیں اور کتے کو جیپ میں ہی رہنے دیتے ہیں جو کچھ بھی ہوگا ٹائیگر اسے خود ڈھونڈ نکالے گا۔" یہ رائے وکی کی تھی۔ میں جو پہلے ہی کتے کے بھونکنے سے خوف زدہ تھا ان کی باتوں سے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے میں جانتا تھا کہ اگر انہوں نے اپنے ارادے پر عمل کیا تو وہ خون خوار کتا مجھے ایک ہی نوالے میں ہڑپ کر لے گا۔

"ارے رکو کتے کو جیپ میں چھوڑ کر مت اترو یہ میں ہوں باہر۔" میں فرنٹ سیٹ کے نیچے سے نکل کر زور سے چلایا۔ سرفراز یہ آواز سنی تم نے یہ تو کسی بچے کی آواز لگتی ہے میری آواز سن کر وہ تینوں چوکنا ہو چکے تھے اور میری تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہے تھے مگر میرا چار پانچ انچ کا وجود انہیں دکھائی نہ دیا۔

"تم کون ہو اور کہاں ہو؟" وکی نے جھلا کر کہا۔

"میں تمہارے پاؤں کے پاس ہوں نیچے دیکھو۔" میں نے ایک بار پھر چلا کر کہا اس بار وکی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔

"ارے اس کی شکل تو بالکل میرے دشمن بابر کی طرح ہے۔ جس نے اپنی گواہی سے مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوانا چاہا تھا۔"

وہ سرفراز اور زاہد خان سے مخاطب تھا بولتے ہوئے اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوئی تو مجھے اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں میں بھینچی بھینچی آواز میں بولا ارے اتنے زور سے مت پکڑو میرا دم گھٹ رہا ہے میں بابر ہی ہوں وکی نے ہاتھ کی گرفت قدرے ڈھیلی کی اور حیرت زدہ لہجے میں کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے بابر تو چھ فٹ کا ہٹا کٹا نوجوان ہے جب کہ تم چار انچ کے بونے ہو اس نے مجھے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ میں رودینے والے لہجے میں بولا یہ جلال خان کی بدروح کی کارستانی ہے اور بتایا کہ حویلی میں مجھ پر کیا گزری۔ بہت خوب یہ تمہارے لئے بہت اچھی سزا ہے وہ چہکتے ہوئے کہنے لگا ویسے بھی پولیس کل رات تمہاری تلاش میں مراد نگر آئی تھی مگر تم نہیں ملے میں نے ہی پولیس کو اطلاع دی تھی کہ تم مراد نگر میں ہو۔ وہ تمہاری تلاش میں اس بڈھے حکیم کے گھر بھی گئے تھے۔

"ویسے جلال خان کی بدروح نے بونا بنا کر تمہارے حق میں بہتر ہی کیا ہے شاید اب تمہیں پھانسی کی سزا نہ ہو۔" وہ روانی میں بولتا جارہا تھا جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ میں بابر ہی ہوں وہ کافی خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"اب اس بونے کا کیا کرنا ہے۔" سرفراز نے بے زاری سے کہا۔

"اسے عجائب گھر میں دیں گے۔" وکی نے ایک بار پھر ہنستے ہوئے کہا۔ اور مجھے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ پر بیٹھا دیا۔

گاڑی چلنے کے دوران میں ڈیش بورڈ پر لیٹ کر تقریباً چپک سا گیا تھا مجھے ڈر تھا کہ کچی اور ناہموار

مستند ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات اور مشوروں سے لکھی گئی مفید کتاب

قیمت-/100 روپے

دل کی بیماریاں

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی دہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، امراض دل کا بڑا اسباب صدمات، تنہائی اور خود غرضی ہے، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، ایک عظیم کارخیر خون کا عطیہ دینے سے نہ گھبرائیں، سقوط قلب کیا ہے؟ دل کا دورہ زندگی بچائیے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں غصے کے عالم میں جسم کی کیا حالت ہوتی ہے؟ غصہ آئے تو کیا کریں، غصہ کم کرنے کے لئے چند تجاویز، بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

شمع بک ایجنسی نوید اسکوائر اردو بازار کراچی
Ph:32773302

سڑک پر لگنے والے ہچکولوں سے میں گر نہ جاؤں۔ مگر خیریت گزری اور ایسا کچھ نہیں ہوا البتہ اس سفر میں میرا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا جیپ حویلی سے کچھ فاصلے پر موجود ڈیرے پر رکی۔

وکی نے جیپ سے اترنے سے پہلے مجھے دائیں ہاتھ میں دبوچ لیا تھا چلو یار آج ٹائیگر کی دعوت کرتے ہیں وکی نے معنی خیز لہجے میں کہا تو جیسے خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میں اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ وکی سفاک اور کمینہ خصلت انسان ہے جو میرے سامنے دو لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کے لئے مجھے جان سے مارنا کوئی مشکل کام نہیں تھا کہیں یہ مجھے اس کتے کی خوراک تو نہیں بنانا چاہتا تھا میں نے دھڑکتے دل سے سوچا کچھ دیر بعد میرے خدشات حقیقت کا روپ دھار گئے ٹائیگر کے پٹے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک درخت سے باندھ دیا گیا جب کہ وکی ٹائیگر سے قریب ہی چند قدم کے فاصلے پر اس طرح بیٹھا کہ اس کی دائیں ہاتھ کی مٹھی میں میرا ننھا منا وجود تھا۔ "چل بھئی بابر تم بھی کیا یاد کرو گے آج میں تمہیں ٹائیگر کی خوراک بنانے والا ہوں ویسے تم اس کا ایک ہی نوالہ ثابت ہو گے۔" اس نے دایاں ہاتھ ٹائیگر کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ ٹائیگر مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک بار پھر بے قابو ہو چکا تھا اور مسلسل بھونکتے ہوئے میری طرف جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا مگر گردن میں زنجیر ہونے کے باعث اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

وکی کے ہاتھ سے ٹائیگر کا فاصلہ محض ایک فٹ کے لگ بھگ تھا گویا موت اس خونخوار کتے کی صورت میں مجھ سے ایک فٹ کی دوری پر تھی میرا ڈر اور خوف سے برا حال تھا خونخوار کتے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے میرا پورا وجود کپکپا رہا تھا جب وکی نے دایاں ہاتھ مزید آگے بڑھایا تو ٹائیگر ایک بار پھر جھپٹا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرا آخری وقت آ چکا ہے۔

میں نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں اسی لمحے وکی نے دایاں ہاتھ پیچھے کر لیا وہ کافی دیر تک مجھے اسی طرح ڈراتا رہا اس تماشے سے جب اس کا دل بھرا تو اس نے مجھے سرفراز کے حوالے کر دیا۔ "اب تم اس کا خیال رکھو جب تک میں کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرلوں پھر اس کا انتظام بھی کرنا ہے۔"

سرفراز نے مجھے لاپرواہی سے اپنے کرتے کی سائیڈ کی جیب میں ڈال لیا، وہ آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے جب کہ میرا خوف سے برا حال تھا کہ نہ جانے اب وکی میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ کھانے کے بعد وہ دوبارہ جیپ میں بیٹھے۔ کافی دیر بعد جیپ ایک پرانی سی عمارت کے احاطے میں رکی۔ یہ مراد نگر کا پولیس اسٹیشن تھا جہاں کا عملہ صرف سات آٹھ پولیس اہلکاروں پر مشتمل تھا۔ تھانہ انچارج سب انسپکٹر رینک کا پولیس آفیسر دلاور خان تھا جو اس وقت اپنے کمرے میں اونگھ رہا تھا جب وکی سرفراز اور زاہد خان کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

دلاور خان وکی کو دیکھتے ہی اس کے استقبال کے لئے اٹھا کیسے ہو وقاص بابو وکی کے اشارے پر سرفراز نے سائیڈ کی جیب سے مجھے نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھا تو دلاور خان حیرت سے اچھل پڑا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "یہ بونا کہاں سے ملا دلاور خان۔"

"یہ بونا نہیں تمہاری ترقی کا راز ہے۔" وکی ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری ترقی کا راز۔"

دلاور خان نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"یہ دارالحکومت سے بھاگا ہوا قاتل بابر زمان ہے جس نے تحریم نامی لڑکی کو ریپ کرنے کے بعد قتل کیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔"

"اس بونے نے لڑکی کا ریپ اور قتل کیا۔"

دلاور خان مجھے بے یقینی سے گھورتے ہوئے بولا۔

"یہ اس وقت بونا نہیں چھ فٹ کا نوجوان تھا اسے جلال خان کی بدروح نے جادو سے بونا بنایا ہے۔" وکی نے وضاحت کی۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے وقاص بابو۔" دلاور خان

نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

اس کی حالت اس وقت واقعی قابل رحم تھی نہ ہی وہ وکی کو جھوٹا کہہ سکتا تھا اور نہ ہی اس کی ان باتوں پر یقین کرسکتا تھا..... پھر شاید وکی اس کی مشکل سمجھ گیا۔

"بابر بتاؤ اسے حویلی میں تمہارے ساتھ کیا ہوا، جھوٹ بولا تو اس بار سچ مچ ٹائیگر کے حوالے کردوں گا۔" وکی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا، مجھ سے حویلی میں بیت جانے والے واقعہ کی روداد سننے کے بعد دلاور خان نے ایک بار پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا مجھے یقین تو نہیں آرہا بہرحال میں اسے دارالحکومت کی متعلقہ پولیس حکام کے حوالے کروں گا آگے وہ جانیں اور ان کا کام مگر ایک کام آپ کو میرا ابھی کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا.....؟" وکی نے پوچھا۔

"آپ دارا صاحب سے کہئے گا کہ وہ صاحب سے میری سفارش کردیں دارا صاحب کے افسران بالا سے تعلقات ہیں۔"

"اچھا اچھا میں ڈیڈی سے کہہ دوں گا۔" وکی اور اس کے ساتھی چلے گئے مگر ان کی گفتگو سے میں چونک گیا وکی دارا اکبر کا کیا لگتا ہے میں نے دلاور سے پوچھا۔

"او بونے تم یہ جان کر کیا کروگے۔" وہ چڑ کر بولا۔

پھر کہنے لگا۔" وقاص دارا اکبر کا اکلوتا بیٹا ہے جو دارالحکومت کی کسی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے کبھی کبھار چھٹیوں میں مراد نگر آجاتا ہے۔"

وکی جیسے گھناؤنے کردار کا مالک دارا اکبر جیسے اچھے انسان کا بیٹا تھا یہ میرے لئے حیرت انگیز انکشاف تھا۔

میرا وجود پولیس اسٹیشن میں موجود پولیس اہلکاروں کے لئے ایک تماشہ تھا ہر ایک بار بار مجھے ہتھیلی پر اٹھا کر دیکھ رہا تھا خود میں اس مصیبت سے تنگ آچکا تھا مگر صبر کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا میں نے دلاور خان اور دیگر پولیس اہلکاروں کو اپنی بے گناہی کی روداد سنانا چاہی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز بھلا کون سنتا ہے۔ دلاور خان نے دارالحکومت میں متعلقہ پولیس اسٹیشن میں اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہاں کھلبلی مچ گئی پولیس حکام نے اسے تاکید کی کہ اس بونے کو بحفاظت پولیس اسٹیشن میں رکھے دوسرے روز متعلقہ تفتیشی افسر بونے کو مراد نگر سے لے جائے گا میں سارا دن دلاور خان کی میز پر مٹر گشت کرتا رہا اور پولیس اہلکاروں کی آپس کی گفتگو سے صورت حال سے باخبر بھی ہوتا رہا میڈیا سے وابستہ افراد بھی اس حیرت انگیز خبر کو سنتے ہی مراد نگر کے اس پولیس اسٹیشن میں آپہنچے ان میں سے ہر ایک مجھے عجوبے کی طرح دیکھ رہا تھا ہر ایک جاننا چاہتا تھا کہ میں چھ فٹ کے نوجوان سے چار انچ کا بونا کیسے بنا۔

اپنی روداد سناتے سناتے جہاں خود میرا گلا بیٹھ چکا تھا خود دلاور خان بھی تنگ آچکا تھا وہ جلد از جلد مجھ سے جان چھڑانا چاہتا تھا مگر فی الحال تو اسے مجھے ایک روز تو بھگتنا ہی تھا۔

میں عجیب قسم کا ملزم تھا چار انچ کے بونے کو وہ لاک اپ میں بھی قید نہیں کرسکتا تھا کہ وہ باآسانی وہاں سے نکل بھاگتا میں دن بھر دلاور خان کی میز پر موجود رہا دن تو جیسے تیسے گزر گیا رات کے وقت اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ سونے سے پہلے مجھے کہاں رکھے بالآخر اسے اس مسئلے کا حل شیشے کے جگ کی صورت میں نظر آگیا جگ سے پانی پھینک کر اس نے مجھے جگ میں ڈالا اور چارپائی کے نیچے رکھ کر خود اطمینان سے سوگیا ادھر میں بے چارگی سے جگ میں کھڑا اس مصیبت سے نکلنے کی ترکیب سوچ رہا تھا جگ کے پیندے میں معمولی سی پانی کی مقدار بھی مجھے بیٹھنے سے روک رہی تھی اور پھر رات ہوتے ہی اس پہاڑی علاقے میں موسم ویسے ہی سرد ہوجاتا ہے میں سردی سے ایک ہی کھڑا کپکپاتا رہا کئی بار تو جگ کو اندر سے دھکیل کر گرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ کہ ایک تو جگ بھاری بہت بھر کم تھا اور پھر کم بخت دلاور خان نے جگ دیوار کے ساتھ کچھ اس طرح رکھا تھا کہ اس مختصر وجود کے ساتھ یہ میرے لئے آسان کام نہ تھا تھک ہار کر میں پہلے ہی کی طرح ایک طرف ہو کر کھڑا ہوگیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کمرے کے باہر بلی کی میاؤں میاؤں کی آواز سنائی دی دلاور خان سوتے وقت

کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا بلی باآسانی کھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی اور کھانے کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگی تب ہی اس کی نگاہ شیشے کے اس جگ پر پڑی جس میں، میں موجود تھا۔ بلی شاید بہت بھوکی تھی اسی لئے میرے مختصر سے وجود کو دیکھ کر ایک ہی جست میں جگ کے قریب جا پہنچی سچ تو یہ کہ وہ بلی اس وقت مجھے شیرنی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ میں خوف زدہ ہوکر جگ کے ایک گوشے میں سمٹ گیا۔

اسی وقت بلی جگ پر جھپٹی اور جگ الٹ گیا شور کی آواز سن کر دلاور خان کی آنکھ کھلی گئی گہری نیند سے جاگا تھا اس لئے غنودگی میں ہی ہاتھ بڑھا کر نیچے پڑا جوتا اٹھا کر بلی کو رسید کیا اور دوبارہ بستر پر لیٹتے ہی سوگیا۔ بلی بھاری بھرکم جوتا لگتے ہی ناک کی سیدھ میں کمرے سے نکل کر بھاگی جب کہ میرے لئے یہ سنہری موقع تھا جو مجھے قدرت نے فراہم کیا تھا۔ میں کمرے کے کھلے دروازے سے باہر نکلا پہلے ادھر ادھر سن گن لی کہ کہیں وہ بلی تو میری تاک میں نہیں پھر میدان صاف دیکھ کر عمارت سے باہر نکل گیا۔

اب میرا ارادہ حکیم صاحب کے گھر جانے کا تھا۔ اس ننھے منے وجود کے ساتھ مجھے وہاں پہنچنے میں گھنٹوں لگ گئے میں حکیم صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو رات کا آخری پہر تھا حکیم صاحب کے گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی یہ خلاف معمول بات تھی حکیم صاحب تہجد گزار تھے جو تہجد کی نماز کے بعد تلاوت اور پھر فجر کی نماز پڑھ کر دیگر کاموں میں مصروف ہوجاتے تھے۔

مراد نگر میں چند روزہ قیام سے میں ان کے معمولات سے آگاہ ہوچکا تھا۔

میں فکر و پریشانی کے عالم میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو دھک سے رہ گیا حکیم صاحب دروازے کے قریب ہی چت پڑے تھے حکیم صاحب اٹھیئے کیا ہوا آپ کو میں ان کے قریب پہنچ کر چیخا۔ مگر جواب ندا اور وہ ہوش و خرد سے محروم پڑے تھے۔ پھر میں نے صائمہ کے کمرے کا رخ کیا اس کے کمرے کا دروازہ بھی کھلا پڑا تھا اور وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی کسی انہونی کے تصور سے میرا دل بیٹھنے لگا۔ میں دوبارہ حکیم صاحب کے کمرے میں جا پہنچا اور ان کے سر کے قریب جا کر گال تھپتھپانے لگا کچھ ہی دیر بعد حکیم صاحب کراہتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں۔ بابر۔"

"کہاں ہو تم؟" انہوں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔

"آپ کے پاس ادھر دیکھیں۔" میں نے چلا کر کہا۔

حکیم صاحب نے آواز کی سمت دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑے۔

"کون ہو تم؟"

"میں بابر ہوں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے حویلی میں خود پر بیتنے والے واقعہ کی سرگزشت سنائی پھر پوچھا۔

"آپ کو کیا ہوا اور صائمہ کہاں ہے؟"

صائمہ کے ذکر پر حکیم صاحب کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھا ہی تھی کہ صائمہ کی چیخ سنائی دی اس سے پہلے کہ میں صائمہ کے کمرے کا رخ کرتا ایک خوفناک صورت لبادہ پوش میرے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے ہاتھ میں موجود لاٹھی کا بھرپور وار میرے سر پر کیا۔"

"کیا صائمہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔" انہوں نے پوچھا اور میرے انکار پر درد بھرے لہجے میں فریاد کی۔

"میری بچی نہ جانے، وہ شیطان میری بچی کو کہاں لے گیا۔"

میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے یہ جلال خان کی بدروح کا کام ہے۔"

"نہیں۔" انہوں نے انکار میں سر ہلایا میں جلال خان کی شکل و صورت سے اچھی طرح واقف ہوں وہ جلال خان نہیں نہ جانے کس کی بدروح ہے۔" ان کے جواب

نے مجھے چونکا دیا کہیں یہ وکی اور اس کے دوستوں کا کام تو نہیں؟ میں نے خدشے کا اظہار کیا تو انہوں نے ایک بار پھر نفی میں گردن ہلائی۔

"وہ کل شام ہی اپنے دونوں دوستوں کے ساتھ مراد نگر سے چلا گیا تھا۔" حکیم صاحب کی باتوں سے میرا ذہن چکرا گیا تھا ان کا کہنا تھا کہ لبادہ پوش کی شکل وصورت جلال خان سے مختلف ہے۔

"کہیں یہ بدروح کے کھیل میں کوئی دوسرا چکر تو نہیں ہوسکتا ہے وہ کوئی بہروپیا ہو۔" میں نے سوچا پھر خود ہی اپنے خیال کی تردید کی کہ اگر وہ کوئی عام انسان تھا تو پھر میں بونا کیسے بنا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" حکیم صاحب نے پوچھا۔

"مجھے صائمہ کی تلاش میں دوبارہ لال حویلی جانا پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔

مگر پہلے بھی تو تم ثمینہ کی تلاش میں حویلی گئے تھے جہاں اسی لبادہ پوش نے تمہیں بونا بنادیا۔ حکیم صاحب نے میرے مختصر ترین وجود کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

بہرحال میں انہیں قائل کرنے میں کامیاب رہا کہ صائمہ کا سراغ حویلی میں ہی ملے گا، میں حکیم صاحب کے گھر سے نکلا اور ایک طرف چل دیا۔ اب میرا رخ جنگل میں واقع لال حویلی کی طرف تھا چلتے ہوئے میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس مختصر وجود کے ساتھ لال حویلی پہنچنا آسان نہیں اور پھر بھلا اس بدروح کا مقابلہ کیسے کروں گا میں ان ہی سوچوں میں غلطاں چل رہا تھا کہ قریب ہی ایک شناسا سا آواز ابھری مایوسی کفر ہے میں چونک کر رک گیا یہ وہی نورانی صورت بزرگ تھے جن سے پہلے بھی دوبارہ میری ملاقات ہوچکی تھی۔

"بابا آپ، کہاں چلے گئے تھے اس بدروح نے مجھے بونا بنادیا ہے۔" میں سسک پڑا۔

"اس مشکل وقت میں اسے پکارو جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے جو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے وہ غفور ورحیم ہے۔ طاغوت کے مقابلے میں وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا وہ دیکھو سامنے ہی اس کا گھر ہے۔" وہ کہہ رہے تھے اور میں سن رہا تھا۔

اسی وقت مراد نگر کی مسجد سے اڑان کی آواز گونجی۔ "اللہ اکبر..... اللہ سب سے بڑا ہے۔" مسجد سامنے ہی تھی۔

میں مسجد کی طرف چل دیا لوگ مسجد میں فجر کی نماز کے لئے جارہے تھے میں یہ بھول چکا تھا کہ میں پانچ انچ کا بونا ہوں نمازیوں کے پاؤں کے نیچے آکر کچلا بھی جاسکتا ہوں مجھے صرف اتنا یاد تھا کہ مجھے اس کے حضور سر جھکانا ہے جو مالک حقیقی ہے مشکل وقت میں وہی کام آتا ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔

وضو کرنے گیا تو سوچنے لگا وضو کیسے کروں اسی وقت میرے قریب ایک سوچ رہا تھا کہ وضو کیسے کروں میرے مختصر ترین وجود سے بے خبر اس نمازی نے نکلا کھولا بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنے لگا وضو کرتے ہوئے اس نمازی کا پانی مجھ پر گر رہا تھا۔ "یا اللہ میری مدد فرما۔" میں دونوں آنکھیں موندے دعا مانگ رہا تھا۔

تب ہی میرے کانوں سے ایک بوکھلائی ہوئی آواز ٹکرائی۔

"ارے بھائی یہاں کہاں آگئے وضو کرنا ہے تو ایک طرف بیٹھ کر کرو۔" میں نے آنکھیں کھول دیں میں اسی شخص کے آگے کھڑا تھا مگر میں اب چار انچ کا بونا نہیں رہا تھا چھ فٹ کا نوجوان بن چکا تھا ایک نمازی کے وضو کے پانی نے جادو کا توڑ کردیا تھا میں نے ایک طرف بیٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی اور مسجد سے باہر نکل آیا۔

میں کچھ دیر تک ان نورانی صورت بزرگ کو ڈھونڈتا رہا جنہوں نے میری رہنمائی کی تھی مگر وہ ارد گرد کہیں بھی نہیں تھے اب میرا رخ جنگل کی طرف تھا تیز قدموں سے چلتا ہوا میں چند ہی گھنٹوں میں لال حویلی پہنچ چکا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہوئے مجھے بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں میرا لبادہ پوش سے اچانک سامنا نہ ہوجائے ایسی صورت میں مجھے دوبارہ بونا بننا پڑتا جو مجھے ہرگز قبول نہیں تھا میں راستے میں پڑی جا بجا انسانی کھوپڑیوں سے نظریں چراتا ہوا لال حویلی کے ہال میں

جا پہنچا یہاں بھی سناٹے کا راج تھا۔ ایک ایک کرکے حویلی کے سارے کمرے دیکھ ڈالے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ لبادہ پوش صائمہ کو لے کر کہاں چلا گیا، کیا وہ اسے کہیں اور تو نہیں لے گیا۔

حویلی کے کونے میں واقع آخری کمرے میں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن میں خیال ابھرا اس کمرے میں لکڑی کی ایک بھاری بھرکم الماری دھری تھی فطری تجسس کے تحت میں نے الماری کھولی الماری میں صرف ایک ضخیم کتاب موجود تھی کتاب میں تحریر الفاظ ناموس زبان کے تھے۔

بہرحال کتاب کا جائزہ لینے کے بعد اتنا تو میں سمجھ ہی گیا کہ یہ جادو ٹونے یا اس قسم کی خرافات پر مشتمل کتاب ہے میں نے کتاب کو پٹخنے کے سے انداز میں الماری میں پھینکا ہی تھا کہ سرسراہٹ کی آواز کے ساتھ میرے قدموں تلے سے زمین سرک گئی میں نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔

پندرہ سولہ فٹ کی بلندی سے گرنے سے مجھے اچھی خاصی چوٹ لگی تھی وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میں سر کے بل نہیں گرا تھا۔ میرے گرتے ہی چھت میں موجود خلا خود کار طریقے سے بند ہوچکا تھا میں چوٹیں سہلاتا ہوا اٹھا اور ارد گرد کا جائزہ لیا یہ ہال نما کمرہ تھا۔ جس کے عین وسط میں ایک خوف ناک قسم کا دیوہیکل بت ایستادہ تھا۔

بت کی شکل وصورت میں کچھ ایسی نحوست تھی کہ اسے دیکھتے ہی کراہیت کا احساس ہوتا تھا ہال کے ایک طرف سرنگ نما راستہ تھا۔ بت کے ارد گرد کا فرش عجیب قسم کا سیاہی مائل تھا فضاء میں عجیب قسم کی ناگوار بو کا احساس ہورہا تھا غور سے دیکھنے پر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے یہ سیاہی مائل انسانی خون تھا جو بت کے ارد گرد فرش پر جما ہوا تھا اتنا تو میں اندازہ لگا ہی چکا تھا کہ یہ کوئی خفیہ تہہ خانہ ہے اور اسے کھولنے کا ذریعہ وہ الماری ہی تھی۔

میرے وہ ضخیم کتاب الماری میں پٹخنے سے تہہ خانے کا راستہ خود کار طریقے سے کھلا اور میرے گرتے ہی دوبارہ بند ہوگیا۔ میری سمجھ میں اب بھی نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ کیا چکر ہے؟ وہ لبادہ پوش کون ہے؟ اور صائمہ کو اغوا کرنے کے بعد کہاں لے گیا؟

کچھ دیر سوچنے کے بعد میں سرنگ نما راستے میں آگے بڑھا یہ سرنگ نما راستہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا تھا۔

چلتے چلتے کافی دیر ہوگئی مگر سرنگ نما راستے کا اختتام ہی نہیں ہورہا تھا آخر کافی دیر بعد سرنگ نما راستے کا اختتام ایک آراستہ کمرے میں ہوا کمرے کی سامنے والی دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اوپر کی طرف جارہی تھیں بظاہر تو اوپر کوئی راستہ نہ تھا مگر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ یہاں بھی کوئی خفیہ راستہ ہے کمرے میں ایک طرف بیڈ پڑا تھا جس پر کوئی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے لمبی تانے سو رہا تھا کہیں یہ لبادہ پوش تو نہیں ذہن میں یہ خیال ابھرتے ہی کسی ایسی شے کی تلاش میں کمرے میں نگاہ دوڑانے لگا۔ جسے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکوں۔

اسی وقت بیڈ میں موجود وجود میں جنبش ہوئی اس کے اٹھ کر بیٹھتے ہی کمبل سرک گیا وہ صائمہ تھی جو مجھے دیکھتے ہی بیڈ سے اتری اور روتی دھوتی مجھ سے لپٹ گئی۔

"بابر مجھے اس بدروح سے بچالو۔"

"صائمہ حوصلہ رکھو میں ہوں ناں۔" میں نے خود سے لپٹی صائمہ کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"وہ لبادہ پوش کہاں ہے؟"

صائمہ نے بتایا۔ "وہ اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی کہ اچانک نہ جانے کیسے اس کی آنکھ کھل گئی تب ہی اس کی نگاہ بیڈ کے قریب کھڑے خوف ناک صورت لبادہ پوش پر پڑی اور وہ ڈر اور خوف سے چیخ پڑی لبادہ پوش نے اپنے دائیں ہاتھ کو جنبش دی وہاں عجیب قسم کی دھند چھا گئی جب دھند چھٹی تو وہ چار انچ کا بونا بن چکی تھی کچھ اس خوف ناک صورت لبادہ پوش کا خوف اور پھر اپنے آپ کو بونے کے روپ میں دیکھ کر وہ چکرا کر رہ گئی اور ہوش وخرد سے محروم ہوگئی اسے ہوش آیا تو وہ اسی کمرے میں اپنے اصل قد وقامت کے ساتھ موجود تھی جبکہ سامنے میں کھڑا تھا۔

سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ لبادہ پوش جادوگر

جلال خان کی بدروح کے روپ میں کون سا کھیل کھیل رہا ہے۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ تب ہی میرے عقب میں آہٹ ابھری میں نے خود سے لپٹی صائمہ کو ایک طرف کر کے ہٹنے کی کوشش کی مگر تب تک دیر ہو چکی تھی مجھے اپنے سر کے عقبی حصے میں قیامت سی ٹوٹتی محسوس ہوئی اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

مجھے ہوش آیا تو میں اس کمرے کے بجائے ہال نما کمرے میں اس کریہہ الصورت بت کے قدموں میں بے دست و پا موجود تھا میرے دونوں ہاتھ اور پاؤں نائیلون کی رسی سے مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے صائمہ بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر کچھ ایسی ہی حالت میں موجود تھی۔ جب کہ وہ خوف ناک صورت لبادل پوش میرے قریب ہی خنجر تھامے کھڑا تھا۔

مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ مسکرایا۔ "تم کیا سمجھ رہے تھے کہ میں اتنا غافل ہوں کہ مجھے خبر ہی نہ ہوگی اور تم صائمہ کو لے کر با آسانی نکل جاؤ گے۔"

"تم آخر ہو کون؟ اور جلال خان کی بدروح کی آڑ میں یہ خونی کھیل کیوں کھیل رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"باور تمہارا ویسے بھی آخری وقت آ گیا ہے اس لئے اس سوال کو تمہاری آخری خواہش جان کر بتا ہی دیتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے۔" لبادہ پوش نے کہتے ہوئے اپنے گلے کے پاس معمولی سے ابھار کو چٹکی سے پکڑ کر کھینچا تو اس کے چہرے سے ماسک اتر گیا۔

اب میری نگاہوں کے سامنے دارا اکبر موجود تھا حقیقت یہ تھی کہ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اندھا اور ٹانگوں سے معذور نیک صفت دارا اکبر جیسے انسان کا یہ روپ بھی ہو سکتا ہے۔

جن دنوں سردار کمال خان مراد نگر کا سردار بنا ان ہی دنوں میرے والد دارا اصغر انتقال کر گئے مراد نگر کے جنگل سے متصل زمین جو کہ اب ہماری ملکیت تھی میں نے وہاں پوست کی کاشت کا سوچا اور اپنے خیال کو عملی جامہ پہنایا سردار کمال خان کو اس کا علم ہوا تو اس نے مجھے منع کیا مگر میں نے جواب دیا۔

"یہ زمین میری ملکیت ہے جو چاہے کاشت کروں مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

جب کہ سردار کمال خان کا کہنا تھا کہ پوست کی کاشت سے افیون اور اس سے ہی ہیروئن بنتی ہے جس سے پوری نسل تباہ ہو جاتی ہے مگر میں اس سے متفق نہیں تھا۔

تب سردار کمال خان کے حکم پر میری فصل جلا دی گئی اس وقت میری اتنی حیثیت نہ تھی کہ میں سردار کمال خان سے ٹکراتا۔ بظاہر میں نے عادت و اطوار بدل دیئے۔ مگر میں موقع کی تاک میں تھا میں نے جلال خان سے راہ و رسم بڑھائے وہ میرا دوست بن گیا ویسے بھی اس کے اور میرے خیالات ایک ہی جیسے تھے جلال خان نے اپنے حصے کی زمین و جائیداد فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اس سے سودے کی بات چیت کی میں سردار کمال خان کا ہم پلہ تو نہیں تھا مگر میرے پاس اتنی رقم ضرور تھی کہ جلال خان کے حصے کی زمین خرید سکتا۔

یہاں بھی سردار کمال خان میرے آڑے آیا اس نے مجھ سے زیادہ رقم دے کر بھائی سے زمین خرید لی۔ اور اپنے حصے کی رقم لے کر ملک سے باہر چلا گیا۔ عیاش فطرت جلال خان ملک ملک نگر نگر گھومتا رہا۔ مال و دولت جتنا بھی زیادہ ہو اگر اسے بے دریغ لٹایا بھی جائے تو آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔

جلال خان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا عیاشی کی بدولت وہ قلاش ہو گیا نوبت یہاں تک آ گئی کہ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی ان دنوں وہ افریقہ میں تھا۔

ایک روز جبکہ وہ دو روز کے فاقے سے تھا اور ایک سڑک پر کھڑا بھیک مانگنے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ ایک لگژری کار اس کے قریب آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ایک سیاہ رو شخص نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سحر زدہ سا کار میں بیٹھا تو سیاہ رو شخص نے کار آگے بڑھا دی کچھ دیر بعد کار ایک عالی شان کوٹھی کے سامنے رکی وہ سیاہ رو شخص اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھا کر کچھ دیر میں آنے کا

کہہ کر چلا گیا۔ اسی اثناء میں ایک ملازم ٹرالی پر کھانا لئے آیا اور مزیدار کھانا دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور ندیدوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا وہ کھا کر فارغ ہوا ہی تھا کہ سیاہ رو شخص دوبارہ اس کے سامنے آ پہنچا۔

"جلال خان کیا تم آئندہ کی زندگی بھی اسی طرح بھوکے پیاسے در بدر بھٹکتے ہوئے بسر کرنا چاہتے ہو۔"

جلال خان چونکا۔ "تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟" مخاطب قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"میں تمہارے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہوں کہ خود تمہارے عزیز و اقارب بھی نہ جانتے ہوں گے وہ جلال خان کے بچپن سے گزری ہوئی زندگی سے لے کر اب تک کے تمام واقعات سنانے لگا۔

جلال خان حیرت زدہ سا سنتا رہا پھر بے اختیار کہنے لگا۔ "میں اپنی زندگی عیش و عشرت میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔" سیاہ رو شخص نے ملازم کو آواز دے کر ام الخبائث لانے کو کہا۔

چند لمحوں بعد ہی میز پر اعلیٰ درجے کی شراب دھری تھی سیاہ رو شخص نے گلاس میں شراب انڈیل کر اسے پینے کو کہا آتشیں سیال کا پہلا پیگ پیتے ہی وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔

"کیا میں اپنے مہربان دوست کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" دوسرا پیگ چڑھا کر جلال خان نے بہکے بہکے لہجے میں پوچھا۔

"میرے کئی نام ہیں عزازیل، ابلیس، موجودہ دور کے حساب سے پروفیسر طان شے یعنی شیطان، میں صدیوں سے زندہ ہوں بس اتنا یاد رکھنا کہ میرا دوست کبھی نقصان میں نہیں رہتا۔ میں جس کا ایک بار ہاتھ تھام لوں اس کی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہوتی ہے۔" پروفیسر طان شے نے پرزور لہجے میں کہتے ہوئے دائیں ہاتھ کو جنبش دی اگلا ہی لمحہ حیرت انگیز تھا۔

لباس سے عاری ایک حسین و جمیل دوشیزہ اس کے سامنے کھڑی تھی وہ پروفیسر طان شے کے اشارے پر جلال خان کی آغوش میں آ بیٹھی شراب و شباب نے اسے ہوش و حواس سے عاری کر دیا تھا دوشیزہ کے آنچ دیتے دہکتے جسم کے لمس سے اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں وہ بہکنے لگا اسے نشہ میں اتنا بھی خیال نہ رہا کہ پروفیسر طان شے سامنے بیٹھا دیکھ رہا ہے اس نے صوفے کو ہی بیڈ بنا ڈالا اور کمرہ ہیجان خیز آوازوں سے گونجنے لگا۔

طوفان تھما تو لڑکی جس طرح نمودار ہوئی تھی اسی طرح غائب ہو گئی جلال خان کی پیاس ابھی شاید بجھی نہیں تھی وہ بے قرار نگاہوں سے لڑکی کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا پروفیسر طان شے اس کی بے قراری پر ہنس پڑا۔ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اب تمہاری زندگی اسی طرح عیش و عشرت میں گزرے گی بس صرف مجھے خوش کرتے رہو پروفیسر طان شے نے لوہا گرم دیکھ کر اسے اپنے سامنے ماتھا ٹیکنے کو کہا تو جلال خان نے بلا تامل اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

سال بھر کے مختصر عرصے میں جلال خان کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہ تھی پروفیسر طان شے کے حکم پر وہ ایک وچ ڈاکٹر سے کالا جادو سیکھنے لگا۔

ان ہی دنوں اس نے اپنے وطن جانے کا سوچا وہ اپنے بھائی کمال خان کو اپنا رعب و دبدبہ دکھانا چاہتا تھا اور پھر پروفیسر طان شے نے بھی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ میں خود چاہتا ہوں تمہارا بھائی اور برادری کے لوگ دیکھیں میری تابعداری کرنے والے کے دن کیسے پھرتے ہیں وہ مراد نگر آیا لال حویلی میں رہنے لگا۔

وہ مجھ سے بھی ملا ملاقات میں اپنی سرگزشت سناتے ہوئے اس نے مجھے بھی آقا شیطان کی تابعداری کا مشورہ دیا میں اس کی موجودہ زندگی سے متاثر ہو چکا تھا مگر تذبذب کا شکار تھا اس لئے سوچنے کی مہلت مانگی۔

ان ہی دنوں مراد نگر سے لڑکیاں اغوا ہونے لگیں جنہیں بے آبرو کر کے قتل کر دیا جاتا ایک روز جلال خان رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اسے خود اس کے بھائی سردار کمال خان نے موت کی سزا سنا دی۔

اسے رات جس کوٹھڑی میں قید کیا گیا وہاں میں اپنے کارندوں کے ساتھ جا پہنچا پہرے داروں کو قتل کرنے

کے بعد میں نے جلال خان کو مراد نگر سے بھاگنے کو کہا اور خود اپنی حویلی جا پہنچا فرار ہوتے وقت بدقسمتی سے جلال خان مراد نگر کے باسیوں کی نظر میں آ گیا جنہوں نے اسے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔

اس واقعہ کو پانچ سال کا طویل عرصہ گزر گیا پھر ایک روز سردار کمال خان کا بڑا بیٹا پراسرار طور پر اپنے کمرے سے غائب ہو گیا خود کمال خان کے بیڈ روم کی دیوار پر خون آلود تحریر میں لکھی جلال خان کی دھمکی اور پھر دوسرے روز جنگل سے ملنے والی سردار کمال خان کے بیٹے کی سر بریدہ نعش نے مراد نگر میں خوف و ہراس پھیلا دیا۔

سردار کمال خان اور اس کی بیوی بھی جلال خان کے انتقام کا شکار ہو گئے دوسرا بیٹا لال حویلی کی طرف جانے کی پاداش میں جلال خان کے ہاتھوں مارا گیا پھر رفتہ رفتہ مراد نگر کے باسی بھی جلال خان کی روح کے انتقام کا شکار ہونے لگے۔

ان ہی دنوں مراد نگر میں ایک بزرگ عالم دین عارف شاہ کا گزر ہوا۔ جنہوں نے جلال خان کی روح کو اپنے نورانی علم سے زیر کیا جلال خان نے وعدہ کیا کہ اب وہ مراد نگر کے باسیوں کو کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ پھر احتیاطاً عارف شاہ نے مراد نگر کے گرد حصار قائم کر دیا تھا۔

جلال خان کی روح نے عارف شاہ سے جھوٹا وعدہ کیا تھا مگر اس کے قائم کردہ حصار کی وجہ سے وہ مراد نگر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا گویا جلال خان کی روح جنگل میں قید ہو چکی تھی۔

ایک روز میں جنگل سے متصل اپنی زمین پر چہل قدمی کرتے کرتے جنگل میں داخل ہو گیا۔

اچانک ہی میرے سامنے ایک ہیولہ نمودار ہوا جس نے جلال خان کا روپ دھار لیا۔

"تت تم تو مر چکے تھے۔" ایک مرے ہوئے شخص کو اپنے سامنے دوبارہ زندہ دیکھ کر میں ڈرا اور خوف سے کپکپانے لگا۔

"میں جلال خان کی روح ہوں اور تم ڈرو مت میں تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گا کیوں کہ تم زندگی میں میرے کام آتے رہے۔" اس نے دوستانہ لہجے میں جواب دیا اس کے لہجے کی نرمی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور میرے خوف میں قدرے کمی آئی۔

"دارا اکبر مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" جلال خان نے کہا۔

"میں بھلا تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے حیرت زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"روحیں تو لامحدود قوت کی حامل ہوتی ہیں اور پھر تمہارے ساتھ تو شیطانی قوتیں ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو دارا اکبر نگر میں عارف شاہ کے قائم کردہ حصار کی وجہ سے اس جنگل سے باہر نہیں جا سکتا۔" جلال خان نے مجھے اپنی حویلی سے لال حویلی تک سرنگ بنانے کو کہا تو میں پریشان ہو گیا مگر اس میں تو زر کثیر خرچ ہو گا اتنی رقم تو میرے پاس نہیں ہے۔ رقم کی تم فکر مت کرو جلال خان نے مجھے تسلی دی دوسرے روز جب میں سو کر اٹھا تو میرے بیڈ روم میں دو بڑے بیگ پڑے تھے جو پانچ ہزار آر کے نوٹوں پر مشتمل گڈیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے شہر سے ماہر تعمیرات بلوائے اور خفیہ طریقے سے سرنگ کی تعمیر شروع کر دی اپنی حویلی کے نیچے آراستہ کمرہ میں نے اپنی مرضی سے بنوایا۔

سرنگ کی تعمیر کے بعد جلال خان کی ہدایت پر میں نے ان تمام افراد کو قتل کروا دیا جنہوں نے سرنگ کی تعمیر میں حصہ لیا تھا کچھ روز بعد جب میں اپنی حویلی سے بننے والی سرنگ کے ذریعے لال حویلی کے تہہ خانے میں پہنچا تو ہال میں آقا شیطان کا بت دیکھ کر ششدر رہ گیا یہ بت یہاں کیسے آیا میرے آقا کے لئے کوئی کام مشکل نہیں اس نے پرزور لہجے میں جواب دیا اس کا بتایا ہوا اگلا کام بہت خطرناک تھا وہ عارف شاہ کا کانٹا راستے سے ہٹانا چاہتا تھا تاکہ وہ آئندہ اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے میں ہچکچا رہا تھا مگر اس کی حوصلہ افزائی اور پر آسائش زندگی کے لالچ نے مجھے ہمت دی۔

جلال خان کی ہدایت پر میں ایک اپنے وفادار

کارندے کے ساتھ دارالحکومت چلا گیا۔

اس روز عارف شاہ جیسے ہی ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا اور سڑک پار کرنے لگا ایک تیز رفتار پجارو اسے کچلی ہوئی آگے بڑھ گئی یہ پجارو میرا وفادار کارندہ چلا رہا تھا جب کہ میں اس کے برابر بیٹھا تھا عارف شاہ اس حادثے میں موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا جائے حادثہ سے دور جانے کے بعد میں نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔

"رانا صاحب گاڑی کے بریک فیل ہو چکے ہیں اس نے رو دینے والے لہجے میں جواب دیا اور میرے اوسان خطا ہو گئے اگلا موڑ مڑتے ہی پجارو سامنے سے آنے والی کوسٹر سے جا ٹکرائی اس حادثے میں ڈرائیور موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا جب کہ میں شدید زخمی تھا۔

مجھے اسپتال میں چوبیس گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ ہوش میں آتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ اس حادثے کے نتیجے میں، میں نہ صرف اندھا ہو چکا ہوں بلکہ میرا نچلا دھڑ بھی مفلوج ہو چکا ہے۔

پولیس نے بریک فیل ہونے کے باعث پجارو کے عارف شاہ کو کچلنے اور کوسٹر سے ٹکرانے کو حادثہ قرار دیا میں اسپتال سے مراد نگر آ چکا تھا۔

ایک روز میں اپنی خواب گاہ میں موجود دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا کہ "ناں میں جلال خان کی روح کی باتوں میں آتا اور نہ یوں معذوروں کی طرح بے بسی سے زندگی گزارتا۔"

اچانک خواب گاہ میں ایک آواز گونجی۔

"دوستوں سے یوں بدگمان ہونا اچھی بات نہیں۔"

"کون ہو تم؟" میں نے پوچھا۔

"پروفیسر طان شے انسان کا سب سے بڑا ہمدرد اور خیر خواہ رہی تمہاری یہ معذوری اور اندھا پن تو یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

اگلا ہی لمحہ حیرت انگیز تھا نہ صرف میری آنکھوں کی بینائی بحال ہو چکی تھی بلکہ میرا مفلوج نچلا دھڑ بھی ٹھیک ہو چکا تھا میں حقیقی معنوں میں خوشی سے ناچنے لگا۔

پروفیسر طان شے نے اگلی ہدایت دی کہ "تم کسی کو اس اصلیت کا علم نہیں ہونے دو گے کہ تم معذور نہیں لوگوں کے سامنے تم خود کو پہلے ہی کی طرح معذور ظاہر کرو گے یاد رکھو اگر تم میرے کہنے پر چلتے رہے تو دنیا کے کامیاب ترین انسان کہلاؤ گے۔"

میں نے اس کی ہدایت پر پورا پورا عمل کیا میں زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارنے لگا یہ اور بات تھی کہ میں سرنگ کے راستے لال حویلی میں چلا جاتا۔ حویلی کے ملازمین کو میری ہدایت تھی کہ جب تک میں خود اپنے کمرے میں کسی کو نہ بلاؤں کوئی میرے کمرے کا رخ نہیں کرے گا۔

ادھر عارف شاہ کی موت کے بعد بھی مراد نگر کے اطراف اس کا قائم کردہ حصار قائم تھا۔

اگلی ملاقات میں جلال خان نے مجھے انسان کو بونا بنانے کا جادو سکھایا۔ یوں میں اس کی ہدایت پر ہر اماوس کی رات مراد نگر کی کسی نہ کسی لڑکی کو بونا بنا کر لال حویلی لے جاتا جسے جلال خان لال حویلی کے تہہ خانے میں آقا شیطان کے قدموں میں قربان کر دیتا اس مرحلے میں، میں جلال خان کا ساتھ دیتا تھا کہ میں بھی اس کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ خود جب میرا دل مراد نگر کی کسی لڑکی پر آتا تو اسے بھی میں جادو سے بونا بنا کر اپنے کمرہ خاص میں لے جا کر جادو سے اصل قد و قامت میں لانے کے بعد ہوس کا نشانہ بناتا اور جب دل بھر جاتا تو جلال خان کی طرح بت کے قدموں میں قربان کر دیتا۔

تم اس لڑکی ثمینہ کے اغوا کے بعد اس کی تلاش میں لال حویلی میں داخل ہو گئے تمہیں میں نے ہی جادو سے بونا بنایا تھا اس جادو کا توڑ صرف جلال خان یا میں ہی جانتے تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ ہمارے علاوہ اس جادو کا توڑ کس نے کیا؟"

میں نے اسے ناگوار نگاہوں سے دیکھا۔

"دارا اکبر تم بے وقوف انسان ہو شیطان ازل سے ہی انسان کا دشمن ہے جو انسان کو مکر و فریب کے

جال میں پھنسا کر صراط مستقیم سے بھٹکا کر بے یارومدد گار چھوڑ دیتا ہے۔"

دارا اکبر نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔" تمہاری سوچ غلط ہے، جلال خان اور آقا شیطان کی دوستی سے اب میرے پاس مال و دولت کی کمی نہیں اماوس کی رات کے علاوہ میرا دل جس لڑکی پر چاہتا ہے اسے بونا بنا کر اپنے کمرہ عشرت میں لے جاتا ہوں اور اپنے دل کی حسرتیں خوب پوری کرتا ہوں یہ لڑکی اس نے صائمہ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا یہ جلال خان کے دشمن کی بیٹی ہے اسے بھی میں اسی غرض سے لایا تھا اب تمہیں آقائے شیطان کے قدموں میں قربان کرنے کے بعد اسے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں لے جا کر اپنے دل کی حسرتیں پوری کروں گا۔" اس نے مکروہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا اور میرے سر کے بال دائیں مٹھی میں جکڑ کر خنجر میری شہہ رگ پر رکھ دیا۔

مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا میں نے آنکھیں بند کر کے کلمہ پڑھ لیا تھا اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی دارا اکبر کا بھاری بھرکم وجود کٹے ہوئے شہتیر کی مانند ایک طرف گرا۔

صائمہ کے ساتھ ساتھ میری نظریں بھی اپنے محسن کو دیکھنے کے لئے اٹھیں اور حیرت سے پھیل گئیں یہ دانش تھا جو تین تنومند نوجوان کے ساتھ کھڑا میری طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ان کے سولجر کٹنگ بال اور باڈی لینگویج ظاہر کر رہی تھی کہ ان کا تعلق کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے سے ہے۔

دانش کے ہاتھ میں موجود پسٹل کی نال سے اب بھی ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا دانش نے مجھے آزاد کروانے کے بعد صائمہ کو بھی بندشوں سے رہائی دلوائی۔

میں نے ایک نگاہ دارا اکبر کی کنپٹی میں گولی سے بننے والے سوراخ کو دیکھا پھر دانش کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم یہاں کیسے پہنچے؟"

"بڑی لمبی کہانی ہے مختصر الفاظ میں بتاتا ہوں۔" ٹریننگ ختم ہوتے ہی گھر پہنچنے کے بعد تم سے ملنے کا ارادہ کیا تمہارے گھر پہنچا تو معلوم ہوا تم پر کسی لڑکی کے قتل اور ریپ کا الزام ہے اور تم مفرور ہو تمہارے گھر والوں کی طرح مجھے بھی یقین نہیں تھا کہ تم ایسا کر سکتے ہو وہیں تمہارے محلے دار تنویر سے ملاقات ہوئی جس سے تم شہر سے فرار ہوتے وقت اپنے محلے میں ملے تھے اور اپنی روداد سنائی تھی اسی روز تمام ٹی وی چینل پر مراد نگر نامی پہاڑی علاقے میں تمہاری گرفتاری کی خبر نشر کی گئی اس خبر کو میڈیا نے خصوصی کوریج اس لئے دی کہ تم بونے بن چکے تھے میں نے بھی حیرت سے یہ خبر سنی پھر میرے کہنے پر تمہارے پاپا نے ہمارے ادارے کے افسر اعلیٰ کو درخواست دی کہ مجھے پولیس تفتیش پر اعتماد نہیں لہٰذا کیس ہمارے ادارے کے سپرد کیا جائے پھر میں نے بھی افسر اعلیٰ سے اپنی دوستی کے بارے میں بتاتے ہوئے اصرار کیا تو وہ مان گئے میں نے سب سے پہلے مقتولہ تحریم کی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں لکھا تھا کہ مقتولہ تحریم دو ماہ کی حاملہ تھی اور وہ مکان جس میں تحریم کا قتل ہوا زاہد خان کی ملکیت تھا خوش قسمتی سے زاہد خان، سرفراز اور وکی اسی رات دارالحکومت پہنچے جنہیں ہمارے ادارے کے جوانوں نے گرفتار کر لیا زاہد خان اور سرفراز پر سختی کی تو معلوم ہوا تحریم کا قتل وکی نے اس سے جان چھڑانے اور تمہیں پھنسانے کی غرض سے کیا تھا خود وکی نے بھی اقرار جرم کرتے ہوئے تمہارے بارے میں بتایا کہ تم بونے بن چکے ہو اور مراد نگر کے تھانے میں ہو۔

دوران تفتیش معلوم ہوا کہ وکی سرفراز اور زاہد خان کا تعلق منشیات اسمگل کرنے والے گروہ سے ہے۔ آج جب میں اپنے ادارے کے جوانوں کے ساتھ مراد نگر پولیس اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا رات نصف شب کے قریب تم فرار ہو گئے تھے۔ ہم نے سوچا کہ شاید تم حکیم لقمان کے گھر ہو وہاں پہنچنے پر صائمہ کے اغوا اور تمہارے لال حویلی میں جانے کا علم ہوا سچی بات تو یہ ہے مجھے روح والے معاملے پر شروع سے ہی شک تھا۔ وکی بھی باپ کے کرتوتوں سے بے خبر تھا اور پھر دارا اکبر کی معذوری کی وجہ سے ہم سمیت کسی نے بھی اس پر شک نہیں کیا۔

حکیم لقمان نے لبادہ پوش کا ذکر کرتے ہوئے اس کا حلیہ بتایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی شاطر مجرم ہے جو بدروح کا ناٹک رچاتے ہوئے خونی کھیل کھیل رہا ہے ظاہر ہے یہ لبادہ پوش مراد نگر ہی کا تھا کیوں کہ اگر وہ کوئی اجنبی ہوتا تو نگاہ میں آ جاتا تب میں نے کھوجی کتوں کی مدد سے لبادہ پوش تک پہنچنے کا سوچا لبادہ پوش حکیم لقمان کے گھر آ چکا تھا اس لئے اس کے جسم کی مہک حکیم لقمان کے گھر موجود تھی کھوجی کتے جب دارا اکبر کی حویلی تک پہنچے تو ہم یہی سمجھے کہ لبادہ پوش کا تعلق اس حویلی سے ہے۔

دارا اکبر کے تمام ملازمین کو حراست میں لے لیا گیا ایک ملازم نے بتایا کہ دارا اکبر بہت کم اپنے کمرے سے نکلتا ہے اور کسی کو اس کے کمرے میں بغیر اجازت جانے کی اجازت نہیں تب ہم ایک ملازم کے ساتھ دارا اکبر کے کمرے کے دروازے پر پہنچے ملازم نے اس کو دستک دینے کے ساتھ ساتھ آواز بھی دی جب کچھ دیر تک دروازہ نہ کھلا تو ہم نے ماسٹر کی سے کمرے کا دروازہ کھولا دارا اکبر اپنے کمرے میں موجود نہ تھا یہ خلاف معمول بات تھی کمرے میں موجود لیپ ٹاپ آن دیکھ کر ہمارا شک مزید پختہ ہو گیا کہ بھلا اندھا انسان اسے کیسے استعمال کر سکتا ہے۔

دراصل پوری سرنگ میں جگہ جگہ خفیہ کیمرے نصب تھے دارا اکبر اپنے کمرے سے لال حویلی اور سرنگ کی نگرانی کرتا رہتا تھا اسی لئے جیسے ہی تم لال حویلی سے سرنگ تک پہنچے اسے خبر ہو گئی دارا اکبر کے کیمرے سے سرنگ کا خفیہ راستہ ڈھونڈ کر ہم نیچے ایک آراستہ کمرے میں پہنچے اور پھر سرنگ کے ذریعے محتاط انداز میں چلتے ہوئے ہال نما کمرے تک آ گئے اندر سے آنے والی آوازیں سن کر ہم دروازے کی آڑ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور تم سے کی جانے والی دارا اکبر کی گفتگو سننے لگے۔

پھر جب دیکھا کہ تمہاری جان خطرے میں ہے تو ہمیں حرکت میں آنا پڑا دارا اکبر کو شوٹ کرنا مجبوری تھی مجھے خدشہ تھا کہ لالکار نے یا زخمی کرنے کی صورت میں انتقاماً تمہارے گلے پر خنجر نہ چلا دے اس لئے میں نے اس کی کنپٹی پر گولی چلائی اب خس کم جہاں پاک۔" اس نے یوں ہاتھ نچاتے ہوئے کہا مجھے ہنسی آ گئی۔

اسی اثناء میں سرنگ میں قدموں کی آواز ابھری یہ دو پولیس اہلکار اور حکیم لقمان تھے حکیم صاحب کو دیکھتے ہی صائمہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی تم ٹھیک تو ہو بیٹی انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا صائمہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ایک طرف ہوئی تو وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے معاف کرنا بیٹا ان پولیس والوں کو میں اصرار کر کے یہاں تک لایا تھا اور اصل مجھے صائمہ بیٹی کی فکر تھی انہوں نے سادگی سے وضاحت کی تو دانش کے ساتھ ساتھ میں بھی مسکرا دیا دانش دارا اکبر نے جلال خان کی بدروح اور شیطان کا بھی تو ذکر کیا تھا۔

میں نے دارا اکبر کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو دانش ہنسا بے وقوف پڑھے لکھے ہو کر اس قسم کی توہم پرستی کی جاہلانہ بات کر رہے ہو یہ بھوت پریت بدروح، میں ان باتوں کو نہیں مانتا یہ دارا اکبر کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ہال نما کمرہ خوف ناک قسم کی چیخ وپکار سے گونج اٹھا ایسا لگ رہا تھا کہ ہزاروں بدروحیں مل کر چیخ رہی ہوں یہ آوازیں کیسی ہیں میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا دانش سمیت ہال میں موجود تمام افراد حیرت اور خوف سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے ڈری سہمی صائمہ خوف کی شدت سے ایک طرف کھڑی کانپ رہی تھی۔

اچانک ہی چیخ وپکار کی آوازیں تھم گئیں اور شیطان کے دیوہیکل بت کے قریب ایک ہیولہ سا نمودار ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دراز قد شخص کا روپ دھار لیا۔

"یہ جلال خان ہے۔" حکیم لقمان چیخے۔

"یہ کیا بکواس ہے لگتا ہے یہ کوئی دارا اکبر کا ساتھی ہوگا۔" دانش نے ناگوار لہجے میں کہا۔ وہاں موجود سب افراد میں دانش ہی واحد فرد تھا جو اس صورت حال سے خوف زدہ نہیں تھا۔

"تم سب میرے دوست دارا اکبر کے قاتل ہو تم

میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔" ہال نما کمرے مین جلال خان کی آواز گونجی۔

"تو پھر تم خود بھی دارا اکبر کے پاس جاؤ۔" دانش نے پسٹل کا رخ جلال خان کی طرف کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بے وقوف روحوں پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔" جلال خان نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ دانش غصے سے ٹریگر دباتا چلا گیا گولیاں جلال خان کے جسم سے گزرتی ہوئی عقب میں موجود دیوار سے جا ٹکرائیں دانش بوکھلا کر کبھی اپنے ہاتھوں میں موجود پسٹل اور کبھی جلال خان کو دیکھ رہا تھا۔

"اٹھو دارا اکبر اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا بدلہ لو۔" ہال میں جلال خان کی آواز ایک بار پھر گونجی۔

پھر ہم نے جو منظر دیکھا بلاشبہ ہارر فلموں میں تو بہت سوں نے دیکھا ہوگا مگر حقیقت میں شاید ہی کسی نے دیکھا ہو مردہ دارا اکبر کسی زندہ لاش کی طرح قریب پڑا خنجر اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اس صورت حال سے ہال میں موجود تمام افراد دہشت زدہ ہو چکے تھے خود دانش کے چہرے پر پہلی بار ڈر اور خوف کے تاثرات دکھائی دے رہے تھے۔ سب ساکت وجامد کھڑے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس زندہ لاش کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہے تھے ہماری نگاہوں کے سامنے اس نے حکیم لقمان کے سینے میں عین دل کے مقام پر گولی پیوست کردی تو دانش کے ساتھیوں نے اس مردے پر گولیاں چلادیں گولیوں سے چھلنی ہونے کے باوجود اس نے آگے بڑھتے ہوئے ایک پولیس اہلکار کو دبوچ کر خنجر اس کی شہہ رگ پر پھیر دیا۔

"ہم دور جدید میں سانس لینے والے ان بہت سے لوگوں میں سے تھے جو بھوت پریت یا ماروائی قوتوں پر یقین نہیں رکھتے اب اپنی نگاہوں کے سامنے ان محیر العقل واقعات کو دیکھ کر ہماری روشن خیالی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔"

سب ہی جان بچانے کے لئے ہال نما کمرے سے سرنگ میں بھاگے میں نے بے ہوش صائمہ کے نرم ونازک وجود کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور دانش کے عقب میں سرنگ کی طرف بھاگا بھاگتے بھاگتے عقب میں ایک دوسرے پولیس اہلکار کی چیخ سنائی دی مڑ کر دیکھا تو دارا اکبر کا مردہ ایک دوسرے پولیس اہلکار کو ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھا اٹھا کر دیوار پر پٹخ رہا تھا یہ ناقابل یقین منظر تھا مگر اس ہال نما کمرے میں ہم نے بہت سے ایسے مناظر دیکھ چکے تھے اس لئے اس پولیس اہلکار کو نظر انداز کرتے ہوئے سرنگ میں بھاگتے بھاگتے اس کمرے تک جا پہنچے جہاں حویلی میں پہنچنے کا خفیہ راستہ تھا جلدی سے یہاں سے نکلنے کا خفیہ راستہ تلاش کرو دانش چلایا۔ اور خود بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوڑ پڑا ہمارا رخ خوف بڑھتا جا رہا تھا۔

"لگتا ہے یہ جلال خان کی شیطانی بدروح کا کمال ہے۔" دانش نے پریشان لہجے میں کہا۔

ادھر صائمہ بھی کسمساتی ہوئی ہوش میں آچکی تھی۔

"بابا کہاں ہیں؟" اس نے ہوش میں آتے ہی حکیم صاحب کے بارے میں پوچھا۔

"صائمہ حوصلہ رکھو یہاں کچھ ایسے ناقابل یقین واقعات پیش آچکے ہیں جو انسانی عقل کی سمجھ سے باہر ہیں۔ خدارا اگر اب دوبارہ کچھ ایسا دیکھو تو ڈر کر بے ہوش نہ ہونا۔" میں نے اسے کندھے سے اتارتے ہوئے کہا وہ شاید پھر حکیم لقمان کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔

کہ گولیوں سے چھلنی دارا اکبر کی لاش کمرے میں داخل ہوگئی اسے اس حال میں زندہ دیکھ کر وہ ڈر کے مارے چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی زندہ لاش نے دانش کو دبوچنا چاہا تو اس نے چابک دستی سے مارشل آرٹ کا داؤ آزما کر اسے سر سے اٹھا کر ایک طرف پٹخ دیا اور دوبارہ سرنگ میں بھاگتے ہوئے چلایا۔ "بھاگو یہاں سے۔"

ہم سب گرتے پڑتے بھاگتے دوبارہ ہال نما کمرے میں جا پہنچے جہاں جلال خان کھڑا ہمیں قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگ موت سے بچ کر نہیں بھاگ سکتے تہہ خانے سے باہر جانے کے تمام راستے میں اپنی جادوئی

قوت سے بند کر چکا ہوں۔" ہال میں جلال خان کی آواز گونجی۔ صائمہ حکیم لقمان کی خونچکاں لاش دیکھ کر چیختے ہوئے رونے لگی۔

وہ زندہ لاش بھی دوبارہ ہال کے دروازے پر پہنچ گئی تھی اس کی خوف ناک غراہٹیں اور جلال خان کی روح ہمیں خوف ودہشت میں مبتلا کر چکی تھی خود دانش بھی اس صورت حال سے خوف زدہ ہو چکا تھا زندہ لاش غراتی ہوئی ہماری طرف بڑھ رہی تھی اور کوئی راہ فرار بھی نہ تھا۔

اب خدا کی قدرت ہی ہمیں بچا سکتی تھی میں نے دل ہی دل میں اللہ کو پکارا مجھے یقین تھا میری ہی طرح دانش اور اس کے ساتھیوں نے بھی خود کو بے بس پا کر ضرور اللہ کو پکارا ہوگا کہ مشکل وقت میں اللہ ضرور یاد آتا ہے۔

ایسی مشکل گھڑی میں صائمہ نے ہمارے لئے مزید مشکل کھڑی کردی وہ ڈر اور خوف کے مارے مجھ سے ہاتھ چھڑا کر چیختی ہوئی سرنگ کی طرف بھاگی ہی تھی کہ راستے میں کھڑے دارا اکبر نے اسے دبوچ لیا۔

ہمیں اس کی موت کا یقین ہو چلا تھا کہ ابھی پل ہال نما کمرے میں، حق اللہ ہو کا نعرہ مستانہ گونجا۔

نعرہ مستانہ بلند کرنے والی شخصیت نورانی چہرے والے بزرگ تھے۔ جن سے میں مراد نگر میں تین بار پہلے بھی مل چکا تھا انہوں نے نمودار ہوتے ہی شہادت کی انگلی سے شیطان کے بت کی طرف اشارہ کیا شیطان کا بت منہ کے بل زمین بوس ہوا اور گرتے ہی کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا، بت کے گرتے ہی دارا اکبر کی لاش بھی بے حس وحرکت ہو کر زمین بوس ہو چکی تھی خوف زدہ صائمہ چیختی ہوئی دوبارہ ہمارے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

"باباجی آپ۔" میں انہیں عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ جلال خان بھی تحیر زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"عارف شاہ تم؟"

"ہاں میں۔" انہوں نے جلال خان کو غضب ناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے پر جلال لہجے میں کہا۔

"تمہیں بہت ناز تھا ناں شیطان مردود پر دیکھ لو۔ اس کا ٹکڑوں میں بٹا زمین بوس بت۔" جلال خان نے پھر غرور لہجے میں کہا۔

"وہ وقت بھول جاؤ جب تم نے مجھے اپنی نورانی قوتوں سے زیر کیا تھا اب میں آقا شیطان کا طاقتور ترین چیلا ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہیں اپنی راہ سے ہٹانے کی غرض سے میں نے دارا اکبر کو استعمال کیا تھا میرے ہی کہنے پر آقا شیطان نے وکی کو تمہاری بیٹی عائشہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ورغلایا وہ عائشہ کو اغوا کر کے اپنے اپارٹمنٹ لے گیا جہاں عائشہ اس کے ہاتھوں ماری گئی اور میرے جذبہ انتقام کو تسکین ملی۔" باباجی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں مگر تم نہیں جانتے اوپر والے کی لاٹھی بے آواز ہے جب حرکت میں آتی ہے تو بڑے سے بڑا ظالم نہیں بچ پاتا۔" وہ بولتے ہوئے ہمارے سامنے آکر ڈھال کی طرح کھڑے ہو چکے تھے۔

"پہلے تم انہیں تو بچاؤ پھر کی پھر دیکھیں گے۔" جلال خان نے قہقہہ لگاتے ہوئے دونوں ہاتھ جھٹکے آگ کا بڑا سا گولا اس کے ہاتھوں سے نکل کر اس تیزی سے ہماری طرف بڑھا کہ ہم نے ڈر کر سرنگ میں بھاگنا چاہا۔

"اپنی جگہ سے ہلنا مت۔" باباجی نے ہمیں تنبیہ کرتے ہوئے کچھ پڑھ کر پھونکا۔ آگ کا گولا ہمارے قریب پہنچتے ہی اس طرح بجھ گیا جیسے اس پر کسی نے پانی ڈال دیا ہو اپنے مہلک ترین وار کو ناکام ہوتا دیکھ کر جلال خان کی روح نے اپنا پاؤں پٹختے ہوئے ہماری طرف ہاتھ جھٹکے کئی فٹ لمبے درجنوں زہریلے سانپ پھنکارتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔

صائمہ تو خوف ودہشت سے چیخ پڑی۔ قریب تھا کہ وہ ڈر کر اپنی جگہ سے بھاگنے لگی کہ باباجی کی آواز گونجی خبردار اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔

سانپ ہمارے قریب بھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ باباجی نے دونوں ہاتھ جھٹکے ایک جسیم نیولا نمودار ہوا اور سانپوں پر جھپٹ کر لمحوں میں انہیں ادھیڑ کر رکھ دیا اس

کے ساتھ ہی سانپ اور نیولا غائب ہوگئے دانش اور اس کے ساتھی، میں اور صائمہ دم بخود ماورائی قوتوں کی یہ حیرت انگیز جنگ دیکھ رہے تھے۔

جلال خان کی روح نے باباجی کی روح کو زیر کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کردیں، جادو کے کئی مہلک ترین وار کئے مگر باباجی نے اس کے ہر وار کو ناکام بناڈالا۔

"ناہنجار اب میری باری ہے شیطان کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتا ہے تو ایک بار پھر بلا سکتا ہے مگر اتنا یاد رکھ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اس کی دوستی مکڑی کے جالے کی مانند ہے جس میں پھنسنے کے بعد انسان باہر نہیں نکل پاتا شیطان انسان کو حرص وہوس کے جذبات سے مغلوب کر کے گمراہ بناڈالتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے تو بے اعتنائی سے منہ پھیر لیتا ہے تم بھی شیطان کے کہنے میں آ کر گمراہ بن گئے اس کا انجام یہ ہوا کہ تم اپنی جان سے بھی گئے تمہارے مرنے کے بعد شیطان نے تمہاری روح کو بھی اپنے مفاد کی خاطر استعمال کیا شیطان گمراہ انسان کے جسم اور روح دونوں پر قابض ہوجاتا ہے مگر نورانی طاقتوں کے سامنے طاغوتی قوتیں بھی بے بس ہوجاتی ہیں دارا اکبر بھی شیطان کی باتوں میں آ کر گمراہ ہوا اور گمراہی کی حالت میں مرا"

دارا اکبر کے مرنے کے بعد بھی شیطان نے اس کے جسم پر قابض ہو کر ان لوگوں کو مارنا چاہا مگر اسے میرے مقابلے میں پسپا ہونا پڑا۔

جلال خان نے خود کو باباجی کے مقابلے میں بے بس پا کر راہ فرار اختیار کرنا چاہی مگر اس کے چاروں طرف نادیدہ بندشیں موجود تھیں۔

"مجھے بچاؤ آقا شیطان۔" وہ مدد کے لئے چلایا اسی پل ایک سیاہ رو شخص نمودار ہوا وہ اس قدر کریہہ الصورت تھا کہ اسے دیکھتے ہی نفرت کا احساس ہوتا تھا جلال خان چلایا مجھے بچاؤ آقا شیطان تب ہی باباجی نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"اسے بتا شیطان مردود تیری اصلیت کیا ہے۔"

شیطان کی منحوس آواز ہال میں گونجی۔ "عارف شاہ یہ سچ ہے میں انسان کو بہکا کر گمراہی کے گڑھے میں اس حد تک دھکیل دیتا ہوں کہ نہ وہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا جب میں دیکھتا ہوں کہ اس کے لئے واپسی کی کوئی راہ نہیں تو میں اپنا مقصد پورا ہوتا دیکھ کر نئے شکار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

جلال خان کے ساتھ بھی یہی ہوا جلال خان گمراہی کی حالت میں مرا اور مرنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

پھر جلال کی روح کے ذریعے میں نے دارا اکبر کو گمراہ کیا وہ بھی گمراہ ہو کر مرگیا اب دوزخ اس کا مقدر ہے یہی میرا مقصد ہے۔" اتنا کہتے ہی شیطان وہاں سے غائب ہوگیا۔

شیطان کی باتیں سن کر جلال خان کی آہ بکا سے ہال گونج اٹھا۔

باباجی نے جلال خان کی طرف دایاں ہاتھ جھٹکا تو ایک شعلہ سا جلال خان کی طرف بڑھا شعلہ جیسے ہی جلال خان سے ٹکرایا تو اس کا وجود سکڑنے لگا اور سکڑتے سکڑتے اچانک غائب ہوگیا۔

باباجی اب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ "غصہ، حسد اور غرور تکبر شیطان کے ہتھیار ہیں ان سے بچنا اور کوشش کرتے رہنا کہ مشکل وقت میں دوسروں کے کام آؤ۔" اتنا کہتے ہی باباجی اچانک غائب ہوگئے۔

حکیم صاحب کی موت کے بعد صائمہ کا مراد نگر میں کوئی رشتہ دار باقی نہ رہا تھا وہ دانش اور میرے ساتھ ہی دارالحکومت آ گئی جہاں دھوم دھام سے ہماری شادی ہوئی۔

اور ہاں وقاص عرف وکی کے بارے میں تو بتانا ہی بھول گیا۔ اسے عدالت نے موت کی سزا سنائی تھی جب کہ سرفراز اور زاہد خان کو عمر قید۔

اب گرمی بھی ہوگئی ٹھنڈی ...

تبت

پریکلی ہیٹ

پاؤڈر

تبت پریکلی ہیٹ پاؤڈر

گرمی دانوں سے نجات اور ٹھنڈک کا خوشگوار احساس

TPHP/07.2K17